اشارات

حضرت علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر
التذکرہ پبلی کیشنز
المشرقی ہاؤس، ۲۴ ذیلدار روڈ، اچھرہ لاہور — ۵۴۶۰۰
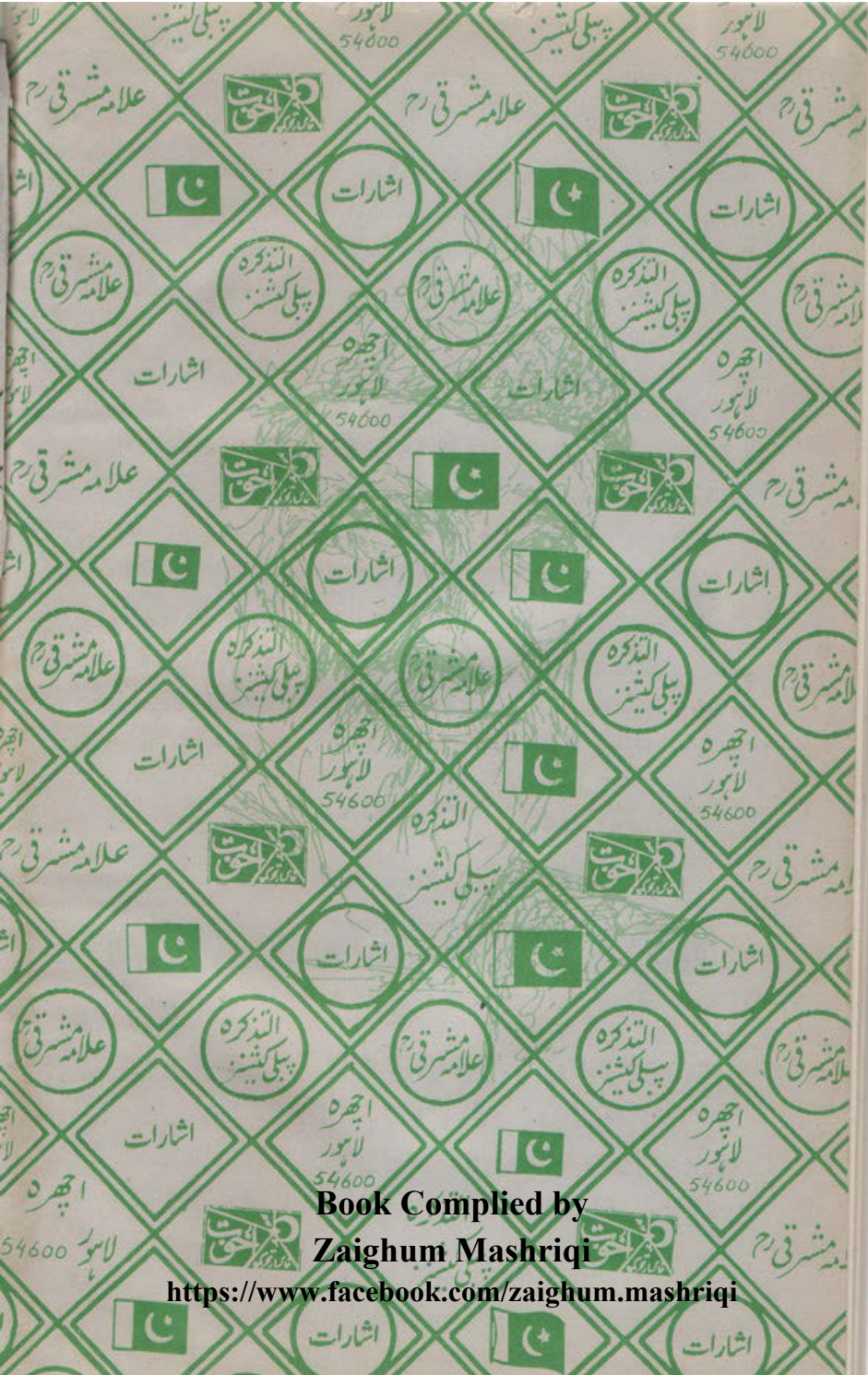
ترتیب و فہرست

اشارات------ مصنف: حضرت علامہ مشرقی رحمۃ اللہ علیہ

Al-Tazkirah Publications
34-Zaildar Road, Ichhra - Lahore. 54600
Mobile: 03337535670 - 03317949394
Email: altazkirah.publications@gmail.com

پیشہ ور قائد!

وہ تاجر تھے نرے یہ تاجر قوم !
یہاں پشتوں سے پیشہ رہبری ہے
سنو ملت کی لم مل بیٹھنا ہے
بکھر جاؤ گے پوری ابتری ہے

(حضرت علامہ مشرقیؒ)
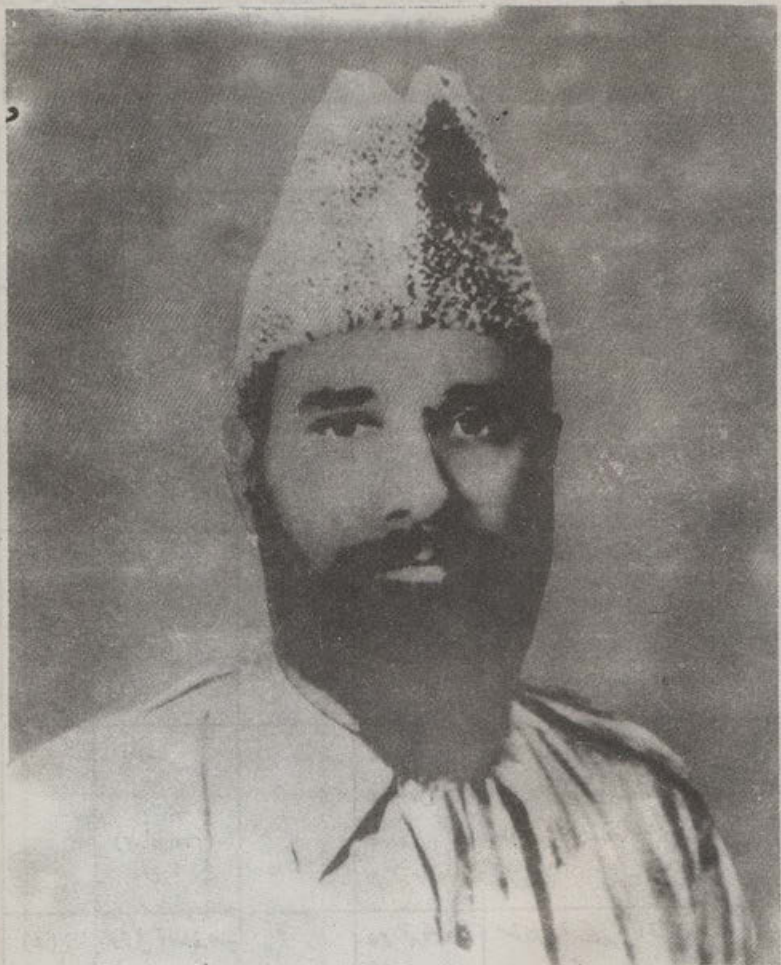
اے مہلت زمانہ! نہ کچھ کر کے دیکھ لے
ہونا وہی ہے بس جو میں علنا" بتا گیا
کچھ فلسفی نہیں ہوں کہ لڑھکوں ادھر ادھر
سیدھے ستون میں حق کے زمین پر لگا گیا

حضرت علامہ مشرقیؒ

روئے زمین پر تہلکہ مچا دینے والی کتب..... جن کی تعلیم زندہ اقوام کیلئے ابدالاباد تک پیام حیات

حضرت علامہ مشرقیؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

نمبر شمار	نام کتاب	زبان	سن اشاعت	عنوان
(۱)	خریطہ	دیباچہ۔اردو شاعری۔فارسی	۱۹۰۲ تا ۱۹۰۹ء ۷ فروری ۱۹۲۴ء	۱۴ برس کی عمر میں ۱۳۶ رباعیوں اور ۱۰۷ اشعروں پر مشتمل فارسی شاعری
(۲)	تذکرہ (جلد اول دوم سوم ودیگر جلدیں)	دیباچہ۔افتتاحیہ اردو و عربی	۳۰ مارچ ۱۹۲۴ء ۱۰ رجب المرجب ۱۳۴۲ھ	مسلمانان عالم کو ان کی اجتماعی موت و حیات کے متعلق پیغام اخیر۔ الٰہی حکمت کا حیرت انگیز مرقع
(۳)	خطاب مصر	عربی/اردو	۱۳ مئی ۱۹۲۶ء	امت مسلمہ کو آنے والے خطرات سے بچانے کے لئے عالمگیر پروگرام
(۴)	اشارات	اردو	یکم اگست ۱۹۳۱ء	مسلمانوں کو پھر طاقتور بنادینے کا واحد طریقہ اور لائحہ عمل
(۵)	قول فیصل	"	۱۵ نومبر ۱۹۳۵ء	قوموں کا زوال اور اس کا علاج خاکسار تحریک کے پروگرام کی مکمل تشریح
(۶)	مقالات (جلد اول دوم)	"	جلد اول ۷ جنوری ۱۹۳۷ء جلد دوم ۲ ستمبر ۱۹۴۳ء	ہفت روزہ "الاصلاح" میں چھپے حضرت علامہ مشرقی کے وہ عظیم الشان مقالات جنہوں نے خاکسار تحریک کو ملک گیر کر دیا
(۷)	مولوی کا غلط مذہب (مقالات)	"	۲۵ ستمبر ۱۹۳۶ء تا ۲۸ اگست ۱۹۳۸ء	مسلمانان عالم کے مذہبی اختلافات اور مولویوں کے بگڑے ہوئے مذہبی تخیل کا پر تحقیق اور ناقدانہ جائزہ
(۸)	صراط المستقیم	(تصویری البم)	۱۹۳۸ء	غلبہ اسلام، تحریک آزادی اور خدمت خلق کے لئے خاکسار تحریک کی جدوجہد کا تصویری البم
(۹)	خاکسار آئین	(انگریزی)	۲۵ مارچ ۱۹۴۵ء اشاعت اکتوبر ۱۹۴۵ء	انگریزی اقتدار کا چیلنج کہ ایسا "سیاسی آئین" جس پر تمام عناصر متفق ہوں تو ہندوستان کو آزاد کر دیں گے کو قبول کرتے ہوئے تحریر کیا۔

نمبر شمار	نام کتاب	زبان	سن اشاعت	بعنوان
(۱۰)	حریم غیب	اردو (نظم)	۷ر اکتوبر ۱۹۵۲ء	مذہب کا آخری مقصد
(۱۱)	دہ الباب	" (نظم)	۱۰ر نومبر ۱۹۵۲ء	مسائل زمین، فراحیات
(۱۲)	حدیث القرآن	" (نثر)	۳۰ر مئی ۱۹۵۱ء ۲۵ر نومبر ۱۹۵۲ء	مقصد پیدائش کائنات ○ مقام خدا مقام انبیاء۔ مقام الکتاب۔ مقام فطرت
(۱۳)	ارمغان حکیم	" (نظم)	۲۳ر نومبر ۱۹۵۲ء	غزل پر آخری کلام
(۱۴)	انسانی مسئلہ	انگریزی/اردو	۱۹۵۵ء	بیس ہزار سائنسدانوں کے نام تسخیر کائنات کا عظیم الشان پیغام جس کے بعد وہ پیدائش کائنات اور تسخیر کائنات کی طرف رجوع ہوئے۔
(۱۵)	تکملہ (سیرت رسول اللہ ؐ)	اردو	۱۴ر مئی ۱۹۶۰ء جلد اول (جلد دوم)	اقرأ باسم ربک الذی کی پہلی وحی سے الیوم اکملت لکم دینکم کی آخری وحی تک رسالت مآب کی ۲۳ برس کی مکی اور مدنی زندگی اور قرآن کی تشریح
(۱۶)	علم القرآن	"	زیر طبع	قرآنی آیات کا ترجمہ حضرت علامہ مشرقی کے قلم سے
(۱۷)	سیاہ کار لیڈر	"	۱۹۳۵ء۔۳۶	جس میں واضح طور پر بتلایا گیا ہے کہ موجودہ سیاہ کار لیڈر قوم کو دھوکہ دے کر کس طرح مفادات حاصل کرتے ہیں ان کی سیاہ کاریاں کیا ہیں؟
(۱۸)	قرآن الارض	"	۱۹۵۲ء	جس میں زمین کے موجودہ دس اہم مسئلوں اور ان کے حل کا انکشاف کیا گیا ہے۔
(۱۹)	قرآن حکیم کی مسلسل کہانی	"	۱۹۵۱ء	قرآن حکیم کی تعلیم کے ماحصل کو مسلسل طور پر سمجھنے کی تشریح مع قرآن کو سمجھنے کے لئے بلندی نگاہ کیا ہو؟

نمبر شمار	نام کتاب	زبان	سن اشاعت	عنوان
(۲۱)	خاکسار تحریک کا دستور العمل	اردو	یکم دسمبر ۱۹۳۶ء	جس نے لکھو کھہا انسانوں میں اخوت' اتحاد' جہاد اور خدمت خلق کا جذبہ پیدا کر کے محلوں کی سطح پر روزانہ بلالحاظ مذہب و تفریق ایک قطار میں کھڑا کر کے انقلاب برپا کر دیا۔
(۲۲)	مقالات مشرقی	"	۱۹۳۷ء تا ۱۹۶۳ء	قیام پاکستان سے قبل اور بعد کے مقالات' تقاریر اور دیگر تحریریں۔
(۲۳)	قرآن حکیم کی تعلیم کا خلاصہ	"	۱۹۵۱ء	اس میں نوع انسان کو اس کا مقام و مقصد بتایا گیا ہے اور فلسفہ تسخیر کائنات ولقائے رب کو تاریخ عالم میں پہلی بار قرآن حکیم کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے۔
(۲۴)	کشمیر اور علامہ مشرقی	"	۱۹۹۳ء	حضرت علامہ مشرقی کی کشمیر کے بارے میں تمام تجویزوں' کوششوں' تنبیہوں' حسابی اندازوں اور جدوجہد کو یکجا کر دیا گیا۔
(۲۵)	ارشادات علامہ مشرقی	اردو	۱۹۹۷ء	حضرت علامہ مشرقی کی تصانیف' خطبات اور مقالات کا اختصار۔

میری تصانیف کا مقصد اس قدر ہے کہ

قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی اونیٰ سی عملی اور علمی آگ پاکستان کے زوال یافتہ مسلمان میں پیدا ہو جائے اور وہ آگے بڑھنے کے قابل ہو۔ یہی امید ہے جو مجھے کھینچے لئے جا رہی ہے اور کیا عجب کہ ایک گروہ یہاں یا کسی اور اسلامی ملک میں پیدا ہو جائے تو مسلمان کی بگڑی فوراً بن سکتی ہے۔ (حضرت علامہ مشرقی)

Mobile: 03337535670 - 03317949394
Email: altazkirah.publications@gmail.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقیب فطرت، مفکر اعظم، سالار انقلاب اور بانی خاکسار تحریک
حضرت علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقیؒ
کی
داستان حیات

پیدائش: ۲۵ اگست ۱۸۸۸ء ○ وفات: ۲۷ اگست ۱۹۶۳ء

○ ڈاکٹر محمد عظمت اللہ بھٹی (مدیر اعلیٰ الاصلاح لاہور)

حضرت علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقیؒ ۲۵ اگست ۱۸۸۸ء کو امرتسر کے رئیس اعظم خان عطا محمد خان کے ہاں تولد ہوئے۔ آپ نے اٹھارہ برس کی عمر میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے (ریاضی) کے امتحان میں سابقہ ریکارڈ مات کر کے ایک نیا ریکارڈ قائم کیا۔ اس کامیابی پر خراج تحسین پیش کرتے ہوئے روزنامہ "ٹریبیون" نے لکھا کہ "کیا کوئی اب بھی یہ کہہ سکے گا کہ مسلمان حساب نہیں جانتے؟" اس دور کے مشہور حساب دان پروفیسر ایس۔ این۔ داس گپتا نے اپنے قابل فخر شاگرد کے اس شاندار کارنامہ پر اظہار مسرت کرتے ہوئے برملا کہا کہ پنجاب نے ریاضی میں اس سے ہوشیار طالب علم آج تک پیدا نہیں کیا۔

پنجاب یونیورسٹی میں کامرانی کے جھنڈے گاڑنے کے بعد آپ نے ۱۹۰۷ء میں کیمبرج یونیورسٹی کے کرائسٹ کالج میں داخلہ لیا اور پہلے ہی سال

ریاضی کے ایک مقابلے میں جہاں سترہ کالج شریک تھے اول رہ کر "فاؤنڈیشن سکالر" کا خطاب اور ستر پونڈ ماہوار کا وظیفہ حاصل کیا۔ ○ ۱۹۰۹ء میں آپ ریاضی کے "ٹرائی پوز آنرز" کے امتحان میں جو دنیا میں علم ریاضی کا سب سے بڑا امتحان قرار پاتا ہے، شریک ہوئے۔ اور تین سالہ کورس کی تیاری دو سال میں مکمل کر کے نہ صرف اول آئے بلکہ رینگلر کے اعزاز سے بھی نوازے گئے۔ دو سال کے بعد وہ ٹرائی پوز آنرز کے دو امتحانوں میں شریک ہوئے اور اس چھ سالہ نصاب کی تیاری دو سال میں مکمل کر کے درجہ اول میں کامیابی حاصل کر کے پوری علمی دنیا کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ ان عظیم الشان علمی کارناموں پر خراج تحسین پیش کرتے ہوئے انگلستان کے مشہور اخبار "ڈیلی مرر" نے کہا کہ امسال کیمبرج میں دو ٹرائی پوز میں بیک وقت کامیابی کا جو غیر معمولی اعزاز حاصل کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے اور آج تک کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ اسی طرح آپ نے بی۔ او۔ ایل (السنہ شرقیہ) کا ٹرائی پوز درجہ اول میں حاصل کیا اور ساتھ ہی علم طبعیات میں بی ایس سی کی ڈگری آنرز کے ساتھ حاصل کی اور یونیورسٹی میں اولیت کا انعام حاصل کیا۔ ○ ۱۹۱۲ء میں آپ نے مکینیکل سائنس ٹرائی پوز کے سب سے بڑے امتحان میں صرف ایک سال کی تیاری سے آنرز کی ڈگری حاصل کی۔ پانچ سال کی مختصر مدت میں چار عظیم ترین علمی اعزازات کا حصول ایک ایسا حیرت انگیز کارنامہ تھا جس نے برطانیہ کے علمی حلقوں میں ایک سنسنی سی پھیلا دی۔ ہونہار ہندوستانی سکالر کی عظمت کا لوہا بیٹھ گیا۔ ○ روزنامہ "سٹار" لندن نے لکھا کہ اس وقت تک یہ بات ناممکن خیال کی جاتی تھی کہ پانچ سال کی قلیل مدت میں کوئی شخص کیمبرج سے چار اعلیٰ ترین اعزازات حاصل کر سکے لیکن یہ

سہرا ہندوستان کے سر ہے کہ عنایت اللہ خان نے اس ناممکن کو ممکن کر دکھایا۔

○ ڈیلی "کرانیکل" نے لکھا کہ مکینیکل سائنس ٹرائی پوز کا نتیجہ جو کل کیمبرج میں شائع ہوا ہے عنایت اللہ خان کی کامیابی کو پیش نظر رکھ کر نہایت قابل لحاظ ہے۔ دنیا بھر کی قوموں میں عنایت اللہ خان پہلا شخص ہے جس نے چار مختلف اعزازات حاصل کئے۔ ○ روزنامہ ویسٹ منسٹر گزٹ کے کالموں میں یوں خراج تحسین پیش کیا گیا ہونہار ہندوستانی سکالر عنایت اللہ خان نے آج ایک اور اعزاز حاصل کیا۔ بلا شبہ وہ چوٹی کے ان ہندوستانیوں میں سے ہے جنھوں نے کیمبرج یونیورسٹی سے شہرت دوام حاصل کی۔ ○ کیمبرج ڈیلی نیوز نے یونیورسٹی کا نتیجہ شائع کرتے ہوئے لکھا کہ کامیاب طلباء کی جو تازہ فہرست شائع ہوئی ہے اس میں عنایت اللہ خاں آف کرائسٹ کالج کا شاندار کارنامہ خاص دلچسپی کا مرکز ہے۔ عنایت اللہ خاں تمام ہندوستانیوں سے بازی لے گیا ہے اور اقوام عالم کے افراد میں پہلا شخص ہے جس نے چار مختلف علوم میں انتہائی اعزازات حاصل کئے۔

○ آپ ۱۹۱۲ء میں انگلستان سے واپس ہوئے تو خوش نصیبیاں اور سعد بختیاں چشم براہ تھیں۔ مختلف ریاستوں اور صوبائی و مرکزی حکومتوں کی طرف سے اعلیٰ مناسب کی پیش کش شروع ہو گئی۔ عظمت و شہرت اور جاہ و منصب کا ہر دروازہ آپ کے لئے کھلا تھا لیکن آپ کی نگاہوں کے سامنے اپنی قوم کی نشاۃ ثانیہ کی ایک اہم منزل تھی اور اس کے لئے غیر ملکی سامراج کے رموز سلطنت اور راز ہائے درون خانہ کا جائزہ لینا ضروری تھا۔ چنانچہ آپ نے سر جارج کیبل گورنر سرحد کی پیش کش پر اسلامیہ کالج پشاور کے وائس پرنسپل کا

منصب سنبھالا اور پرنسپل کے منصب سے آگے بڑھتے ہوئے سر جارج اینڈرسن کی جگہ مرکزی حکومت میں انڈر سیکرٹری کی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ اس دور میں اپنے ملک کی عزت اور وقار کے لئے قدم قدم پر خود سر انگریز حکمرانوں سے جو لڑائیاں لڑیں اور بڑے بڑے اکڑ باز فرنگیوں کا دماغ آپ نے جس جرات اور دلیری سے ٹھیک کیا وہ اپنی مثال آپ ہے اور اس جرات و بیباکی میں کوئی دوسرا ہندوستانی ان کا شریک نہیں بن سکا۔ اسی روز روز کی آویزش کا نتیجہ تھا کہ انگریز انتقامی قدم اٹھانے پر اتر آئے۔ انہیں دو ہزار روپیہ ماہوار مشاہرے پر گورنمنٹ ہائی سکول پشاور کی ہیڈ ماسٹری کے عہدے پر لا کر رکھ دیا۔ یہاں بھی قوم کے اس غیور فرزند نے اپنی قومی غیرت کا مظاہرہ جاری رکھا اور لڑائی بڑھتے بڑھتے بالاخر حکومت سے مستعفی ہونے پر منتج ہوئی۔

○ ۱۹۲۴ء میں آپ نے "تذکرہ" کی شہرہ آفاق علمی تصنیف دنیا کے سامنے پیش کی۔ اس کے ذریعے آپ نے قوموں کی موت و حیات کا جو بصیرت انگیز فلسفہ پیش کیا وہ ارباب بصیرت کی فکر و نظر کا محور و مرکز بن گیا۔ ○ یونیورسٹی آف امریکہ کے پروفیسر ٹاری نے اس پر مہینوں یونیورسٹی میں لیکچر دیئے۔ ○ نوبل پرائز کمیٹی نے اس کے لئے اپنے اعزاز کی پیش کش کی۔ ○ عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن نے اسے اپنے نصاب میں شامل کرنے کی آرزوئیں کیں اور طرابلس کے امام شیخ السنوسیؒ نے باقی جلدوں کی اشاعت کا مطالبہ کرتے ہوئے لکھا کہ "اگر ایسا نہ کیا گیا تو ہمارا ہاتھ اور آپ کا دامن ہو گا۔ لیکن عنایت اللہ خانؒ ہر قسم کی شہرت سے بے نیاز ہو کر صاف کہتے رہے کہ وہ اسے سعدی کی بوستان بنانا چاہتے ہیں نہ نوبل پرائز کے لئے کسی یورپی

زبان میں اس کے ترجمہ پر رضامند ہیں اور نہ ہی پڑھنے پڑھانے اور واہ واہ کا چسکہ پیدا کرنے کے روادار ہیں۔

○ ۱۹۳۱ء میں خاکسار تحریک کا آغاز کیا۔ ○ ۷ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو لاہور سے خاکساروں کا ایک چاق و چوبند دستہ لے کر پشاور پہنچے اور خاکساروں کا نظام ترتیب دیا اور پھر آہستہ آہستہ باوردی اور بابیلچہ خاکساروں کی یہ قطاریں پشاور سے رنگون تک قریہ قریہ اور شہر شہر میں پھیلنے لگیں۔ اس تحریک کی ترقی کو دیکھتے ہوئے صوبہ سرحد کا گورنر آڑے آیا لیکن وزیر اعظم صاحبزادہ سر عبدالقیوم کی دانش مندی سے ۲۳ اگست ۱۹۳۷ء کو یہ مرحلہ تحریک کے شایان شان کامیابی سے طے ہوا۔ ۱۱ ستمبر ۱۹۳۷ء کو حکومت پنجاب سے تین مطالبات کے سلسلہ میں جنگ کا آغاز ہوا جو ۱۴ نومبر کو ایک صلح کانفرنس میں کامیابی سے ہم کنار ہوا۔ جون ۱۹۳۹ء "معرکہ لکھنؤ" کے نام سے یوپی کی کانگریسی حکومت سے خاکساروں کا عظیم ٹکراؤ ہوا۔ ۳۰ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو وزیر اعظم پنڈت پنت کی حکومت کو اپنی شکست کا اعتراف کرتے ہوئے مستعفی ہونا پڑا اس کے بعد معرکہ یوپی نے خاکساروں کے تمام مطالبات تسلیم کرتے ہوئے ۴ نومبر کو مکمل فتح اور گرفتار شدہ خاکساروں کی رہائی کا اعلان کر دیا۔ اس فتح سے خاکساروں کی قوت کی دھاک بیٹھ گئی اور ملک کی بڑی بڑی نامور شخصیتوں نے تحریک میں شمولیت اختیار کر لی۔

اکثریت یا خون

لکھنؤ میں شیعہ سنی فساد کو ختم کرانے کے لئے خاکساروں کی کوششیں ہندو کانگریس کو پسند نہ آئیں تو اس نے خاکسار اعظمؒ کو نظر بند کر دیا۔ انہی

ایام میں آپ نے اکثریت یا خون کا قرآنی فلسفہ قوم کے سامنے رکھا اور اعلان کیا کہ مسلمان اگر قطعاً" نیست و نابود ہونے سے بچنا چاہتے ہیں تو ان کو اب فیصلہ کر لینا چاہئے کہ وہ ہرگز اکثریت کے محکوم کی قیمت پر نہ ہوں گے۔ ہمیں انگریزوں پر ثابت کر دینا چاہئے کہ ہم مسلمان ہی صحیح معنوں میں ہندوستان کے محافظ ہیں اور اس قرآنی خون کی بنا پر ہی باقی سب کو چھوڑ کر ہمارا قدرتی اور موروثی حق ہے کہ ہندوستان کی عنان حکومت صرف ہمارے ہاتھ میں ہو۔ دنیا کی تمام تاریخ میں خون اور حکومت ہمیشہ ساتھ ساتھ رہے ہیں"

"جس گروہ نے ملک کے لئے خون کی قربانی کی' وہی اس کا روادارانہ اور منتقمانہ اصول پر حاکم اور محافظ رہا۔ ہندوستان کی حفاظت کے لئے کم و بیش ۷۳ لڑائیاں لڑی گئیں۔ ان جنگوں اور مابعد کے خساروں میں طرفین سے تین کروڑ ۶۲ لاکھ مسلمان مردوں اور عورتوں نے اپنا خون دیا اسی مدت میں غیر مسلم زیادہ سے زیادہ دس لاکھ ۵۴ ہزار میدانی جنگ میں کام آئے جس میں ہندوؤں کے علاوہ باقی تمام قومیں شامل ہیں۔ یہ نسبت گویا ۱۲۵ مسلمانوں کے بالمقابل صرف ایک غیر مسلم کی ہے لہٰذا مسلمانوں کے سوا کوئی قوم ہندوستان پر حکومت کا دعویٰ نہیں کر سکتی"

اس فلسفہ کے اعلان کے ساتھ ہی فرنگی سامراج کے ایوانوں میں زلزلہ برپا ہو گیا۔ یہ "لڑاؤ اور حکومت کرو" کے فرنگی فلسفہ کی صریحاً" نفی اور پنجاب کے وزیر اعظم کی زونل سکیم کی موت تھی لہٰذا اندر ہی اندر کچھ طے ہوا اور پنجاب میں ایک خونی ڈرامہ سٹیج کرنے کی تیاری خفیہ طور پر ہونے لگی۔
انگریز حکمران نہایت خاموشی کے ساتھ اس ابھرتی ہوئی قوت کو دیکھ رہے تھے۔ اس کے حاشیہ برداروں کے دلوں کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی۔ اندر ہی اندر

اشارے ہوئے اور پھر اچانک پردہ زنگاری کی پشت سے کوئی حرکت ہوئی۔ پنجاب کے مسلمان وزیراعظم نے حق نمک ادا کرتے ہوئے۔ ۲۸ فروری ۱۹۴۰ء کو بیلچوں وردیوں اور فوجی قواعد پر پابندیوں کا اعلان کر کے اس تحریک پر پہلا حملہ کیا۔ بانی تحریک دہلی میں حکومت ہند سے مذاکرت میں الجھے ہوئے تھے کہ خاکساروں کے لاہور کیمپ کے سالار محاذ خوشحال خان جدون نے ان ناروا پابندیوں سے ٹکرا جانے کا فیصلہ کیا۔ ۱۹ مارچ ۱۹۴۰ء کی دوپہر کو یہ ٹکراؤ ہوا اور خون کے بہتے ہوئے دھاروں میں خاکسار تحریک کی پوری قوت کو منتشر اور چھلنی چھلنی کر کے رکھ دیا گیا۔ بانی تحریک ۱۹ مارچ کی شام کو گرفتار ہوئے۔ تحریک کے ممتاز کمانڈر بھی جیلوں میں بند کر دیئے گئے۔

خاکساروں کا مساجد میں داخلہ

فرنگی سامراج اور اس کے کاسہ لیسوں کے ظالمانہ ہتھکنڈوں سے تنگ آکر خاکساروں نے مساجد میں ڈیرے جما لئے پنج وقتہ نمازوں میں خشوع و خضوع کے ساتھ اس ظالم حکومت سے نجات کے لئے دعائیں ہونے لگیں۔ لیکن خاکساروں کا مساجد میں داخلہ بھی اس بدبخت حکومت کو پسند نہ آیا۔

۵ جون کو رات ۸ بجے ریڈیو سے اعلان کیا گیا کہ مساجد میں خاکساروں کا داخلہ حکومت کے خلاف ایک منظم سازش کے سلسلہ میں ہے اور حکومت نہیں چاہتی کہ ۱۹ مارچ ۱۹۴۰ء کی خون فشاں داستانیں پھر دہرائی جائیں۔ ۱۰-۱۱ جون کی درمیانی رات مساجد پر شب خون مارے گئے۔ خاکساروں پر بے پناہ ظلم ڈھائے اور انہیں گرفتار کر کے جیلوں میں بند کر دیا۔ خاکسار تحریک نئے سرے سے تمام صوبوں میں خلاف قانون قرار دیدی گئی۔

۲۸ دسمبر ۱۹۴۲ء کو خاکسار اعظم رہا ہوئے۔ ۳ جنوری ۱۹۴۳ء کو لاہور مرکز میں پہنچے ملک کی صورت حال کا جائزہ لیا اور نزاکت حالات کے پیش نظر گاندھی جناح ملاقات کو کامیاب بنانے کے لئے پانچ ہزار خاکساروں کو بمبئی پہنچنے کا حکم دیا۔ لیکن یہ ملاقاتیں کامیاب نہ ہو سکیں۔

قحط بنگال

۱۹۴۳ء کے ایام میں جب کہ انگریز جنگ عظیم میں مصروف تھا جاپانی طیارے بندرگاہ اکیاب اور چٹاگانگ پر بمباری کر رہے تھے جاپانی بحری بیڑہ بحر ہند میں چکر لگا رہا تھا اور انڈین نیشنل آرمی (آزاد ہند فوج) شمال مشرق میں ارکان کی پہاڑیوں میں مورچے جمائے ہوئے تھی۔ اس وقت انگریز کو سب سے زیادہ خطرہ بنگال سے لاحق تھا۔ بنگالی سیاسی شعور میں دیگر ہندوستانیوں سے پیش پیش تھے اور انڈین نیشنل آرمی کسی نہ کسی طرح ایک بنگالی لیڈر سبھاش چندر بوس سے منسوب کر دی گئی تھی خطرہ تھا کہ اگر بنگال نے اندرونی بغاوت کر دی تو ہندوستان انگریزوں کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ لہٰذا ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت بنگال میں قحط پیدا کیا گیا جس نے لاکھوں بنگالیوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ جیتے جاگتے انسان اس قحط کا شکار ہونے لگے جسموں میں چلنے پھرنے اور اٹھنے کی سکت ختم ہو گئی ان حالات میں خاکسار اعظمؒ نے اپنے بنگالی بھائیوں کو اس سازش سے بچانے کا اعلان فرمایا کہ ہم ہر قیمت پر بنگالیوں کو بچائیں گے چنانچہ آن واحد میں پانچ ہزار خاکساروں نے محمد علی پارک کلکتہ میں "ریسٹ کیمپ" قائم کر کے فاقہ زدگان کو بچانے کا کام شروع کر دیا اور پچاس ہزار فاقہ کشوں کو بہ حفاظت تمام بچا کر پنجاب کے مختلف علاقوں میں

نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ آباد کر دیا۔ ان کنبوں کے تمام اخراجات خاکسار گھرانوں میں تقسیم کر دیئے گئے۔

یہ قیام کام سرخواجہ ناظم الدین وزیر اعظم بنگال کی حکومت کے ساتھ ایک معاہدے کے تحت سر انجام دیا لیکن جب خاکساروں کی عظیم الشان کارکردگی پر سارا ہندوستان تحسین و آفرین کے ڈونگرے برسانے لگا تو خواجہ صاحب کو انگریزوں کا اقتدار ڈوبتا ہوا نظر آیا۔ انہوں نے تمام معاہدوں کو منسوخ کر کے گورا شاہی حکم جاری کر دیا کہ بیرون جات سے آنے والے تمام خاکسار فی الفور صوبہ بنگال سے نکل جائیں۔ اور جو فاقہ زدہ لوگ پنجاب سے جانے کے لئے جمع کئے گئے ہیں انہیں بلک کر مرنے کے لئے سڑکوں پر چھوڑ دیا جائے اس کے ساتھ ہی سرناظم الدین نے تمام معاہدے منسوخ کر دیئے۔ اس ظالمانہ اقدام پر پورے ہندوستان نے صدائے احتجاج بلند کی اور خاکسار اعظمؒ نے خاکساروں کو حکم دیا کہ کلکتہ سے لاہور تک پیدل مارچ کریں جس کا فاصلہ کم و بیش دو ہزار میل تھااور جگہ جگہ انگریز کی اس فرعونی اور دجالی سازش سے ہندوستانیوں کو باخبر کرتے آئیں۔ چنانچہ ۷ جنوری اور ۱۴ جنوری کو سالاران انصار دو قافلوں میں کلکتہ سے پیدل روانہ ہو پڑے پہلے جیش کی کمان محترم عبدالمنان درانی ایم اے (علیگ) کے ہاتھ میں تھی اور دوسرے کی قیادت محمد ایوب خان کر رہے تھے دوسرا قافلہ دو ہزار میل کی مسافت تین ماہ اور تین ہفتے بعد یعنی ۲۸ اپریل ۱۹۴۴ء کو لاہور پہنچا اس دن پنجاب کے مختلف شہروں سے ہزاروں خاکسار حضوری باغ میں استقبال کے لئے موجود تھے خاکسار ان پنجاب کی طرف سے اس قافلہ کو اخلاص اور محبت میں ڈوبی ہوئی ولولہ انگیز عسکری سلامی پیش کی گئی۔

بحری بیڑے کی بغاوت

جنگ یورپ کے اختتام پر آزاد ہند فوج کے سپاہیوں کی بڑی تعداد خاکسار تحریک کے سرخ ہلالی پرچم تلے جمع ہوتی ہوئی گئی خاکسار اعظمؒ نے انہیں از سر نو منظم کر کے انگریزی اقتدار پر کاری ضرب لگانے کے انتظامات شروع کر دیئے۔ ۱۹۴۶ء کے انہی دنوں میں رائل انڈین نیوی کے عملے کی پکار خاکسار تحریک کے مرکز ادارہ علیہ ہندیہ میں پہنچی اور ایک کھلی بغاوت کا اعلان کر دیا گیا۔ بحری بیڑے کی اس بغاوت نے انگریزی اقتدار کی پیٹھ میں چھرا گھونپ دیا اس بغاوت کو کس طریقہ سے اور کن لوگوں کی مدد سے دبایا گیا یہ ایک مزید درد انگیز داستان ہے۔

قائد اعظم پر قاتلانہ حملہ

جولائی ۱۹۴۳ء میں لاہور کے ایک رفیق صابر مزنگوی کے بمبئی پہنچ کر جناح صاحب پر قاتلانہ حملہ کا چرچا ہوا۔ بمبئی ہائی کورٹ میں مقدمہ چلا۔ انگریز جج جسٹس بلیگڈن نے جیوری سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ سوم جی صاحب نے استغاثہ کی طرف سے اس مقدمہ کا افتتاح کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کا وعدہ کیا تھا کہ ملزم نہ صرف یہ کہ خاکسار نامی ایک جماعت کا رکن ہے بلکہ اس میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے جسے جانباز کہا جاتا ہے۔ اس مقدمے کے سلسلے میں جو شہادتیں ہمارے سامنے آئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ سوم جی صاحب اپنے وعدے کو پورا نہ کر سکے اور یہ بات اکثر مقدموں

میں پیش آتی ہے سچ پوچھا جائے تو آپ کے سامنے ایک بھی شہادت ایسی نہیں جس کی بنا پر آپ کہہ سکیں کہ یہ شخص خاکسار تحریک کا ممبر ہے (بحوالہ) قائد پر قاتلانہ حملہ مترجم سید شریف الدین پیرزادہ مطبوعہ بمبئی ۱۹۴۴ء)

○ روزنامہ زمیندار نے ۷ نومبر ۱۹۴۳ء کو اپنے اداریہ میں لکھا کہ جسٹس بلیگڈن کے فیصلے نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ بعض عجلت پسند اخبارات جرم بے گناہی پر بھی خاکسار تحریک کو قابل مواخذہ سمجھ رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی غلط فہمیوں اور حقیقت فراموشی و بے تدبیری سے مسلمانوں کی دو عظیم الشان جماعتوں (خاکسار تحریک اور مسلم لیگ) کو افتراق میں مبتلا کرنے کا تہیہ کیا تھا اب یہ حقیقت بے نقاب ہو کر سامنے آ چکی ہے اور اصول صحافت اسلامی مفاد اور مومنانہ شان کا تقاضا یہ ہے کہ اس قسم کے تمام اخبارات جو صابر کی مذموم حرکت کا رشتہ خاکسارانہ سازش سے باندھ رہے تھے اپنے کئے پر پشیمان ہوں ورنہ حقیقت زیادہ بے نقاب ہو جائے گی کہ یہ کاغذی شخصیتیں نفاق و افتراق کے خنجر سے اسلامی اخوت کا سینہ چاک کرنا چاہتی ہیں اور خاکساروں سے اگلے وقتوں کا انتقام لینے کے لئے اسلامی مفاد کو کند چھری سے ذبح کیا جا رہا ہے۔"

گاندھی جناح مذاکرات

ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے خاکسار اعظمؒ نے ہندو مسلم اتحاد اور گاندھی جناح مذاکرات کا پروگرام تجویز کیا اور کوشش کی کہ ان مذاکرات کے ذریعے حصول پاکستان کا معاملہ خوش اسلوبی سے طے پا جائے اگست ۱۹۴۴ء میں

جب بمبئی میں گاندھی جناح مذاکرات کا آغاز ہوا تو پانچ ہزار خاکسار فضا کو ساز گار اور ملاقات کو کامیاب بنانے کے لئے بمبئی پہنچے اور کم از کم دو ماہ تک اپنے صلح جویانہ مشن میں لگے رہے لیکن بالاخر یہ ملاقاتیں کامیابی سے ہم کنار نہ ہو سکیں۔

آئین مشرقی یا خاکسار آئین

گاندھی جناح ملاقات کی ناکامی کے بعد خاکسار اعظمؒ نے انگریزی اقتدار کا چیلنج قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا کہ اگر ہندوستانی ایک ایسا آئین پیش کر دیں جس پر ہندوستان کے تمام عناصر متفق ہوں تو ہم ہندوستان کو آزاد کر دیں گے۔ آپ نے نہایت قلیل مدت میں ایک متفقہ آئین جون ۱۹۴۵ء میں مرتب کر کے اکتوبر ۱۹۴۵ء کو شائع کر دیا۔ ہندوستان کے بڑے بڑے قانون دان اس راہ میں قدم رکھتے ہوئے دہلتے تھے خاکسار اعظمؒ نے اس خارستان حیات کی تلخ ترین اور دشوار گذار وادیوں میں خدا کا نام لے کر قدم رکھا اور اس اہم ترین مسئلے کو حل کر کے رکھ دیا مشرق و مغرب کو میدان علم میں پچھاڑ دینے کے بعد قانون سازی کے میدان میں بھی انہوں نے بڑے بڑے قانون دانوں کو چاروں شانے چت گرا دیا اور اپنی برتری کا لوہا منوا لیا۔ اس آئین کے نسخے بڑے بڑے رہنماؤں کے پاس پہنچے لیکن کسی ماں کے لال نے اس کے خلاف ایک لفظ کہنے کی بھی جرات نہ کی۔ پنج قوموں نے اس آئین کو اپنے لئے آئیہ رحمت سمجھ کر پر زور حمایت کی۔ اس آئین میں مندرجہ ذیل مسئلے حل کئے گئے تھے:

اول: آزاد ہندوستان کا صدر اعظم یعنی بادشاہ کون ہو؟ اس کا انتخاب کیونکر ہو؟

اس کا نام کیونکر سامنے آئے؟ ظالم ثابت ہو تو کس طاقت کے زور سے الگ کیا جائے؟

دوئم: وہ صوبے جن میں ہندو اکثریت میں ہیں ان کا حاکم کون ہو؟ کس طرح منتخب ہو؟ کہ دیگر اقلیتیں اس کے ماتحت خوش حال اور فارغ البال رہ سکیں۔ وہ صوبے جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہے ان کا حاکم کس طرح منتخب ہو کر ہندوؤں کی اقلیت آسودہ حال رہے اور اس پر ظلم نہ ہو۔

سوئم: یہ کس طرح پر ہو کہ مسلمانوں کو ایک مضبوط پاکستان بھی مل جائے اور تمام ہندوستان ایک طاقت ور ملک کی طرح متحدہ طور پر ایک بھی رہ سکے۔

چہارم: ہندوستان کی بھوک کا کیا علاج ہو؟ ملک کی آہوں اور کراہوں' بیماری اور چیخوں بداخلاصیوں اور سیاہ کاریوں کا علاج کیا ہو؟ ہندوستان کی اقتصادیات کو کس طریق پر منظم کر کے زندہ اور با اقبال قوموں کی صف اول میں جگہ حاصل کی جائے؟ ریاستوں میں کونسا جمہوری نظام قائم کر کے وہاں کی رعایا کو برطانوی ہند کے باشندوں کے برابر حقوق دیئے جائیں تاکہ راجے اور نواب بھی اپنی جگہ پر رہیں اور ہندوستان میں ایک ایسی پائیدار اور ناقابل شکست حکومت قائم ہو کہ سب ہندو۔ مسلم۔ سکھ۔ پارسی۔ عیسائی اور اچھوت۔ راجے نوب' زمیندار۔ کسان اور مزدور اسے اپنی حکومت سمجھیں اور سب اس کے استحکام اور سربلندی کی خاطر اپنی جانیں لڑا دیں۔ الغرض ان انتہائی طور پر صبر آزما مسائل کو سامنے رکھ کر ہندوستان کی تجارت کا واحد چارٹر تیار ہوا۔

اس آئین کے اکثر حصے برطانیہ نے اپنے ملک میں رائج کر لئے اور تقسیم ملک کے بعد بھارتی حکومت نے مناسب ردو بدل کے ساتھ بھارت میں

نافذ کر دیا اور بھارتی حکومت نے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ دعویٰ کیا کہ اس کے قانون دانوں اور سیاستدانوں کی تین سالہ جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ لیکن پاکستان کے بعض ہوش مند لوگوں نے نہرو حکومت کے اس اقدام کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور اسے شرم دلواتے ہوئے اعلان کیا کہ اس کا موجودہ آئین حضرت علامہ المشرقیؒ کے پیش کردہ خاکسار آئین کا ترمیم شدہ ایڈیشن ہے۔

خاکسار آئین میں رعیت کے بنیادی فائدے

حسب ذیل بنیادی حقوق اس آئین میں اضافہ کے طور پر ہوں گے:

۱۔ ہر مفلس ماں کو اپنے ننھے بچے کے لئے ماہوار وظیفہ دو سال تک ملے گا۔

۲۔ ہر مفلس شخص کو جو ستر برس کا بوڑھا ہے ماہوار پینشن ملے گی۔

۳۔ حاملہ اور دودھ دینے والی گاؤں' بھینسوں اور دوسرے جانوروں کی پوری حفاظت ہو گی تاکہ ملک میں دودھ اور گھی کی نہریں بہہ سکیں۔

۴۔ یونانی اور ویدک طریق علاج کو سرکاری طور پر اپنا کر اور عام کر کے رعیت کی صحت کو ترقی دی جائیگی۔

۵۔ تپ دق اور کوڑھ جیسی خطرناک امراض کے لئے مستقل تدابیر زیر عمل لائی جائیں گی۔

۶۔ کوئی شخص مقدمہ چلائے بغیر نظر بند نہ رکھا جا سکے گا اور

۷۔ نہ کوئی شخص اس کے علم کے بغیر پولیس کی نگرانی میں رہ

سکے گا۔

۸۔ زیر سماعت قیدیوں کی قید کی مدت کو سزا کی مدت میں شمار کیا جائے گا۔ اور

۹۔ اگر کوئی ملزم بری ہو جائے تو حکومت کو اس کے تمام نقصانات کا معاوضہ بطور تاوان ادا کرنا پڑے گا۔

۱۰۔ پھانسی کی سزا منسوخ ہو گی۔

۱۱۔ سکھوں کے لئے جھٹکہ کرنے کی آزادی ان کے اپنے محلوں میں ہو گی۔

۱۲۔ مسلمانوں کو اذان کا حق ہر جگہ حاصل ہو گا گائے کی قربانی کا حق انہیں اپنے گھروں کے اندر ہو گا۔

۱۳۔ ہر سکول کے لڑکے اور ہر مریض کو حق حاصل ہو گا کہ سکولوں اور ہسپتالوں کی مخالفانہ مذہبی تعلیم میں اپنی مرضی سے شامل ہو یا نہ ہو۔

۱۴۔ تمام جبری مزدوریاں اور بگار منسوخ ہو جائیں گی۔

۱۵۔ مزدور کے لئے باعزت مزدوری کام کرنے کا صحت مندانہ ماحول' مزدوری کے مقرر گھنٹے' بیماری یا اتفاقیہ تنخواہ رخصت پیشہ کی وجہ سے لگی ہوئی بیماریوں کا معقول تاوان ہوا دار اور بلا کرایہ مکان ان کے بچوں کی تعلیم کا عمدہ انتظام نیز مالکوں سے جھگڑے کے پورے وسائل حاصل ہوں گے۔

۱۶۔ بچوں سے کام لینا ممنوع ہو گا۔

۱۷۔ چھوٹے چھوٹے کاشت کاروں اور زمینداروں سے زمین کا

کوئی لگان وصول نہ ہو گا۔

۱۸۔ دیہاتی مالیہ گذار اور شہری ٹیکس گذار میں آہستہ آہستہ برابر کی صورت پیدا کر دی جائے گی یعنی دونوں سے ٹیکس کی وصولی بشرح آمدنی ہو گی۔

۱۹۔ زمین کے خریدنے کا حق ہر قوم کو دیا جائے گا۔

۲۰۔ عدالتوں کو مقدمات کم سے کم مدت میں فیصل کرنے ہوں گے۔ کورٹ فیس نہایت کم کر دی جائے گی۔

۲۱۔ دیہاتوں پر پولیس کا دباؤ ختم کر دیا جائے گا۔

۲۲۔ جھوٹی شہادتیں اور پولیس کے گواہ باقی نہیں رہیں گے۔

۲۳۔ چلتی پھرتی عدالتیں دیہات میں جا کر اجلاس کیا کریں گی۔ اور تمام اہم مقدمات کے فیصلے ان عدالتوں میں فوری طور پر ہو جایا کریں گے۔ اس طریق پر مقدمات پر بے پناہ اخراجات رشوت ستانی مہینوں اور سالوں تک مقدمہ کی طوالت کی مصیبتیں اپنی موت آپ مر جائیں گی۔

۲۴۔ عدالتوں کے ججوں کو ایگزیکٹو سے علیحدہ کر دیا جائے گا اور

۲۵۔ عدالت کے عدل وانصاف پر حکومت کی طرف سے کوئی ناجائز دسترس نہیں ہو سکے گی۔

۲۶۔ پریس کو پوری آزادی حاصل ہو گی۔

۲۷۔ مذہبی سرداروں کی سرکاری حیثیت کو حکومت تسلیم کریگی۔

۲۸۔ مسلمانوں کے مقدمات کے لئے شرعی عدالتیں موجود ہوں

گی۔ اور ان کے اختیارات دیگر سرکاری عدالتوں سے کسی طرح کم نہ ہوں گے۔ الغرض مسلمانوں کے پرسنل لاء کی حفاظت ہو گی۔

۲۹۔ اوقاف کی تنظیم کے لئے اوقاف کمیشن قائم ہوں گے اور ان کی وسیع آمدنی مدرسوں یتیم خانوں' مذہبی درس گاہوں' مسلمانوں میں تعلیمی ترقی' اماموں کی تنخواہوں اور سجادہ نشینوں کے وظائف پر خرچ ہو گی۔

۳۰۔ ہر صوبہ میں تدریجی شرح سے زکوٰۃ وصول کرنے کا سرکاری انتظام سرکاری افسروں کے ذریعے ہو گا۔ یہ قرآن حکیم کے احکام کی رو سے مسکینوں' بیواؤں' یتیموں' سپاہیوں' عالموں اور تالیف قلوب پر خرچ ہو گا۔

۳۱۔ تعلیم بارہ سال تک مفت ہو گی وغیرہ وغیرہ۔

○ یکم جون ۱۹۴۶ء کو آپ نے جناح صاحب کے نام ایک خط لکھا اور حصول پاکستان کے لئے اپنا تعاون پیش کرتے ہوئے لکھا کہ اگر آپ نے میرے ساتھ اتحاد عمل منظور کیا تو پاکستان حاصل کرنے کے متعلق آپ کی تجاویز سے متفق رہوں گا اور جو مدد آپ طلب کریں گے دوں گا۔ اور جب تک آپ بے خوف و خطر کوشش کرتے رہیں گے میں اپنی مدد جاری رکھوں گا۔

حصول آزادی کے تاریخ ساز مرحلے پر ۵ جون ۱۹۴۶ء کو ایک اخباری بیان میں حضرت علامہ مشرقیؒ نے فرمایا کہ میں سمجھتا ہوں کہ خاکسار تحریک صرف اس لئے پیدا ہوئی ہے کہ بہر حالت اور بہر رنگ اس کو ملک و ملت کی

بہتری کے لیے ہر موقع پر مفید طور پر استعمال کیا جا سکے۔ اس کی خدمات ہر وقت حاضر ہوں اور امت اور ملک کے مقابلے میں اس کی اپنی کوئی قیمت نہ ہو۔ میں نے صدق دل سے مسٹر جناح کو خط لکھ دیا ہے اگر انہوں نے میرے اس بیان کی قدر کی اور کشادہ دلی سے خاکساروں کو گلے لگا لیا تو خاکسار نہ صرف پاکستان کو انگریز سے بزور حاصل کرنے کی سعی میں چار چاند لگا دیں گے بلکہ ہندوستان کی مکمل آزادی کا مسئلہ بھی ہندوؤں اور دوسری قوموں سے طے کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

۳۰ جون ۱۹۴۷ء کو خاکسار اعظمؒ کے حکم پر دہلی میں خاکساروں کا آخری مرکزی کیمپ ہوا۔ انہوں نے اعلان کیا کہ اگر تین لاکھ خاکسار دہلی پہنچ گئے تو وہ خود موقع پر اہم پروگرام کا اعلان کریں گے ورنہ تحریک کو منتشر کر دیا جائے گا چنانچہ تعداد پوری نہ ہونے اور دیگر وجوہات کی بناء پر اس عظیم اسلامی تنظیم کو منتشر کر دیا گیا۔

اسلام لیگ کا قیام

قیام پاکستان کے بعد قوم کے درد مند افراد کے اصرار پر آپ نے انڈو پاکستان اسلام لیگ کی بنیاد رکھی جس کا مقصد ہندوستان کے پانچ کروڑ مسلمانوں کو ازروئے اخوت ہندوؤں کے مظالم سے بچانا اور پاکستان کے دو ٹکڑوں کا جو بدقسمتی سے چودہ سو میل دور تھے آئینی طور پر درمیانی صوبوں کا مطالبہ کر کے ملانا اور اس طرح پر پاکستان کی سلطنت کو استوار کرنا تھا۔ اگر پاکستان کی بنیادیں اس اسلام پر استوار کی جاتیں جس کا دعویٰ کیا گیا تھا تو یہ دونوں نصب العین اس وقت تک حاصل ہو گئے ہوتے۔ لیکن ایسا ممکن نہ ہوا!

حضرت علامہ المشرقیؒ نے ان مسائل کے حل کے لئے سلامتی کونسل کی طرف رجوع کیا۔ جنرل سیکرٹری مسٹر ٹریگولے لی نے اپنے کیس کی وضاحت کے لئے انہیں نیویارک پہنچنے کی دعوت دی لیکن لیاقت علی خان کی حکومت نے پاسپورٹ دینے سے انکار کر دیا اس طرح انہوں نے قومی اہمیت کے مسائل پر قوم اور حکومت کو متوجہ کرنے کے ساتھ ساتھ پوری دنیا کی رائے عامہ ہموار کرنے کی کوشش کی جو پاکستان کے جمہوریت پسند محب وطن حکمرانوں نے ناکام بنا دی۔

تبادلہ آبادی کی حکمت عملی

استحکام پاکستان کے پیش نظر انہوں نے پاکستان کے پہلے گورنر جنرل کو لکھا کہ ملک کے دونوں بازوؤں میں اتحاد و یگانگت پیدا کرنے کے لئے میرے نزدیک یہ از بس ضروری ہے کہ مغربی پاکستان کی ایک عظیم الشان آبادی مشرقی پاکستان میں لے جا کر فوراً" بسائی جائے ان کو آرام دہ گھر وہاں دیئے جائیں۔ ان کی جگہ بنگالی مسلمانوں کو سرحد سندھ بلوچستان اور پنجاب میں آباد کیا جائے سرحدیوں کے بنگال میں جا کر بس جانے سے مشرقی پاکستان کی پالیٹکس کی کایا پلٹ جائے گی۔ مشرقی بنگال کے مسلمانوں کی ڈھارس بندھے گی کہ ایک بہادر اور جنگجو قوم نے بنگال کو گھر بنا لیا ہے اور اب ہم ہندو کی دستبرد سے فی الجملہ محفوظ ہیں۔ لیکن اس تجویز کی اہمیت کا بروقت احساس نہ کیا گیا حضرت علامہ المشرقیؒ نے بعد میں آنے والی حکومتوں کو بھی اس جانب بار بار متوجہ کیا۔ یہاں تک کہ ۵ نومبر ۱۹۵۴ء کو بادشاہی مسجد لاہور میں ایک اجتماع عظیم میں انہوں نے فرمایا" ہمارے تنگ نظر اور کرسی نشین سیاست دانوں نے جو صوبائی

تعصب پھیلا پھیلا کر پاکستان کا بیڑا غرق کر دیا ہے اگر تبادلہ آبادی کی حکمت عملی کو نہ سمجھا اور تندہی سے اس کے لئے ابھی سے ہوا پیدا نہ کی تو یہ یاد رکھو کہ پاکستان کے یہ چودہ سو میل دور دو ٹکڑے کسی عنوان سے یک جان و یک زبان نہ ہو سکیں گے مشرقی بنگال کا ٹکڑہ یقینی طور پر آگے چل کر ہندوستان کے ساتھ ہی جائے گا اور پھر اس کے بعد مغربی پاکستان بھی یقیناً مٹ جائے گا ہندو کی تمام پچھلی ہزار سال کی تاریخ یہ بات عیاں کر رہی ہے کہ ہندوؤں نے ہند میں کسی دوسری قوم کو برداشت نہیں کیا اور ان مقولوں پر جو میں کہہ رہا ہوں میرے سات دس پندرہ برس پہلے کے مقولے گواہ ہیں جو آج حرف بحرف پورے ہو رہے ہیں۔"

کشمیر پاکستان کے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ

کشمیر پاکستان کے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے ان خوبصورت الفاظ کو ادا کرنے والے مرد مجاہد حضرت علامہ المشرقیؒ اس کے خوبصورت نتائج پیدا کرنے کے لئے اس وقت جہاد کشمیر میں عملاً" شریک ہوئے جب کہ پاکستان کے بڑے عالم اسے حرام قرار دے رہے تھے۔ آپ زخمی بھی ہوئے۔ سینکڑوں خاکساروں نے اس جہاد میں حصہ لیا اور قریب تھا کہ ہندو فوجیں میدان جنگ سے فرار اختیار کرتیں اور کشمیر پر پاکستان کا قبضہ ہو گیا ہوتا پاکستان کے پہلے وزیراعظم نے ملت پر احسان عظیم کیا کہ یکم جنوری ۱۹۴۹ء کو لیاقت نہرو معاہدے کے ذریعے جنگ بند کر دی اور مسئلہ کشمیر کو ایسے بھنور میں ڈال دیا جہاں سے وہ آج تک نہیں نکل سکا۔

بھارت دریاؤں کے رخ موڑ دے گا

۲۸-۲۹-۳۰ دسمبر ۱۹۵۰ء کو منٹو پارک میں اسلام لیگ کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا موسم سرما پورے عروج پر تھا۔ حضرت علامہؒ کے حقیقت کشا اور تاریخی اہمیت کے حامل بصیرت افروز خطابات نے قوم کو ایک نئی زندگی عطا کی۔ انہوں نے افراد ملت کو بتایا کہ ۱۹۶ کروڑ روپیہ کی لاگت سے ہندو، پاکستان میں بہنے والے تمام دریاؤں کے رخ موڑ کر پاکستان کو ایک ریگ زار میں تبدیل کرنے کا منصوبہ بنا چکا ہے اس سے ہمارے ملک کی موت یقینی ہے اس لئے اب کشمیر بنوک سنگین حاصل کرنا ضروری ہو چکا ہے پاکستان کے نوابزدے اپنی کش مکش اقتدار میں اس حد تک مگن تھے کہ ملک کو اس آنے والی قیامت سے بچانے کا ادنیٰ احساس ان کے دلوں میں نہیں ابھر رہا تھا خطرے کا یہ آلارم اگر کسی ایسی مملکت میں سنائی دیتا جہاں نظام مملکت کی باگ ڈور کسی فرض شناس اور دور اندیش حکومت کے ہاتھوں میں ہوتی تو حکمرانوں کی نیندیں حرام ہو جاتیں وہ اس محسن ملت اور زعیم اسلام کے شکر گذار ہوتے کہ اس نے دشمن کے ناپاک ارادوں اور خفیہ منصوبوں کے پردے چاک کر دیئے۔ وہ اس سے مشورے کرتے اور اپنی نوزائیدہ مملکت کو موت کے اس چنگل سے بچانے کے لئے دن رات ایک کر دیتے لیکن آہ! خطرے کا یہ آلارم نازک مزاج شہزادوں کے خواب شیریں کا مزہ کرکرا کر گیا انہیں بھارت کے پاکستان دشمن منصوبوں کا یوں طشت ازبام کر دینا بہت برا لگا اور انہوں نے اس مرد قلندر کو ۱۱ جنوری ۱۹۵۱ء ٹھیک چار بجے صبح ان کے مکان سے گرفتار کر کے میانوالی جیل میں پہنچا کر اپنی جمہوریت نوازی اور حب الوطنی کا ثبوت فراہم کر دیا۔ ۱۸ ماہ تک بغیر مقدمہ چلائے پاکستان سیفٹی ایکٹ کے تحت یہ نظربندی

جولائی ۱۹۵۲ء میں ختم ہو سکی۔

بھارتی خوشنودی کی خاطر علامہ مشرقیؒ اور خاکسار تحریک کے خلاف اقدام

خاکسار اعظمؒ کی نظربندی کے دوران ہندو کو خوش کرنے کے لئے لیاقت علی خان کی حکومت کا ایک وائٹ پیپر منصۂ شہود پر آیا جس میں اعلان فرمایا گیا کہ:

"لیکن اس کے باوجود حکومت پاکستان، ہندوستان کی علاقائی یک جہتی کے خلاف ہر قسم کے پروپیگنڈے کو باقاعدہ اور مسلسل دباتی رہی اور ضرورت پڑنے پر اس نے عملی اقدام سے بھی گریز نہیں کیا۔ مثال کے طور پر جب خاکسار تحریک کے لیڈر حضرت علامہ المشرقیؒ نے اپنی تنظیم میں بعض ایسے مقاصد کو شامل کیا جن پر ہندوستان میں اعتراض کیا جا سکتا تھا تو حکومت پاکستان نے اس تنظیم کے خلاف انسدادی کارروائی کی اور اس کا وجود ہی ختم کر دیا۔"

(بحوالہ روزنامہ "آفاق" لاہور ۱۴ اگست ۱۹۵۱ء)

دیکھ لو! بھارت پاکستان میں بہنے والے دریاؤں کے پانیوں کو روک کر پاکستان کو بنجر بنانے کی سازش کر رہا ہے اور حکومت پاکستان اس اہم ترین قومی مسئلہ کو علامہ مشرقیؒ کے مقاصد قرار دے رہی ہے جن پر ہندوستان اعتراض کر سکتا ہے۔

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیئے

حضرت علامہ مشرقیؒ کی رہائی اور ۱۹۶ کروڑ کے منصوبے کا انکشاف

میانوالی جیل سے رہائی کے بعد حضرت علامہ المشرقیؒ نے انتہائی کمزوری کے باوجود ملک کا دورہ کیا اور اس قومی مسئلہ کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ حصول کشمیر کی اہمیت واضح کی۔ ۲۴ اکتوبر ۱۹۵۲ء کو راولپنڈی کے ایک عظیم الشان جلسہ عام میں خطاب کرتے ہوئے آپ نے دریاؤں کا رخ بدلنے کی بھارتی سازش کے متعلق فرمایا:

"ایک دن آئے گا وہ میری اطلاع کے مطابق ۱۹۵۶ء یعنی آج سے تین سال بعد ہو گا جس میں ہندو نے اپنے تمام منصوبے ۱۹۶ کروڑ روپیہ سے تیار کر لئے ہوں گے۔ اس دن جو پاکستان کے لئے قیامت کا دن ہو گا ہندو پھر آہستہ آہستہ اسی نامحسوس طور پر پاکستان کے تمام دریا روک دے گا۔ تم اسی امیدوں کے بہشت میں پڑے پڑے انگڑائیاں لیتے رہو گے کہ خدا خیر کرے گا خدا خیر کرے گا۔ حتیٰ کہ مغربی پاکستان کی سرزمین پر ایک قطرہ پانی کا نہ رہے گا اور خدائے عظیم اپنے قرآن کی زبان میں پکارے گا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نااہل قوم کا قصہ پاک ہو گیا۔"

پاکستانی حکمرانوں کی آنکھ اس دن کھلے گی جب پاکستان ویران ہو چکا ہو گا

مارچ ۱۹۵۳ء میں جیکب آباد کے جلسہ عام میں آپ نے فرمایا:

"کشمیر کے پہاڑوں میں بڑی خاموشی سے پانچ دریاؤں کے رخ بدلے جا

رہے ہیں اور مغربی پاکستان کو سیراب کرنے والے ان دریاؤں کا پانی جے پور۔ جودھ پور اور جیسلمیر جیسے صدیوں کے بنجر علاقوں کو آباد کرنے پر منتقل کیا جا رہا ہے۔ میں نے اس سلسلے میں تعمیر ہونے والے ہیڈ ورکس کی پوری تفصیل منظر عام پر رکھ دی۔ میرا خیال تھا کہ یہ انکشاف پاکستان کے حکمرانوں کی نیندیں حرام کر دے گا۔ میں یہ چیخ چیخ کر تھک گیا کہ آنکھیں کھولو اور پاکستان کو موت سے بچا لو لیکن کسی کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ الٹا میرے صور اسرافیل سے تنگ آ کر مجھے میانوالی جیل خانے میں پہنچا دیا گیا۔ اگر مجھے جیل بھیجنے سے پاکستان کی جان بچ سکتی ہے۔ اگر میری نظربندی سے بھارت کے منصوبے مٹی میں ملائے جا سکتے ہیں، اگر میری قید سے بھارتی سازش ناکام ہو سکتی ہے تو یہ ڈیڑھ سال کیا میں عمر بھر جیل کی کوٹھڑی قبول کرنے کو خوشی سے تیار ہوں لیکن حکومت کا ردعمل تو صاف گواہ ہے کہ وہ ابھی تک میٹھی نیند میں خلل گوارا کرنے کو تیار نہیں اور اس کی آنکھ اس دن کھلے گی جب سارا مغربی پاکستان ویران ہو چکا ہو گا کروڑوں انسان پانی کے ایک ایک گھونٹ اور روٹی کے ایک ایک ٹکڑے کو ترس رہے ہوں گے۔ لیکن یاد رکھو اس دن جاگ اٹھنے سے اس قیامت کا ٹلنا ناممکن ہو جائے گا۔ اس لئے ابھی وقت ہے کہ آنکھیں کھولو اور دماغی عیاشی کے کھیل کو کچھ مدت کے لئے بھول جاؤ اور موت سے بچنے کا چارہ کرو جو دریاؤں کے رخ بدلنے سے پورے ملک میں جھومتی ہوئی بہاروں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ تم پانی کے ایک ایک قطرے کو ترس جاؤ گے۔ تمہارے لہلہاتے ہوئے کھیت بنجر زمینوں میں تبدیل ہو جائیں گے اور اس وقت تمہاری یہ علمی اور سیاسی بحثیں کچھ کام نہ دیں گی۔"

دین اسلام کے آئندہ عروج اور اس کی نشاۃ ثانیہ کا پیش خیمہ

آپ نے اس سے بہت پہلے آنے والے خطرات کے پیش نظر قوم کو فوجی اور جنگی بنا دینے کا مشورہ دیا تھا۔ اپنے شہرہ آفاق خطاب لاہور ۱۹۵۰ء میں آپ نے فرمایا:۔

"آنے والے واقعات سے روگردانی کرنا یا ان کو غیر اہم سمجھ کر بے فکرے ہو جانا کسی ہوش مند قوم کا شیوہ نہیں۔ کبوتر کے آنکھیں میچ لینے سے بلی کی بلا کا ٹلنا ناممکن ہے اور جس قدر جلد قوم ان آنے والے واقعات کے متعلق بیدار ہو جائے بہتر ہے۔ اس وقت مسلمان کے سامنے ہندو کی اس ستم خیزی کا دندان شکن جواب یہ ہونا چاہئے کہ انہی پاکستان کے دو ٹکڑوں کو جو ملے ہیں دین اسلام کے آئندہ عروج اور اس کی نشاۃ ثانیہ کا پیش خیمہ گردان کر اس نشاۃ ثانیہ کی نئی ممکنات کو حاصل کرنے کی دھن پاکستان کے ہر بچے میں پیدا کر دی جائے۔ پاکستان کی مضبوطی کو ہر مسلمان کا واحد مطمع نظر بنا کر مسلمان کو اس پاکستان کا مجاہد اور عامل مقرر کیا جائے اور جہاد اور عمل کا وہ ظاہری سامان اور وسیلے مہیا کئے جائیں کہ کسی متنفس کا خیال دن کے چوبیس گھنٹے دوسری طرف جا ہی نہ سکے ظاہر ہے کہ یہ صورت اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے کہ قوم کو تھپکا تھپکا کر سلانے کی بجائے قوم کے سامنے ایک زندہ خطرہ موجود ہو۔"

مسئلہ کشمیر اور ۱۹۵۷ء میں سرحدات پر کیمپ

۱۸۵۷ء کے ایک سو سال کے بعد ۱۹۵۷ء میں مسلمان کے پھر عروج حاصل کرنے کے امکانات کے پیش نظر سرحدات پر کیمپ لگانے کا فیصلہ کیا گیا۔ پاکستانی مندوب کی سلامتی کونسل اور جنرل اسمبلی میں طول طویل تقریروں اور انگریزی ثالثوں کے بے نتیجہ اچھل کود اور بھارت کی مغربی طاقتوں کے ساتھ درپردہ سازشوں کے بعد کشمیر کے حصول کا واحد حل ۱۹۵۷ء میں سرحدات پر مجاہدین اسلام کے کیمپ تھے جن کے ذریعے ملت اسلامیہ کے غم گسار و غم خوار حضرت علامہ المشرقیؒ نے قوم کو ایک بار پھر سربلند کرنے کی مہم کا آغاز کیا اور قوم کو کشمیر کی اہمیت کا احساس دلانے کی کوشش کی۔ اس عظیم الشان تحریک سے دلی، واشنگٹن اور لندن کے سیاسی ایوانوں میں تہلکہ مچ گیا۔ بھارتی فوجوں میں نقل و حرکت شروع ہو گئی۔ واہگہ کے قریب کئی دیہات خالی کرا لئے گئے۔

ڈاکٹر خان صاحب کا قتل

۹ مئی ۱۹۵۸ء کو مغربی پاکستان کے سابق وزیر اعلیٰ ڈاکٹر خان صاحب کو لاہور میں قتل کر دیا گیا۔ پاکستان کے صدر سکندر مرزا کی اس سازش کا الزام حضرت علامہ مشرقیؒ پر عائد کر کے انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ اس وقت کی برسراقتدار پارٹی نے طاقت کے گھمنڈ میں اس پیر کہن سالہ کو ہتھکڑیاں پہنا کر ملزموں کے کٹہرے میں کھڑا کیا۔ لاہور میں اس بوڑھے زعیم کے ساتھ ناقابل بیان زیادتیاں روا رکھی گئیں لیکن عدالت نے حضرت علامہؒ کو بے گناہ

قرار دیا اور ۱۷ نومبر ۱۹۵۸ء کو باعزت بری کر دیا۔ اور سازشیوں کا منہ کالا ہو گیا۔

ایوبی دور حکومت

۷-۸ اکتوبر ۱۹۵۸ء کی درمیانی رات کو ہوس اقتدار نے ایوب خان کو مارشل لاء نافذ کرنے پر مجبور کر دیا ورنہ ۱۹۵۹ء کے اوائل میں منعقدہ انتخابات میں حصہ لینے والی پارٹیاں اس ملک کے لئے کوئی خطرہ پیدا نہیں کر رہی تھیں۔ جلسے جلوس کرنا ان کا آئینی حق تھا۔ انہیں بہانہ بنا کر بلا جواز ملک کو مارشل لاء کے سپرد کر دینا ناقابل معافی جرم تھا۔ لیکن سکندر مرزا کی آئے دن کی سازشوں سے تنگ آئی ہوئی قوم نے اس کا خیر مقدم کیا۔ لیکن اس مارشل لاء سے ملک کو استحکام نصیب نہ ہو سکا بلکہ مشرقی پاکستان میں علیحدگی کی بنیاد نفرت پیدا کرنے کے باعث اسی دور میں پڑی۔

۶ مئی ۱۹۶۲ء میں ایوب خان اور اس کے مغربی پاکستانی گورنر امیر محمد خان نے اپنے سے پہلوں کی سنت پر عمل کرنا ضروری سمجھا اور حضرت علامہ مشرقیؒ اور دیگر گیارہ خاکساروں کو مملکت کے مفاد کے منافی سازش کے الزام میں گرفتار کر لیا۔ بعد ازاں علامہ صاحب کی گرفتاری کے حکم میں ترمیم کر کے اور ان کی شدید علالت کے پیش نظر اپنے مکان میں ہی نظر بند کر دیا گیا۔ یہ سب گرفتاریاں امن عامہ کے تحفظ کے صوبائی آرڈیننس کے تحت عمل میں آئیں۔ لیکن ثبوت نہ مل سکے اور علامہ صاحب پر سے ۲۳ اگست ۱۹۶۲ء کو چار بجے شام تمام پابندیاں اٹھالی گئیں۔

اس تمام ظلم و زیادتی کے باوجود حضرت علامہؒ مملکت کے بہترین مفاد

کے پیش نظر ایوب حکومت کو تعمیری اور مثبت تجاویز سے نوازتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے اسے خاکسار تحریک کی صدارت بھی پیش کر دی اور بر ملا کہا کہ ایوب خان بین الاقوامی سیاست میں اپنی ذمہ داریاں نبھائیں اگر انہوں نے اپنے فرائض سے غفلت برتی تو آنے والی تاریخ انہیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔ انہوں نے حکومت کو مشورہ دیا کہ عوام کے دلوں کو مسخر کرنے کے لئے حقیقت پسندانہ روش اختیار کرے اور رائے عامہ کو نظر انداز کرنے کی موجودہ پالیسی کو ترک کر دے۔

حضرت علامہ کا حسابی اندازہ تھا کہ ایوب کے بعد آنے والی تمام حکومتیں غیر مستحکم ہوں گی اور پاکستان کی سالمیت کو نقصان پہنچنے کا خدشہ ہے۔ اسی لئے وہ استحکام پاکستان اور رعیت کی خوش حالی کے لئے سب سے زیادہ زور دیتے رہے کیوں کہ ان کے نزدیک سلطنت کا استحکام رعیت کی عام خوش حالی میں مضمر تھا لیکن حکمرانوں نے اپنوں سے زیادہ غیروں کے مشوروں پر عمل کیا اور وطن عزیز کمزور سے کمزور تر ہوتا چلا گیا۔ انہوں نے ۱۹۵۶ء میں ملک کو درپیش جن خطرات کی نشاندہی کر دی تھی۔ ان کو دور کرنے کے لئے حکمرانوں نے ادنیٰ سی توجہ نہ دی اور وہ خطرہ معرض وجود میں آکر رہا۔ یہ قوم اور حکمرانوں کے لئے آخری انتباہ تھا جس پر قوم اگر آج بھی توجہ دے تو باقی ماندہ پاکستان مضبوط اور ناقابل تسخیر بن سکتا ہے۔

مشرقیؔ وقت سے پہلے ہی بتا دیتا ہے
دوربیں ایسے کو کیوں لوگ شناسا نہ کہیں

جب تک تمام قوم فوجی اور جنگی نہ بن جائے بچاؤ ناممکن ہے!

حضرت علامہ المشرقیؒ کا آخری انتباہ

مسلمانو! میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ ایک ایسا دور آنے والا ہے جو کہ غالباً ۱۹۷۱ء۔ ۱۹۷۰ء کا دور ہو گا اسی دور میں میری نگاہیں دیکھ رہی ہیں کہ ہر طرف ایک یورش کا طوفان اٹھ رہا ہو گا۔ ملک کے اندرونی حالات بڑے خراب ہوں گے۔ خون خرابے کا ہر وقت خدشہ ہو گا۔ نسلی اور صوبائی تعصب کو ہر جگہ ہوا دی جا رہی ہو گی۔ زندہ باد اور مردہ باد کے نعرے ہوں گے۔ ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے پروگرام بن رہے ہوں گے۔ میں تمہیں متنبہ کرتا ہوں کہ اگر ملک کی قیادت مضبوط ہاتھوں میں نہ ہوئی تو جان لو اس ملک کا بچنا محال ہو گا۔ ہو سکتا ہے مشرقی پاکستان، مغربی پاکستان سے کٹ جائے، ہو سکتا ہے کہ اندرونی خلفشار کی وجہ سے انڈیا فائدہ اٹھا کر ملک کو ہڑپ نہ کر لے یا ہو سکتا ہے کہ غلط قسم کے لوگ برسراقتدار آ کر پاکستان کو ہندو کی غلامی میں نہ دے دیں۔

میں تمہیں ۱۹۷۱ء۔ ۱۹۷۰ء کے لئے خبردار کرتا ہوں کہ اس وقت کے لئے ابھی سے تیاری شروع کر دو تاکہ اس وقت اس ملک میں ہر فرد اپنے آپ کو منظم کرے تاکہ ملک کے بیرونی دشمن اور اندرونی دشمن کوئی فائدہ نہ اٹھا لیں۔ یاد رکھو! اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ایک بہت بڑا عذاب تم پر نازل ہو گا۔

۱۹۴۷ء میں تمہارے لئے جائے پناہ تھی جس میں آ کر تم محفوظ ہو گئے مگر اب میری نگاہیں دیکھ رہی ہیں کہ ایک طرف اٹک کا دریا ہو گا دوسری طرف چین کی سرحدیں ہوں گی۔ تمہارے لئے لیکن جائے پناہ نہ ہو گی۔ تمہیں ہندو کا غلام بن کر رہنا ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ تمہاری نسل در نسلیں ہندو

کی غلامی میں رہیں۔ اگر تم آزاد رہنا چاہو گے تو پھر تمہیں ہندومت اختیار کرنا پڑے گا جو کہ تمہاری زندگی کا سب سے برا دن ہو گا کہ تم اپنے مذہب سے ہٹ کر دوسرا مذہب اختیار کر رہے ہو گے۔ نافرمان قوموں پر خدا کا عذاب ان کے اپنے ہی اعمال کی وجہ سے آیا کرتا ہے اس عذاب سے بچنے کے لئے ابھی سے خدا کے سپاہی بن کر عملاً طاقت ور بن جاؤ اسی میں تمہاری بہتری ہے۔

پاکستان میں برائیاں ختم کیوں نہیں ہوتیں؟

"مسلمانوں میں جو برائی اس وقت آ رہی ہے اس وجہ سے ہے کہ اس کے تمام رہنما "الف سے ے" تک خود برے اور بدکار بن چکے ہیں۔ ان کے برے اور بدکار بن جانے سے کسی ایک رہنما کو طاقت نہیں رہی کہ وہ مسلمانوں کو اچھا بننے کی ترغیب دے سکے۔ وہ برے اس لئے بن رہے ہیں کہ وہ یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ جب ہمارے بڑے بڑے سب لٹیرے ہیں' سب بدکار' سب زانی اور شرابی ہیں' سب کروڑوں اور لاکھوں روپیہ قوم کا ہضم کر کے ان کو لندن اور نیو یارک کے بنکوں میں جمع اس لئے کرا رہے ہیں کہ پاکستان کے ختم ہونے کے وقت یہ روپیہ ان کے کام آئے تو ہم کیوں نہ لٹیرے بنیں' ہم کیوں بدکار نہ ہوں' ہم کیوں زنا نہ کریں اور کیوں شراب نہ پئیں۔ ہم کیوں بلیک نہ کریں۔ تمام برائیاں صرف اس وجہ سے ہیں کہ ہم کو برائیوں سے ہٹانے والا کوئی نہیں رہا۔ جس دن کسی نے صحیح معنوں میں حکومت کا عصا پکڑ کر کہا کہ مسلمانو! مسلمان بن جاؤ ہم اسی دن مسلمان بنا تو کیا دہلی' آگرہ' اجمیر' لکھنؤ' کلکتہ میں بیٹھے ہوئے ہوں گے اور اپنی تیرہ سو برس پہلے کی حاصل کی ہوئی زمین پر جھکتے ہوئے اللہ اللہ کر رہے ہوں گے!"

(خطاب پشاور ۱۹۵۴ء) (حضرت علامہ مشرقیؒ)

پیش لفظ

"اشارات" آپ کے ہاتھوں میں ہے جس میں مصنف نے واضح کیا ہے کہ رہنما پیدا کرنے کی ذمہ داری قوم پر ہے قوم اگر ہاتھ پر ہاتھ دھر کر صحیح رہنما کا انتظار کرتی رہے تو ممکن نہیں کہ رہنما جو اسی قوم کے افراد کا ایک جزو ہوتے ہیں درست نکلیں۔ رہنماؤں میں کسر اس لئے ہے کہ قوم درست نہیں اور قوم اس لئے درست نہیں کہ رہنما خراب ہیں۔ یہ دونوں محاکے اگرچہ ایک معمہ معلوم ہوتے ہیں مگر حرف بہ حرف درست ہیں اس لئے کہ رہنما آسمان سے نہیں اترتا انہی میں سے ایک ہوتا ہے اس میں استقلال' قربانی' سچائی اور قوم کو سفر کی تکلیفوں سے گذار کر منزل مقصود تک پہنچانے کی لیاقت موجود ہوتی ہے۔

آج اس کے برعکس پوری قوم کرپٹ' بدعنوان' اقربا پرور' بد دیانت' عیار' مکار اور دھوکہ باز رہنماؤں اور انگریز کی پیدا کردہ بیوروکریسی' جاگیرداروں' سرداروں' خانوں اور وڈیروں کے شکنجے میں جکڑی ہوئی ہے جنہوں نے گذشتہ نصف صدی میں لوٹ مار کے سابقہ تمام ریکارڈ توڑ ڈالے ہیں اور ملک و ملت کو عالمی سطح پر کرپٹ ممالک کی صف میں نمبر ۲ کی پوزیشن پر لا کھڑا کر دیا ہے اگر قومی رہنماؤں اور حکمرانوں کا کردار بلند' مضبوط اور پختہ ہوتا اور ملک و قوم کے مخلص ہوتے تو بحیثیت مجموعی معاشرہ کرپشن کی لپیٹ میں نہ آتا۔

اب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ بڑے لوگ اور بڑے رہنما تو عادتاً" کرپشن کرتے ہیں جبکہ غریب مجبوراً" اس راہ پر چلتا ہے اور اگر قومی سطح پر کسی مسجد یا امام بارگاہ یا پھر سکول کالج یونیورسٹی یا دینی مدرسہ میں قومی کریکٹر کی تعمیر کا عملاً" پروگرام جاری رہتا اور کردار سازی پر توجہ دی جاتی تو یقیناً" ہماری صفوں میں باکردار رہنما اور حکمران پیدا ہوتے۔ پھر کسی رہنما یا حکومتی ملازم یا افسران بالا کو جرات نہ ہوتی کہ وہ بد عنوانی یا رشوت کا بازار گرم کرتے۔ دراصل انگریز سامراج نے برصغیر میں اپنی حکومت کے دوام اور استحکام کے لئے سیاسی' معاشی' اقتصادی' تعلیمی' عدالتی' سماجی' انتظامی' داخلی' خارجی اور حکومتی سطح پر ایسے نظام کی بنیاد رکھی جس سے لڑاؤ اور حکومت کرو' تقسیم کرو اور چھوڑ دو' ہر جائز و ناجائز ذریعہ سے مال بناؤ اور اپنا مستقبل بچاؤ کی حوصلہ افزائی ہوئی جس نے روز بروز لوٹ کھسوٹ' اقربا پروری' سفارش اور کرپشن کو فروغ دیا انسانی قدروں کو پامال کیا' اہلیت کی بجائے نااہلی کو فروغ ملا ناانصافی بڑھتی چلی گئی اور جذبہ

خدمت، جذبہ اخوت اور جذبہ جہاد ختم ہو کر رہ گیا۔ حکمرانوں کی کرپشن، کمزور منصوبہ بندی اور غلط فیصلوں کے باعث ہم پاکستانی پچاس برسوں میں آئی ایم ایف، ورلڈ بینک، امریکہ اور یہودیوں کے کھربوں روپے کے مقروض ہو چکے ہیں اور ہمارا ہر مرد و زن اور بچہ بچہ ان کے پاس گروی ہے اگر قرضوں کی رفتار اسی طرح رہی تو پھر نجانے اگلے پچاس برسوں میں ہمارا وجود ہو گا بھی یا نہیں؟

اشارات کے مصنف، عصر حاضر کے عظیم حریت پسند قائد، مفکر و فلاسفر، نقیب فطرت، شہرہ آفاق ریاضی دان، صاحب تذکرہ اور خاکسار تحریک کے بانی جناب علامہ مشرقیؒ نے ملت اسلامیہ کے لئے ایک ایسا دستور، منشور اور اصلاحی پروگرام پیش کیا جس پر چل کر امت مسلمہ پھر سے قرون اولیٰ کے مسلمانوں جیسا اخلاق اور کردار پیدا کرسکتی تھی جس کی بنیاد روزانہ عمل، محلہ وار نظام، خدمت خلق، قیام صلواۃ اور مجاہدانہ و سپاہیانہ زندگی پر تھا جو انہوں نے "خاکسار تحریک" کے ذریعہ سے برصغیر میں ایک ٹیڈی پیسہ چندہ وصول کئے بغیر پیدا کر کے عملاً" دکھائی ان اللہ کے سپاہیوں اور رسولؐ خدا کے جانثاروں نے اپنے اعلیٰ کردار سے لوگوں کے دلوں میں وہ مقام اور وہ جذبہ پیدا کیا جسے یاد کرکے آج بھی لوگ عش عش کر اٹھتے ہیں خاکساروں نے کراچی سے پشاور اور راسکماری تک بلا لحاظ مذہب و تفریق ایسا نظام پیدا کیا جس سے انگریز اور انگریزوں کے گماشتے حیران اور پریشان ہوگئے پھر ان سب نے مل کر اس عظیم قوت اور طاقت کو جو روئے زمین پہ غلبہ اسلام کا پرچم تھامے گلیوں محلوں میں نکلی تھی اسے گھناؤنی سازشوں کے ذریعہ سے ختم کرنے کا پروگرام تیار کیا پھر اس میں وہ وقتی طور پر کامیاب بھی ہوگئے کیا وہ نظریہ مٹ گیا؟ جس کی بنیاد خدا، رسولؐ، قرآن اور اسلام کے پروگرام پر تھی نہیں بلکہ وہ نظریہ اور لائحہ عمل موجود ہے پھر سے چند صد دردمند انسانوں کی ضرورت ہے جو اسی یقین و ایمان کے بل بوتے پر اس عمل کا آغاز کردیں تو چند سالوں میں دوبارہ وہی عروج، وہی غلبہ اور وہی قوت و طاقت منجانب اللہ حاصل ہوجائے گی جو قرون اولیٰ میں تھی یا پھر قیام پاکستان سے قبل خاکسار تحریک کو نصیب ہوئی۔

یاد رکھیں! محض رسمی تقریروں، تفسیروں، تحریروں، وعظوں یا پھر نصیحتوں سے کریکٹر پیدا نہیں ہوتا، نتائج نہیں نکلتے، تبدیلی رونما نہیں ہوتی، انقلاب نہیں آیا کرتا اور حالات تبدیل نہیں ہوتے، قومی کیریکٹر کی تعمیر ہو یا پھر حالات تبدیل کرنا مقصود ہو تو

پھر اس کے لئے قطار بندی ضروری ہے۔ جو اونچ نیچ کا عملاً" خاتمہ کرتی ہے' مساوات پیدا کرتی ہے' اطاعت سکھاتی ہے' اخوت' خدمت اور جہاد کا جذبہ پیدا کرتی ہے لہٰذا کندھے سے کندھا جوڑنا ضروری ہے۔ قدم سے قدم ملانا ضروری ہے اور دلوں اور دماغوں میں یکجہتی اور فرمانبرداری پیدا کرنا ضروری ہے قطار بندی ایک ایسا سیدھا سادہ اور آسان طریقہ ہے جس پر عمل پیرا ہو کر قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے قیصرو کسریٰ کے ایوانوں کو لرزہ براندام کر کے رکھ دیا جس نے دنیا کے تین براعظموں پر پرچم اسلام کو بلند کر دیا جس نے ہر جگہ اور ہر مقام پر اغیار و کفار کو شکست دی۔ آج پھر سے اپنے محلوں اور گلیوں میں شیعہ و سنی' وھابی و بریلوی' حنفی و دیوبندی' سندھی مہاجر پنجابی پٹھان بلوچ کشمیری اور امیر و غریب کی تفریق سے بالا تر ہو کر بھرپور جدوجہد کرنے کی ضرورت ہے جس سے نہ صرف مذہبی و سیاسی بنیادوں پر قائم فرقہ واریت کا خاتمہ ہو گا بلکہ عظیم اسلامی انقلاب کی راہ ہموار ہو سکتی ہے۔

اب ضرورت اس امر کی ہے کہ قوم کی اکثریت کا کریکٹر بلند ہو کیونکہ جب تک قومی سطح پر احساس ذمہ داری' اخوت و محبت' ایثار و قربانی' محنت و دیانت اور نظم و ضبط پیدا نہیں ہو گا صحیح راہنما پیدا نہیں ہو سکتا۔ قوم اپنے رہنما کو خود اپنے اندر کی ہزارہا بہترین ہستیوں میں ایک کا انتخاب کرتی ہے اور وہی رہنما پھر قوم کو بنا دیتا ہے۔ نا اہل قوم میں رہنما کا پیدا ہو کر سر سبز ہونا ایسا ہی نا ممکن ہے جیسا کہ شور زدہ زمین میں درخت کا اُگنا محال ہے۔ درخت اپنی خوراک کا معقول حصہ زمین کے علاوہ آفتاب اور ہوا سے لیتا ہے رہنما کو بھی آسمان سے اور ماحول سے مدد ملتی ہے لہٰذا قوم کا ہر شخص فرداً" فرداً" اپنے نفس کی اصلاح شروع کر دے کیونکہ جب تک تکلیف اٹھانے' مطیع بننے اور اشاروں پر چلنے کی قابلیت موجود نہ ہو قدرت کے لئے عظیم الشان رہنما کا انتخاب محال ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کا اور ملک و ملت کا حامی و ناصر ہو۔

آپ کا اپنا
خاکسار حمید الدین المشرقی
(قائد خاکسار تحریک)

مورخہ: ۲۳ اکتوبر ۱۹۹۷ء
بوقت: ڈھائی بجے دوپہر

وَحَرَامٌ عَلَىٰ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ (الانبیاء)
"اور جس قوم کو ہم نے ایک دفعہ ہلاک کر دیا اس کا پھر ابھرنا محال ہے"
تذکرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

یہ تصنیف "تذکرہ" کی دوسری جلد نہیں لیکن پچھلے کئی برس کے خاموش غور و فکر کا نتیجہ ہے۔ مسلمانوں کو ایک طاقتور قوم پھر بنا دینے کی جو تجویز میں نے پیش کی ہے بادشاہت اور قوّت کی واحد صورت ہے۔ اصلاحِ نفس اور خدمتِ خلق زندگی اور طاقت کا پہلا نشان ہیں۔ ان کے اندر مخدوم بن جانے کا راز ہے۔ مسلمانوں نے اگر اس تجویز کو مضبوطی سے پکڑا تو چند برس کے اندر کایا پلٹ جائے گی۔ چھوڑ دیا تو موت یقینی ہے۔ مکالمہ کے شروع میں وہی کچھ ہے جو فرداً فرداً خطوں میں لکھا یا اور طرح پر زبانی کہا۔ تجویز کو اب ظاہر کرتا ہوں جبکہ اس کی سچائی پر یقین ہو چکا ہے۔ میری طرف سے عمل اُس وقت شروع ہو گا۔ جب مسلمانوں کے ارادے کا پورا یقین ہو جائے گا۔

اچھرہ۔ لاہور
یکم اگست ۱۹۳۱ء
مطابق ۱۶ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ

حضرت علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقیؒ

اَللّٰهُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا وَاِلَیْهِ الْمَصِیْرُ (قرآن کریم ۴۲ : ۱۵)

خدا ہم سب کو اکٹھا کرے اور آخرکار جواب دہی کے لئے جانا تو اُسی کی طرف ہے (قرآن کریم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا باب

مسلمانوں میں سچائی قبول کرنے کی پوری صلاحیت ہے

ہمدرد - جناب! "تذکرہ" میں آپ کے اعلان نے کہ آپ کسی موافق یا مخالف سے بحث نہ کرینگے ایک بڑی مدت تک ہم لوگوں کو آپ سے باز رکھا۔ آخر اس خیال سے کہ شاید آپ کی صرف ملاقات ہی ہماری بے چینی کو دور کرسکے پچھلے سال زیارت کی اجازت مانگی۔ آپ نے لکھا کہ "زیارت کا اہل نہیں ہوں اور اس نقصان کو جو آپکو اسقدر دور سے آنے میں ہوگا برداشت نہیں کرسکتا۔" ناچار چپ ہوگئے۔ سات برس سے جو خاموشی آپ نے اختیار کی ہے اُس پر جسقدر افسوس کیا جائے کم ہے۔ "تذکرہ" لکھنا اور پھر چپ ہو رہنا، دوسری جلد کے عام اضطراب کی پروانہ کرنا معاف فرمائیں غفلت بلکہ بے رحمی نہیں تو کیا ہے! لوگ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن اُن کا ہاتھ اور آپ کا دامن ہوگا اور قوم کے تمام گناہوں کا بوجھ آپ کی گردن پر ہوگا۔ مجھے معلوم ہے کہ حضرت شیخ امام سنوسی نے بھی آپ سے "تذکرہ" کی باقی جلدوں کا مطالبہ مضبوطی سے کیا اور لکھا کہ تکمیل واجب ہے۔ "تذکرہ" کے بعد اس سات برس میں ایک مضمون ایک سطر ایک حرف آپکا کسی کتاب، رسالہ یا اخبار میں نہیں دیکھا، حالانکہ یہ دن ہمارے لئے ایسی پریشانی کے تھے کہ تاریخ میں انکی مثال نہیں۔ پچھلے برس جو واقعات ہندوستان میں ہوئے اور آج ہو رہے ہیں اسقدر اہم ہیں کہ انکے متعلق رہنمائی اور بحث کیلئے اس نفسا نفسی

کے زمانے میں آپکے قلم بلکہ زبان کو بڑی جنگ کرنا چاہیئے تھا، مگر آپ نے پرواہ نہ کی۔ لوگ یہاں تک بھی کہنے لگے ہیں کہ انگریزی حکومت نے آنکھیں دکھا کر آپکو ڈرا دیا ہے، اب گویا زبان بھی آپکے منہ میں نہیں رہی۔ یا شاید ملاؤں سے آپ دب گئے! بہر نوع اب جس طرح بھی ہو ہم آپکے سامنے حاضر ہیں، ہم سے جو سلوک چاہیں کریں، لیکن ہمارا مقصود بحث ہرگز نہیں۔ "تذکرہ" کے ایک ایک حرف پر ہمارا ایمان پہلے سے ہے، ہم اسکو اول سے آخر تک سمجھ چکے ہیں، ہم سمجھ چکے ہیں کہ ایک گری ہوئی قوم کے لئے آخری علاج "تذکرہ" ہے۔ ہم اس پر عمل ہوتا ہوا اور اسکے بتلائے ہوئے نتیجے پیدا ہوتے ہوئے آج ان آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ ہم اسکی ادبیت کو بیمثال کیا بلکہ یقین کرتے ہیں کہ دنیا ایسی تحریر پھر پیدا نہ کر سکے گی۔ اگرچہ قوم مردہ ہو چکی ہے لیکن آپ نے ان لوگوں کو جنہوں نے "تذکرہ" پڑھا ہے۔ فی الحقیقت زندہ کر دیا ہے۔ ہم کوٹ پتلون پہن کر آج قرآن اور اسلام سے پھر لو لگائے بیٹھے ہیں، ہم "تذکرہ" کے الفاظ کو پڑھتے ہیں اور گھنٹوں تک سر دھنتے ہیں، جس جس کو سناتے ہیں وجد میں آجاتا ہے، پڑھتے ہیں اور پھر پڑھنے میں مزا سوا آتا ہے، کوئی مجلس نہیں جہاں اس کا ذکر نہ ہو، کوئی اخبار، کوئی قومی رسالہ، کوئی لکچر نہیں جہاں اسکے اصولوں کی در پردہ تعلیم نہ ہو۔ اسّی برس کے بوڑھے بلا مبالغہ اس پر مرتے ہیں، پچیس برس کے جوانوں کی یہ روحانی غذا ہے، طالب علم، فارغ شدہ لوگ، ملازم، غیر ملازم مولوی، غیر مولوی، مجسٹریٹ، ڈپٹی، معلّم، پولیس والے، مسجد، مکتب، منبر، مسلم، غیر مسلم امیر، غریب، عالم، جاہل، الغرض کوئی حصہ ہندوستانیوں کا نہیں جہاں یہ کتاب گئی ہو اور اس نے اپنا اثر نہ دکھایا ہو۔ مجھے یقین ہے کہ اُس چند روزہ مخالفت کو چھوڑ کر جو ایک دو لوگوں نے "تذکرہ" کی اشاعت کے پہلے مہینے میں کی، اور جو صفر کے برابر ہے، اس سات برس میں غالباً ایک لفظ بھی کسی نے آپکو اس مطلب کا کہا یا لکھا ہو کہ آپ نے برا کیا، "تذکرہ"

ایک ہمیشہ رہنے والی تصنیف ہے اور کوئی طاقت اب اسکو فنا نہیں کر سکتی۔ پنڈت صاحب آپ کے سامنے ہیں اور اس بات کے گواہ ہیں کہ انہوں نے بھی "تذکرہ" کو اس پانچ برس میں فرصت کے کسی وقت نہیں چھوڑا۔ انکی نظر اس مقدس کتاب کے ادب کیطرف اتنی نہیں جتنی کہ چاہیئے، مگر وہ اسکی تعلیم کو دیکھکر عش عش کر اُٹھتے ہیں، انہوں نے اپنے حلقے میں اسکی اشاعت بھی خوب کی ہے اور مسلمانوں سے جو محبت ہے وہ ہماری شبانہ روز صحبت اور اس دور دراز سفر سے ظاہر ہے۔ اگرچہ جناب کے سامنے میری تقریر کسی قدر لمبی ہوگئی ہے لیکن میں اُن دلی خیالات کا جو ہم اپنے گھروں سے لیکر آئے ہیں دسواں بلکہ سواں حصہ بھی ظاہر نہیں کر سکا۔ بہرنوع جب "تذکرہ" کی پہلی جلد کو یہ قبولیت حاصل ہے تو ہماری آپ سے اس ناگہاں ملاقات کی غرض صرف اسقدر رہے کہ آپ سے باادب اور بزور التجا کریں کہ اگر قوم کو زندہ رکھنا ہے تو دوسری جلد کو جلد سے جلد شائع کر دیجئے۔

مصنّف - میری خاموشی کے بارے میں آپ صاحبان نے جس خلوص اور محبت سے مجھے ملامت کی ہے اسکی قدر کرتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اس قطع کی کتاب لکھنے کے بعد جیسا کہ "تذکرہ" ہے مجھے کچھ دیر تک خاموش ہو جانا چاہیئے تھا۔ مجھے اس بات کا اندازہ لگانا ضروری تھا کہ مسلمان اور خاصکر مسلمانوں کے اُس حصے میں جس کے لئے "تذکرہ" لکھا گیا تھا ایک سچائی کے قبول کرنے کی کسقدر اہلیت باقی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ خموشی بے وجہ اور بے فائدہ نہ تھی، اس نے اپنا کام بروقت اور نہایت کامیابی سے کیا۔ آپ نے اسکو نقصان دہ کہا ہے لیکن اس سرزمین میں ایسے ہوشمند لوگ موجود ہیں جنہوں نے مختلف جگہوں سے نہایت متانت کے ساتھ مجھے لکھا ہے کہ اب کسی دوسری جلد کی ضرورت صدیوں تک نہیں رہی۔ ایک قوم کے تعلیم یافتہ طبقے کی قوت کا اندازہ لگانے کے لئے سات برس کچھ بڑی مدت نہیں، اور اس اندازہ کو اور صحیح

بنانے کے لئے میں نے نہ صرف اپنی خموشی کو ضروری سمجھا بلکہ یہ بھی ضروری جانا کہ "تذکرہ" کی اشاعت خاموش طریقے سے ہو، اس کی موافقت میں شور شر نہ ہو، اسکے پڑھنے اور سمجھنے کی دقتیں بہتوں کو خاموش کر دیں۔ اس کا عربی دیباچہ کتاب کھولتے ہی لوگوں کو ڈرا دے، حتیٰ کہ کتاب پر مصنف کے نام کے سوا خاموشی ہو۔ میرے نزدیک مسلمانوں کو کسی حقیقت کے منوانے کا عمدہ طریق یہ ہے کہ ان سے بحث نہ کی جائے، حقیقت کو کھلے الفاظ میں پیش کر کے انکو اکیلا چھوڑ دیا جائے، وہ خود اُسکو اپنے طور پر اور سب سے پہلے لے لیں گے، اُسکو اپنی ملکیت اور جائداد بنالیں گے، اُسکی مخالفت میں ایک حرف کہنے سے بچیں گے، اسکو اپنی زندگی کا شعار بھی بنالیں گے، ایک ہزار برس میں ختم نہ ہونے والی بحثیں اسطرح چند برسوں میں ختم ہو سکتی ہیں لیکن اگر مقابلہ اور لڑائی یا نمائش اور ڈھٹائی ہے تو مسلمان سورج کو بھی روشن ماننے کیلئے تیار نہیں۔ وہ نمود اور دکھلاوے یا شور شر اور اشتہار سے پورے طور پر متنفر ہیں، اُنکی تیز اور عیب بین نظریں ہر اُس شخص کو فوراً پہچان لیتی ہیں جس میں خود غرضی اور دکھلاوا ذرا سا بھی ہو، کوئی شئے اُنکے ہاں پنپ نہیں سکتی جب تک کہ اسمیں سر تا پا سچائی اور بے نفسی اور اوّل سے آخر تک راستی نہ ہو۔ ان کے امتحان اور احتساب کا معیار اس قدر سخت ہے کہ اور قوموں کے بہت سے رہنما جو اپنی اپنی جگہ سورج اور چاند بن کر چمکے ہیں مسلمانوں کے ہاں ہوتے تو شائد ایک شعلۂ خس سے زیادہ روشنی نہ رکھتے، وہ اُنکو اُنکی پہلی کمزوری پر مٹی میں ملا دیتے۔ اور قوموں میں ہر طرح کے آدمی کھپ جاتے ہیں، اُن میں اس بات کی گنجائش ہو جاتی ہے کہ بُرے بھلے، درمیانے، شہرت پسند، خاموش، عالم، جاہل، سب کو اپنی اپنی طاقت اور دھکیلنے کی قوت کے مطابق منظور کر لیں، اور بالآخر اُنکی بڑائی کو یک بیک تسلیم کر لیں۔ اُن کے خداؤں یا دیوتاؤں میں بھی جنکو وہ مانتے ہیں اس قسم کا نقص

کم و بیش پایا جاتا ہے مگر مسلمان کا رہنما کم از کم قول میں، صرف خدائے زمین و آسمان ہے اور ہر طرح کامل ہے۔ اسلیئے خواہ مسلمان کی اپنی ذات میں لاکھ عیب ہوں، اُسکی اپنی کمزوریاں سورج کی طرح ظاہر ہوں لیکن وہ اس بات کو غیرتاً گوارا نہیں کر سکتا کہ اس شخص میں جو اُسکو راہ دکھلانے کا دعویدار ہو اپنے یا کوئی بھی عیب دیکھے۔ وہ اُسکو فوراً نیچے گرا کر اپنے برابر کر لیتا ہے اور آئندہ کیلئے دوسرے خس و خاشاک بلکہ کئی جواہر ریزوں کی راہ بھی روک دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس عجیب و غریب قوم میں مصلح اور رہنما بلکہ بڑے آدمی بھی کم پیدا ہوئے ہیں، یا جو پیدا ہوئے ہیں اُنکی جیسی عزت اور قدر ہونی چاہیئے تھی، وہ نہ کر سکتی تھیں نہ ہو سکی۔ وہ گمنامی اور ذلّت میں اکثر رہے اور رنج و تکلیف میں اپنے دن کاٹ کر چلے گئے۔ انکی تصانیف کو بھی کبھی وہ رُتبہ نہ مل سکا جو اور قوموں کے بعض نہایت لغو نویسوں کو اکثر ملا۔ اب بھی جب کبھی مجھے اور قوموں کے رہنماؤں کی زندگیوں اور اُنکی بنائی ہوئی کتابوں کے مطالعہ کا اتفاق ہوا ہے یا دنیا کے موجودہ رہنماؤں کو اُنکے اپنے گوشت پوست میں دیکھتا ہوں تو حیران رہ جاتا ہوں کہ جو تعلیم اُنہوں نے اپنی قوم کو دی، جو ذاتی عیب اُن میں تھے، جس شہرت اور طاقت کو وہ کھلے بندوں چاہتے رہے، جس نہایت کم اخلاقی یا رُوحانی قوت کے وہ مالک تھے یا جو کم علمی اور رعام گوئی اُن میں تھی اُنکے بالمقابل مسلمانوں کے معمولی معلّموں کی تحریریں آسمان سے لائی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ سعدیؒ ابن رشد، مولانا روم اور ابو الفضل اگر یونان اور لندن میں ہوتے تو غالباً ارسطو، افلاطون اور بیکن کی شہرت کو قطعاً مات کر دیتے اور نذیر احمد اور اسمٰعیلؒ شہید اگر ہندوؤں میں آج زندہ ہوتے تو کانگریس کا پنڈال انہی سے سجا ہوتا بلکہ انگریزی حکومت کا نکالنا بھی انہی کے ہاتھوں ہوتا۔ حضرت عمرؓ، صلاح الدینؒ، محمودؒ، اکبر، اور نگذیب کی مسلمانوں میں وہ عزت نہیں جو

اور قوموں میں اسکندر، نپولین بلکہ ہینبیل کی ہے۔ بہر نوع یہ قصہ دوسرا ہے۔ اگر ایسے ماحول میں "تذکرہ" کو جس نے مسلمانوں کی سینکڑوں برس کی مانی ہوئی باتوں اور پیارے عقیدوں کو کاری ضرب لگا کر اُنکو پھر اُسی سچائی کی طرف متوجہ کیا جو کبھی اُن میں تھی، عام قبولیت میری زندگی میں اُس طبقے میں حاصل ہوئی جو سب سے زیادہ کھوٹے اور کھرے کو پرکھنے والا، سب سے زیادہ علم والا، اور صاحب رائے بلکہ سب سے زیادہ خود رائے اور سرکش ہونا چاہیئے، تو الحمدللہ اسکی وجہ سوائے اسکے نہیں کہ میں نے اس سچائی کو پیش کر کے اُنکو اکیلا چھوڑ دیا، مخالف سے اعتراض نہ کیا، **موافق** سے بات نہ بنائی، سچائی کو اپنی جائداد نہ سمجھا، اور دو طرفہ خاموش ہو رہا۔ ایسی خاموشی میرے نزدیک ملامت کے قابل نہیں۔ میں اگر اس سات برس میں خاموش رہ کر کسی قطعی اور مفید نتیجہ پر پہنچا ہوں تو وہ یہ ہے کہ مسلمان اور باتوں میں کتنے ہی بُرے کیوں نہ ہوں مگر اُن میں سچائی کو قبول کرنے کی پوری صلاحیت موجود ہے۔ میری رائے میں یہ ہزاروں نتیجوں کا ایک نتیجہ ہے اور چُپ رہنے کے بدلے مہنگا نہیں۔

بانی خاکسار تحریک حضرت علامہ مشرقی رحمۃ اللہ علیہ کی شہرہ آفاق تصانیف

نمبر شمار	نام کتاب	ہدیہ	مصنف
1	تذکرہ (اول دوم)	600/=	حضرت علامہ مشرقی رحمۃ اللہ علیہ
2	حدیث القرآن	150/=	حضرت علامہ مشرقی رحمۃ اللہ علیہ
3	تکملہ (سیرت النبی) اول	150/=	حضرت علامہ مشرقی رحمۃ اللہ علیہ
4	مولوی کا غلط مذہب	160/=	حضرت علامہ مشرقی رحمۃ اللہ علیہ
5	مقالات	400/=	حضرت علامہ مشرقی رحمۃ اللہ علیہ
6	حریم غیب	100/=	حضرت علامہ مشرقی رحمۃ اللہ علیہ
7	دہ الباب	100/=	حضرت علامہ مشرقی رحمۃ اللہ علیہ
8	ارمغان حکیم	100/=	حضرت علامہ مشرقی رحمۃ اللہ علیہ
9	قول فیصل	(زیر طبع)	حضرت علامہ مشرقی رحمۃ اللہ علیہ
10	اشارات	(زیر طبع)	حضرت علامہ مشرقی رحمۃ اللہ علیہ
11	الاصلاح (المشرقی رحمۃ اللہ علیہ نمبر)	60/=	(ادارہ)

دوسرا باب

مسلمان مردہ قوم نہیں

ہمدرد ۔ جناب میں غلطی پر تھا۔ ایسی خاموشی پر ہزار گویائیاں قربان ہیں مگر اللہ اکبر! آپ تو بعینہٖ اُس کانٹے کو چھیڑنے لگے جو مدت سے چبھ چبھ کر ہمارے دلوں کو لہولہان اور جان کو ہلکان کر رہا تھا اور جس کے متعلق سوال کرنے کی مجھے تدبیر نہ سوجھتی تھی مسلمانوں کی اس برائی کو جناب والا نے جس انداز سے بیان کیا ہے اسکے متعلق مجھے بیحد حیرانی پیدا ہوگئی ہے۔ آپ نے اسکو زیادہ تر خوبی کے رنگ میں ظاہر کیا ہے حالانکہ ہم دن رات اکٹھے بیٹھ کر اسی خیال میں جلتے اور کڑھتے رہتے ہیں کہ مسلمانوں کی سب سے بڑی بدبختی اور اُنکی تمام بیماریوں کی جڑ ہی اپنے اپنے رہنماؤں اور بہادروں کی قدر نہ کرنا اور ہر شخص کا تیس مار خاں بنے رہنا ہے۔

مصنّف ۔ آپ نے اپنی تقریر میں اگر مجھے ٹھیک یاد ہے "تذکرہ" کی ادبی خوبیوں کو سراہا تھا، اپنے زندہ ہونے کا باعث بھی اُسکے ادب ہی کو کہا تھا، مزے لے لیکر پڑھنے اور وجد میں آنے کا ذکر کیا تھا، کوٹ پتلون پہن کر اسلام سے لو لگانے کی کہی تھی، اسی ادبی مذاق نہ ہونے کی پنڈت صاحب سے شکایت تھی، میری خاموشی سے آپ ناخوش تھے۔ میرا خیال تھا کہ آپ نئے رنگ کے ادیبوں کی ایک جماعت ہیں جو چٹخارے لینے کے بعد "کچھ اور فرمائیے" کی درخواست لیکر آئے ہیں۔ آپ کی تسلّی کے لیئے میں نے اپنی خاموشی کی وجہ جو میرے نزدیک تھی، بیان کردی۔ اب چند لمحوں کے بعد آپ ایسی خاموشی پر ہزار گویائیاں قربان کرتے ہیں اور حیرت ہے کہ میری بات کو بیچ سے پکڑ کر سلسلۂ کلام کو بالکل

دوسری طرف لیجانا چاہتے ہیں۔

ہمدرد - جناب والا! آپکے ان نشانہ پر لگائے ہوئے تیروں نے مجھے اور یقیناً میرے ساتھیوں کو پسینہ پسینہ کر دیا ہے۔ اگر گستاخی نہ ہوتی تو پیشانی اور بدن پر ہاتھ رکھکر دکھا دیتا۔ ہم نے ابھی ایک دوسرے کی طرف تاکا اور اسی ایک تکنے میں اپنے پشتینی گناہوں اور آدھی رات کی آرزوؤں کے دفتر کے دفتر کھل گئے۔ ہم نے جناب کے "خریطہ" کو غور سے پڑھا ہے اور اسکا سچا اور اصلی اثر جو ہمارے دل پر ہے "تذکرہ" سے بھی سوا ہے۔ ہم خوب سمجھتے ہیں کہ ادب کا بے طرح مذاق اور گھر گھر میں شاعری کی لت وہ بیماری اور بیکاری ہے جو مسلمانوں کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہی ہے مسلمانوں نے جب سے قرآن کو شعر سمجھا بے عمل ہو گئے اور ادب کے چند قاعدے سیکھ کر اور قلم کو کاغذ پر گھسیٹ کر بڑے سے بڑے شخص کو خاطر میں نہ لانا اور اسکی پگڑی اچھالنے کی کوشش کرنا وہ خطرناک مرض ہے جس نے قوم کی طاقت کو ریزہ ریزہ کر دیا ہے۔ میری صحیح معنوں میں نادانی اور جہالت تھی کہ "تذکرہ" کے ادب کا وضاحت سے ذکر کیا، باوجودیکہ "خریطہ" کو پڑھنے کے بعد مجھے جاننا چاہیئے تھا کہ آپکو ایسی تعریف سے دکھ ہوگا۔ اسمیں شک نہیں کہ کسی مستقل قومی کام کے پیش نہ ہونے اور مسلمانوں کی عام گری ہوئی حالت کی وجہ سے فرصت کے وقت ہمارا شغل کتاب اور مطالعہ ہے، اور کتاب بھی کیا اب تو مدت سے "تذکرہ" پر ہی بحث اور مباحثے ہیں، ہم میں سے یہ دو صاحب شاعر تھے اور خوب کہتے تھے۔ تیسرے مولوی بھی ہیں اور مجاہد بھی، میں اکثر نثر میں اسلامی مضمون لکھتا تھا، پنڈت صاحب تاریخ دان اور فلاسفر ہیں، ایم۔اے میں تاریخ لی تھی مگر اردو، فارسی سنسکرت بلکہ عربی بھی خوب جانتے ہیں۔ گیتا اور کرشن مہاراج کے ذکر کو "تذکرہ" میں دیکھکر انہوں نے اس کو پڑھنا شروع کیا اور مہینوں تک ہم سے غائب رہے۔ ہم سب برسرکار ہیں، یہ صاحب ڈپٹی ہیں

اور حضرت اکبر سے تلمذ تھا جیسا کہ میں نے پچھلے برس عریضہ میں لکھا تھا۔ الغرض یہ ہماری کہانی ہے مگر ہم جناب کو یقین دلاتے ہیں کہ ہمارا مشغلہ وہ ادب ہرگز نہیں رہا جس کی طرف آپ نے اشارہ کیا۔ پنڈت جی وقت میں بھی کفایت شعار ہیں، وہ یوں تو گھنٹوں تک مگر روزانہ نہیں آتے لیکن فرصت کے بعد ہم چاروں کا میل روزانہ ہے۔ اس فرصت میں یقین جانئے کہ مسلمانوں کی خرابیوں، اُنکے مکمل اور اچانک زوال، اُنکی اخلاقی کمزوریوں اُنکے اپنوں سے حسد اور رنجشوں، اُنکی فرعون مزاجیوں، اُنکی فرقہ بندیوں، اُن کی خود غرضیوں اور نفس پسندیوں، اُنکی بیکاریوں اور بد معاشیوں پر کوئی گفتگو نہیں جو ہم نے کھول کھول کر نہ کی ہو اور اپنی طاقت کے موافق اس کا علاج "تذکرہ" بلکہ تمام دنیا کے فلسفے اور تاریخ اور حکمت کو پیشِ نظر رکھ کر نہ سوچا ہو۔ ہمارے یہ ڈاکٹر صاحب کسی بحث کو جانے نہیں دیتے جب تک کہ اسپر جراحی کا عمل کر کے منطقی طور پر اس کا علاج نہ سوچ لیں۔ ان صدہا صحبتوں کے بعد جو ہم نے اس اثناء میں کی ہونگی اور علاجوں کی عملی تجویزوں کے بعد جو ہم نے سوچی ہونگی؛ اب ہمارا یہ حال ہے کہ آہوں اور چیخوں کا ایک دریا ہمارے سینوں میں امڈتا ہے، کوئی تدبیر کارگر ہوتی نظر نہیں آتی، پوری قوم تو درکنار دس شخص بھی ایک بات پر نہیں جمتے، ہر ایک اپنے تکبّر میں فرعونِ بے سامان ہے، ہر ایک کی اپنی رائے ہے، جس بات کو لے بیٹھا ہے، اُسی پر اڑا ہے، ایک کو ایک سے حسد ہے، ایک کو ایک پر بدگمانی ہے، ایک دوسرے کے گوشت کو کھا رہا ہے، ڈپٹی اور جج ہونے کا فخر ہے، مولوی ہونے کا کبر ہے، معلّمی کا کبر ہے، خریدار ہیں نہیں مگر ایڈیٹری کا کبر ہے، تعلیم صفر ہے مگر علمیّت کا کبر ہے فوج ندارد ہے مگر لیڈری کا کبر ہے، طاقت ذرا بھر نہیں مگر خدائی پر طعن ہے! ہمارے فیصلے میں اب مسلمانوں میں ادنیٰ سی خوبی بھی باقی نہیں رہی۔ "تذکرہ" اگر آسان عبارت میں ہوتا اور قیمت بھی ایسی ہوتی کہ ہر شخص اسکو خرید سکتا تو بے شک اُمید تھی کہ گھر گھر پہنچ کر قوم دس!

یا بیس برس میں سنبھل جاتی مگر بیماری لاعلاج ہے۔ راہ تو صاف ہے مگر رہنما کوئی نہیں۔ مسلمان یقیناً مر چکے ہیں۔ جناب نے جس انوکھے انداز سے مسلمانوں کی اس مہلک بیماری کا کہ بے عیب انسانوں کے سوا انکے ہاں کوئی نہیں کھپتا اور بے عیب محض خدا کی ذات ہے، ذکر کیا ہے بلکہ جس طرح پر اسکو خوبی کے رنگ میں بیان کیا ہے اس نے مجھے چونکا دیا ہے۔ اِسی بنا پر میرا جناب سے سوال تھا۔

مصنّف۔ مسلمانوں کی قوم کی یہ دل شکن تصویر آپ سے پہلے کئی دفعہ میرے سامنے آ چکی ہے "تذکرہ" لکھنے سے پہلے اور اسکے بعد کئی بار مجھے ڈر تھا کہ اس قدر کثرتِ رائے کے بالمقابل شاید میں غلطی پر ہوں، اور اسلئے لگاتار سوچتا اور مطالعہ کرتا رہا۔ میرے اندازے میں یہ بات پہلے بھی غلط تھی اور اب زیادہ غلط ہے کہ مسلمان مردہ قوم ہیں۔ اور قوموں مثلاً ہندوؤں اور عیسائیوں نے مسلمانوں کی ایسی بُری تصویر کہیں پیش نہیں کی بلکہ وہ مسلمانوں کی قوتِ عمل اور زندگی سے ہمیشہ ڈرتے رہے ہیں۔ اگر مجھے اسمیں ذرا سا شک ہوتا تو "تذکرہ" لکھنے کی محنت کبھی گوارا نہ کرتا، میں قرآن کو کم از کم مسلمانوں کے سامنے پھر پیش نہ کرتا اگرچہ میرا یہ کرنا اس بات کی دلیل ہو نہیں سکتا کہ مسلمان زندہ ہیں مگر اس سے کم از کم یہ ثابت ہے کہ میرے نزدیک مسلمان مُردہ نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد سیّد علیہ الرحمت کے وقت سے مسلمانوں کے ایک طبقہ میں یہ احساس غلطی سے عام ہو گیا ہے کہ ہم مُردہ ہیں، ہر شخص اب اس مرثیہ خوانی میں اوروں سے آگے بڑھنا اور قوم کو بُرا کہہ کر بیچ بیچ بُرا بننا چاہتا ہے لیکن سیّد اور اُنکے اکثر رفقا ہرگز اس بات کے معتقد نہ تھے کہ وہ قوم کے آخری لمحوں کی نوحہ خوانی کر رہے ہیں وہ صرف صورتِ حالات کو بدلنا چاہتے تھے بلکہ قوم کو نئے اور ناگزیر حالات کی صورت پر ناچار لانا چاہتے تھے۔ اسلام کے ابتدائی زمانے میں عرب قوم کی سیاہ سے سیاہ تصویر جو آج شاعرانہ رنگ میں لکھنے والے اکثر اسلامی مؤرخ پیش

کرتے ہیں اگر فی الحقیقت صحیح ہوتی اور وہ قوم سچ مچ مُردہ ہوتی تو حیرت ہے کہ قرآن میں پیغمبرِ اسلامؐ کو اس تنبیہہ کے باوجود کہ "تو مُردوں کو ہرگز بیدار نہیں کر سکتا۔" وہ قوم تھوڑی ہی مدت میں آفتاب بنکر کیونکر چمکی۔ عرب کا قرآنی ہدایت کو چند برسوں میں قبول کر لینا ہی اس امر کی دلیل ہے کہ عرب مُردہ نہ تھے اور جس میں دوا قبول کرنے کی اہلیت باقی ہے وہ مرا نہیں۔ رہا یہ امر کہ مسلمانوں کے ہاں سچے، بے نفس اور فی الحقیقت بڑے آدمی کے سوا کسی کی دال نہیں گلتی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ قابلِ ملامت نہیں بلکہ مستقل خوبی ہے۔ اس سے مسلمانوں کے نظری اخلاق کے اعلیٰ معیار کا پتہ لگتا ہے۔ نپولین اور اسکندر جنکو تاریخ میں اعظم کہا جاتا ہے، انکی عظمت انہی کی ذات تک محدود تھی، انکے حیرت انگیز کارنامے آنکھ کی جھپک میں ملیامیٹ ہو گئے، انہوں نے قوم اور جماعت کو بڑا نہیں بنایا، نہ انکے کارناموں کا کوئی اثر بعد میں باقی رہا، لیکن عمرؓ نے اسلام کو عالمگیر کر دیا۔ محمودؒ کی اولوالعزمی نے ہمیشہ کیلئے ہندوستان کے دروازے اسلام کے لئے کھول دیئے، اکبرؒ نے مسلمانوں کی حکومت مدت تک مضبوط کر دی، اورنگزیبؒ نے گرتی ہوئی سلطنت کی چھت کچھ دیر تک تھام لی۔ اسلام کے کسی مشہور اور مانے ہوئے شخص کو لو، اور اسی رتبے اور درجے کا شخص کسی دوسری قوم میں لو، آپ پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اسلام کے اندر اس شخص کی جو اسلام اور قوم کے لئے نہیں بابو محض اپنی ذات کے لئے ہے کچھ گنجائش نہیں۔ عیسائی یورپ کے اندر کپلنگ بلکہ ٹیگور اور عنایت خان ہندی کہانیاں، دہرے اور گیت لکھ لکھ کر مشہور سے مشہور مصنّف اور دولتمند بن سکتے ہیں، لیکن مسلمانوں کے اندر الف لیلہ کے مصنّف محمود الوراق اصفہانی کے نام یاد رکھنے کی بھی خواہش نہیں۔ بائرن عورتوں سے عشق بازی کرنے اور شراب سے بھرے ہوئے فحش گیت لکھنے سے ایک بڑا اور چوٹی کا شاعر بن سکتا ہے مگر وہ بیسیوں اور

کوڑیوں شاعر جنہوں نے بائرن سے بہتر اور فحش تر عشقبازی اسلام میں کی اور جن کے دیوان کا ایک ایک بیت بائرن کے سستے عشق کو شرماتا رہے گا، کہاں گئے؟ کیا خالدؓ، مسلمؒ اور طارقؒ کے مقابلے میں انگلستان اور یورپ کا بڑے سے بڑا فاتح ایک لمحہ کیلئے ٹھہر سکتا ہے، یا ٹھوس نتائج اور تعمیری طاقت کے لحاظ سے اس گئے گزرے زمانے میں بھی مصطفٰے کمال، رضا خاں، ابن سعود، امان اللہ، نادر خاں سے بہتر نامۂ اعمال کوئی بتلا سکتا ہے۔ مگر مسلمان ان سے بھی پورے طور پر خوش نہیں اور کسی نہ کسی بہانے اُن سے ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں۔ نہیں، اورنگزیبؒ اور ناصر الدین محمودؒ ہندوستان کے مطلق بادشاہ تھے، اُن پر اس آسمان کی چھت کے نیچے کوئی انسان حکمران نہ تھا، دنیا کی کسی قوم کی تاریخ میں کسی ایک بادشاہ کی مثال ہرگز موجود نہیں جس نے تخت پر بیٹھکر تمام عمر پیٹ کیلئے مزدوری کی ہو مگر یہ بیمثال انسان قرآن لکھ لکھ کر اور ٹوپیاں کاڑھ کاڑھ کر نفس کو پالتے رہے۔ اس جانگداز صبر اور خوفِ خدا کے باوجود مسلمانوں کے ہاں اورنگزیبؒ صرف اورنگزیبؒ اور ناصر الدینؒ صرف ناصر الدینؒ ہی ہے اور قوموں میں ہوتے تو نہ جانے آج کیا بنے ہوتے!

خاکسار تحریک کے بانی اور عظیم ریاضی دان حضرت علامہ مشرقیؒ "بیلچہ" تھامے خاکساروں کی صف میں کھڑے ہیں

تیسرا باب

رہنماؤں کے انتخاب میں سختی مسلمانوں کی خوبی ہے

ہمدرد - معاف فرمائیں اس حساب سے تو مسلمان معاذ اللہ اپنے خدا سے بھی خوش نہ ہونگے اور یہی انکے سچے زوال کی علامت ہے۔ جناب کی وسیع معلومات میں کلام نہیں لیکن مسلمانوں کی اس روشن برائی کو خوبی کہنا میری سمجھ میں نہیں آتا۔ جناب نے تذکرہ میں ایسی ٹیڑھی بات کہیں نہیں کی بلکہ جو کچھ کہا ہے ہر عقلمند شخص ذرا سی سوچ کے بعد اسکو تسلیم کرتا گیا ہے۔

مصنّف - زوال کی علامت قطعاً نہیں۔ اگر زوال کی علامت ہوتی تو مسلمانوں کا یہ اخلاق اسقدر قدیم نہ ہوتا۔ کیا مسلمان حضرت عمرؓ کے وقت سے گرنے شروع ہو گئے تھے کہ ایک بد بخت اعرابی نے بھری مجلس میں یمن سے آئی ہوئی چادروں کو ناانصافی سے تقسیم کئے جانے کے شک میں اپنے عزیز سردار کو بدنام کرنے کی کوشش کی، یا کیا الف لیلٰی کے زمانہ میں مسلمان انتہائی ادبی اور سیاسی عروج پر نہ تھے کہ کسی نے اُسکے مصنّف کے نام کو بلند کرنیکی پرواتک نہ کی، کسی سلطنت نے دو کوڑی اُسکو انعام نہ دیا، نہیں کیا پھر عمرؓ نے اُس بدبخت اعرابی کو سزا دی یا اس ناگوار بات پر ٹوکا کہ اس طرح پر اپنے امیر کو شرمندہ کرنا اسلام میں روا نہیں۔ میرے یقین میں مسلمانوں کا یہ شعار ٹھیٹھ اسلامی ہے، اسلام کی زیست سے پیدا ہوا، اسلام کے ساتھ ساتھ رہے گا، اور جب تک مسلمان بالکل نہ مٹ جائیں دنیا میں اس کا نشان موجود ہوگا۔ اس میں قطعاً اُس توحید اور لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ کی رُوح ہے جو ہیرے اور موتی بن کر چمک رہی ہے، اسمیں اس مقدّس شراب کی جھلک ہے جو ساقیٔ یثرب

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قوم کو پلا کر سب کو ایک دوسرے کے بندے نہیں بلکہ صرف خدا کے بندے بنا دیا تھا۔ مسلمان جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا ہے سیاسی عروج کے زمانے میں اصولاً اور مذہباً، اور آج اس زوال کے زمانے میں جہالت، بدنیتی، یا اوروں کی دیکھا دیکھی سے اس بات کو گوارا نہیں کرتا کہ اس کی بندگی کسی معنوں میں ایسے شخص سے ہو جو شکل صورت میں صرف انسان ہے، وہ جب تک اس انسان میں خدا نہ دیکھ لے اسکا غلام نہیں بنتا۔ یہی وجہ ہے کہ بڑی سے بڑی خدمت لینے کے بعد بھی وہ اس کا بُت تراش کر اپنے پاس نہیں رکھتا، اسکی تصویر کو اپنے گھر لٹکانا بُت پرستی سمجھتا ہے بلکہ ایسی عزت سے اُسکی طبیعت کا لگاؤ ہی نہیں۔ اُسکے نزدیک جو شخص قوم کی خدمت کر رہا ہے وہ دراصل خدا سے اُجرت لے رہا ہے اور خدا کا نوکر ہے اور اگر کوئی شخص خدا کا نہیں، خدا اسمیں نہیں، یا بندوں سے اُجرت مانگتا ہے تو مسلمان کے نزدیک وہ کسی کا نہیں، خدا رب العالمین ہے، مسلمان چاہتا ہے کہ اس کا سردار اور رہنما بھی رب القوم ہو۔ وہ آپ ایک ہزار بُتوں کی پرستش آج کرتا ہو، اولاد کا غلام ہو، دولت کا بندہ ہو، گناہوں میں پھنسا ہو مگر اس بدبختی کے باوجود وہ چاہتا ہے کہ اس کو رستہ دکھلانے والا بالکل بے عیب ہو۔ اور قوموں کے اندر پہلوان، کھلاڑی، کارٹونسٹ، شاطر، مسخرے، ظریف، گانے اور ناچنے والی عورتیں، بازیگر تماشہ کرنیوالے، ناول نویس، سادھو، راہب، مصنف، ایڈیٹر الغرض ہر پیشہ کے لوگ اپنے گرد ہزاروں بلکہ لاکھوں انسانوں کا ہجوم پیدا کر سکتے ہیں، قرنوں اور صدیوں تک لوگ اُن کو اپنا ہیرو اور بطل بنائے رکھتے ہیں، اُن سے الہام لیتے ہیں، اُن کی تصویروں کو لٹکاتے ہیں، اُن کی سالگرہیں کرتے ہیں، اُن کے نام کی قسم ✣ کھاتے ہیں، لیکن مسلمانوں کے ہاں اُن کو صرف اُنکے کئے کی اُجرت ہے اور بس۔ ابھی ابھی سلطان خاں نے دُنیا کے بڑے بڑے

✣ انگلستان کے ایک ناول نویس ڈکنز کے نام کی قسم عام انگریزی بول چال میں رائج ہے ۱۲

کھلاڑیوں کو شطرنج میں مات دی ہے، امرتسر کے پہلوان غلام نے دُنیا کے سب سے بڑے پہلوان زبسکو کو دو منٹ میں پچھاڑا ہے، حیدرآباد دکن کا ایک طالبعلم تیراک نذیر احمد کم سے کم مدت میں پنتالیس میل چوڑے سمندر میں تیرا ہے لیکن عام لوگ تو درکنار، مسلمانوں کے "تہذیب یافتہ اور یورپ کے رنگ میں رنگے ہوئے طبقے کو بھی اُن کے کارناموں کی طرف توجہ نہیں۔ پیر اور سجادہ نشین مسلمانوں کے اندر اگر چند لمحوں کے لئے اپنے گرد رونق لگاتے رہے ہیں تو صرف خدا کے زور پر، اور اسلئے کہ خلقت کو خیال تھا کہ وہ خدا اور قوم کے ہیں۔ اس کے ماسوا مسلمانوں نے روزِ اوّل سے اپنے بڑے سے بڑے آدمیوں کو تقدس اور عزّت کا وہ درجہ ہرگز نہیں دیا جو اور آدم پرست قومیں اپنے معمولی رہنماؤں کو بلاتامّل دے دیتی ہیں۔

ہمدرد - میں جناب کا شکرگزار ہوں کہ آپ نے ایک نقطۂ نظر سے مسلمانوں کی ایک مشہور برائی کو خوبی دکھلا کر سمجھنے اور سوچنے کا موقع دیا لیکن ایسی ناموافق اور سخت سرزمین اور اس قدر مخالف آب و ہوا میں کوئی شخص، کوئی ہنر، کوئی محنت یا کوئی بات سرسبز ہو سکتی ہے اور کیا مسلمانوں کا یہ بخل ہر دنیادار بلکہ ہر ذہانت، علم اور فن کیلئے زہرِ قاتل سے بدتر نہیں۔ اس تلخ حقیقت کو (کیونکہ جناب کی تشریح کے بعد اسکو حقیقت ہی سمجھنا چاہیئے) نگل جانا اور مزید سمجھنا میرے چھوٹے سے حوصلے اور تھوڑے سے علم کی طاقت میں نہیں۔ جناب نے خود بھی اگر مجھے ٹھیک یاد ہے کہا تھا کہ مسلمانوں کا یہ طرزِ عمل کئی ایک جواہر ریزوں کی راہ کو روک دیتا ہے۔

مصنّف - آپ نے مجھے ٹھیک نہیں سمجھا۔ اگر کوئی شئے سرسبز نہ ہو سکتی تو ابتدائے اسلام سے ہی عروج اور ترقی کی اس قدر بلند منزلوں پر اس قدر جلد نہ چڑھتے اور اگر اتفاقاً چڑھ بھی گئے تھے تو سینکڑوں برس تک اپنی دنیاوی اور مادی ترقی کو برقرار

نہ رکھ سکتے۔ اُنہوں نے دُنیاوی کاروبار کے ہر محکمے میں وہ ترقیاں اور علوم وفنون میں وہ عجیب وغریب ایجادیں کیں کہ دُنیا کی کوئی قوم تنہا اُنکی برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ میرا مقصود اور ہے اور اسکی تشریح شاید اسطرح ہو سکے۔ آگرہ کا تاج محل، مسلمانوں کی بنائی ہوئی وہ عمارت ہے جس کو دیکھ کر دُنیا کی ہر قوم کا پرکھنے والا دنگ رہ جاتا ہے، منہ میں تنکا لیکر کھڑا، اور گھنٹوں تک بُت بنا رہتا ہے، امریکہ کی نازنین عورتوں نے وہاں کھڑے ہو کر مرنے کی آرزو کی ہے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے، تاج محل کی عین پیشانی پر اس بے مثال معمار کا نام بھی کہیں ضرور لکھا ہے جس کی تجویز اور نگرانی میں وہ تعمیر ہوا تھا، یا فرض کرو کہ لکھا نہیں۔ تو کیا فنِ تعمیر کے متعلق کوئی کاریگری، کوئی ہُنر، کوئی قابلیت ایسی تھی جو اُس وقت کے مسلمانوں نے نہ سیکھی ہو اور اس میں اصلی کمال نہ حاصل کیا ہو؟ اگر یہی مرمر کا فردوس گر معمار انگریزوں میں یا کسی اور قوم میں ہوتا تو نیوٹن سے بہتر حساب دان، ملٹن سے بہتر شاعرِ نظر، ریمبرنٹ سے بہتر مصوّرِ حُسن، بائرن سے بہتر عشق شناس، ڈارون سے بہتر جیالوسٹ، رُین سے بہتر انجنیئر، اور نہ جانے اور کیا کیا ہوتا لیکن مسلمانوں نے اُسوقت بھی اس شخص کو اپنے بڑے سے بڑے آدمیوں میں شمار نہ کیا اور نہ آج جبکہ اُسکے فنِ لطیف کی فضیلت ہر شخص پر ثابت ہو چکی ہے مسلمان اس کا نام تک جانتے ہیں بلکہ میں خود شرمندہ ہوں کہ آگرہ کو دو دفعہ دیکھا مجھے بھی نام یاد نہیں! انگریز چونکہ اکثر معاملوں میں بدنیت ہیں اور اپنی اور اسلامی تاریخ لکھنے میں بالخصوص، انہوں نے چاہا کہ اس فضیلت کو جو پورے یورپ کو غالباً خواب میں بھی حاصل نہ ہو سکے اٹلی کیطرف منسوب کر دیں کیونکہ اٹلی کے چند بُت تراشوں اور سنگسازوں کا اُسوقت اپنے گھروں سے نکلنا ثابت تھا اور اپنی بات بنائے نہ بنتی تھی، بہر نوع اس نا قدر شناسی کی سزا ضرور ملنی چاہیئے تھی۔ شیطانی قوم کے اس شیطانی جھوٹ کو اب اسقدر فروغ ضرور ہے کہ "علمی حلقوں" میں روضۂ ممتاز محل کی

تعمیر کا اٹلی کے معماروں کی طرف منسوب ہونا "تاریخی نظریہ" ہے اور عجب نہیں کہ کل کو کلکتہ کے "بلیک ہول" کی کہانی کی طرح جو اب سرتاپا جھوٹ اور انگریزوں کی ایجاد ثابت ہو چکی ہے یہ نظریہ بھی "تاریخی حقیقت" بن کر بچوں کے یاد کرنے کے لئے داخل درس ہو جائے۔ ابھی چند روز ہوئے ہیں جہانگیرؒ کے مقبرے میں تھا۔ مجاور نے جو ایک دردمند شخص ہے پوچھا "کیوں صاحب یہ کیا بات ہے بہت سے انگریز جو زیارت کے لئے آتے ہیں مجھے کہتے ہیں "ول یہ اٹلی والے لوگ نے بنایا ہے۔ ہندوستانی والا لوگ ایسا بنانا نہیں سکتا۔" میں قبر پر بیٹھا اس ایک ڈیڑھ فٹ حاشیہ کی مرمت کو جو انگریزوں نے کی تھی نفرت کی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اُس مختصر حاشئے میں دو باریک دھاریاں سیاہ پتھر کی اور اُنکے بیچوں بیچ زرد پتھر کی پتلی دھاری چلی آتی تھی، انگریز انجنیئر میں اس جانکاہ نفاست کی برداشت کہاں تھی، سلیٹی پتھر کو تینوں دھاریوں کے برابر موٹا کاٹ کر چونے سے ٹھونس دیا، میں نے مجاور سے کہا بھائی! تم بھی غلاف اٹھا کر ان ماں کے بیٹوں کو کہہ دیا کرو "جو یہ ڈیڑھ فٹ حاشیہ ضرور اٹلی والوں کا ہے، دیکھئے کیا کاریگری ہے، ہمارا کالا لوگ ایسا بنانا نہیں سکتا!"

چوتھا باب

مسلمانوں میں کیسا رہنما قبول ہو سکتا ہے

ہمدرد - جناب آپ نے مرہم کی بجائے دلوں پر کاری اور آخری چوٹ لگائی ہے۔ معاف رکھیں مجھ میں ایسی بدبخت اور نا اہل قوم کے عیبوں کو خوبی کے رنگ میں سننے کی سکت نہیں رہی۔ میرا سینہ زخمی ہو گیا ہے۔ یہ سب گناہ جو اس قوم نے کئے ہرگز معافی کے قابل نہیں اور یقیناً آج انہی جرموں کے بدلے مسلمانوں کو دردناک سزا مل رہی ہے اگر مسلمانوں میں روزِ اوّل سے یہ بدعادت نہ ہوتی تو نہ جانے آج کیا کیا افلاطون، ارسطو اور نیوٹن ہم میں پیدا ہوتے۔ آپ نے "تذکرہ" میں جہاں جہاں مسلمانوں کو غیر فانی الفاظ میں سختی سے انکے گناہوں پر ملامت کی ہے اور جو واحد علاج ان عیوب کا پیش کیا ہے ہم اسکو بے چون و چرا تسلیم کرتے بلکہ آپ کا قوم پر احسان مانتے ہیں لیکن آج کی تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بالکل بدل گئے ہیں۔ "تذکرہ" کی روشن حقیقتوں کو جس نے قوم کی آنکھیں کھول دی ہیں آپ نے پسِ پشت ڈال دیا۔ آپ کے دلائل ناقابلِ رَدّ ہیں۔ میں "تذکرہ" کو پہلی بار پڑھ کر بھی متحیّر سا ہو گیا تھا کہ الٰہی! کیا معاملہ ہے لیکن جب غور سے دیکھا تو ماننے کے بغیر چارہ نہ تھا لیکن آپ کی دلیلوں کے لاجواب ہونے کے باوجود میں اس بات کو مزید تشریح کے بغیر ماننے کے لئے تیار نہیں کہ مسلمانوں کا یہ قومی اخلاق قدیمی ہی سہی، قابلِ ملامت نہیں۔ آدم پرستی ان معنوں میں جس پر بحث ہو رہی ہے کیا بُری شے ہے، دراصل برخدا پرستی ہے اور مسلمانوں کا اپنا مقولہ ہے کہ جس نے بندوں کی قدر نہیں کی اس نے درحقیقت خدا کی قدر نہیں کی: (مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللهَ)۔ جناب نے

اس اعتراض کا بھی کہ مسلمانوں کا یہ طرزِ عمل کئی ایک جواہر ریزوں کی راہ روک دیتا ہے کوئی جواب نہیں دیا۔

مصنف - میں "تذکرہ" کی ایک سطر اور ایک حرف کو بھی دس سال کے مزید تجربے اور مطالعے اور مغربی اور اسلامی ملکوں میں ایک اور سفر کے باوجود بدلنا نہیں چاہتا۔ میں بھی ذرا بھر بدلا نہیں ہوں اور نہ ایک انچ اس جگہ سے ہٹنا چاہتا ہوں جو دس برس پہلے اختیار کی تھی۔ نہیں بلکہ اکثر اوقات میں دل میں خدائے بیمثال کا کمال شکریہ ادا کرتا ہوں کہ کم علمی کے باوجود مجھے ایسی سچائی کو ظاہر کرنے کی توفیق عطا کی جو آج درست ہے اور انشاءاللہ العزیز کل بھی اسی قدر درست رہے گی۔ "تذکرہ" ایک مستقل حقیقت ہے، اور میری سمجھ میں جس کڑی کو آپ نے چھیڑا ہے اسی زنجیر کی ایک کڑی ہے۔ آپ نے اعتراف کیا ہے کہ میری کتاب کو پہلی بار پڑھ کر آپ حیران سے ہو گئے تھے لیکن زیادہ سوچ بچار کے بعد آپ کو ماننا پڑا۔ اب بھی آپ مان جائیں گے لیکن کچھ تکلیف کے بعد۔ میں عام طور پر بحث نہیں کرتا لیکن دل کا درد ظاہر کر کے آپ نے مجھے اپنا دوست بنا لیا ہے اور آپ کا غصّہ اس سے بھلا معلوم ہوتا ہے کہ ان باتوں کو خوشامد یا لحاظ سے مان لیتے۔ مزید تشریح میں اگر مسلمانوں کے اس عجیب و غریب اخلاق کی اور مثالیں پیش کروں تو آپ اور چڑ جائیں گے اور جو رنج آپ کے دل پر ہوگا اُس بات کو نہیں دیکھ سکے گا جو میں آپکو دکھلانا چاہتا ہوں، اسلئے اسی "تاج محل" کی مثال کو پھر لیتا ہوں۔ ایک فلسفی نے بجا طور پر کہا ہے کہ اگر کسی قوم کے اخلاق کی ہو بہو اور زندہ تصویر دیکھنا چاہو تو اُسکے فنِ تعمیر میں مطالعہ کرو۔ اگر یہ محاکمہ درست ہے جیسا کہ میرے نزدیک قطعاً ہے تو شاہ جہاںؒ کے عہد تک قومی حیثیت سے مسلمانوں کے اندر کیا کیا خوبیاں نہ ہونگی۔ اُنکی حکومت میں کسقدر صحت اور علم، کسقدر دولت اور امن، کسقدر سلامت روی اور محنت، کسقدر مضبوطی اور باقاعدگی، کسقدر حُسن اور بلند خیالی، کسقدر

نوازن اور عدل، کسقدر بلند ہمتی اور فراخی، کسقدر عظمت اور جلال، الغرض کسقدر کمال پیدا نہ ہوا ہوگا۔ نہیں اُس قوم میں کسقدر عزّتِ نفس اور خودداری ہوگی جسنے تاج محل کو بیمثال بنانے کا خیال ایجاد کیا۔ حکومت کے ایک بڑے خوشامدی نے مسلمان ہو کر ابھی ابھی ایک بڑے مجمع میں مسلمانوں کو کہا کہ ہم نے عزّتِ نفس انگریزوں سے سیکھی، اس سے پہلے ہم نہایت ذلیل تھے۔ میں نے دل میں کہا کہ اس ذلیل کو اپنی تاریخ کا علم نہیں ورنہ خوشامد میں ایسی کم ذات بات کبھی نہ کہتا۔ مدرسوں میں پڑھائی ہوئی تاریخوں کو آگ لگا دیجئے، انگریزوں نے نئی دہلی میں انہی عمارتوں کی نقل کرنی چاہی ہے اور آج دیکھئے انگریزوں میں کیا کچھ ہے! تاج محل کے نام کو سُنکر آپ پر رقّت طاری ہو گئی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس دُنیا کے جنّت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے جو مسلمانوں کے ہاں اسکے معمار کی صحیح قدر نہ ہونے پر آپ کو غصّہ ہے۔ اگر یہی معاملہ ہے تو ہندوؤں نے بھی اشوک کی لاٹھ کے ڈھالنے والے لوہار کی، جس پر دو ہزار برس سے زنگار کیا، لکیر تک نہیں پڑی، کچھ قدر نہ کی، اتنی بڑی لاٹھ کو سیدھا گاڑنے والے کی کچھ قدر نہ کی جسپر دنیا دنگ ہے، اُن حیرت انگیز عمارتوں اور مندروں کے بنانے والوں کی قدر نہ کی جو غاروں اور پہاڑوں کے اندر سے کھود دیے گئے تھے اور جنپر آج تک عقل حیران ہے حالانکہ ہندو مشہور آدم پرست قوم ہیں اور تاروں، رشیوں اور دیوتاؤں کی اُنکے ہاں انتہا نہیں۔ اب آپ کا غصّہ شاید پنڈت صاحب پر ہوگا لیکن نہیں آپ اصل مقصود کو گڈمڈ نہ کریں۔ میرے نزدیک اگر اشوک اپنی لاٹھ اور مسلمان تاج محل، کو بنا کر آئندہ نسلوں کے لئے اپنی سطوت، قوت، علم اور اخلاق کی تصویر پیش نہ کر جاتے تو وہ ضرور قابلِ ملامت تھے۔ انہوں نے یہ کر دکھایا بلکہ انگریزوں کو مجبور کر دیا کہ وہ بھی اپنی بساط کے موافق کریں، لیکن ان کا معماروں کو بُت نہ بنانا قابلِ ملامت نہیں۔ بر مسلمانوں اور ہندوؤں کے بلند حوصلہ ہونے کی دلیل ہے کہ لاٹھ اور محل دونوں قوم اور قوم کے

بادشاہوں کی طرف منسوب ہیں، انگریزوں کی طرح معمار کی طرف نہیں۔ اصل مقصود جس سے مجھے آپ اپنے جوش میں بہت پرے لے گئے ہیں یہ ہے کہ مسلمانوں میں صرف سچے، بے نفس اور باخدا شخص کا گذارہ ہے، منافق، ریاکار، خودغرض اور نفس پسند آدمی کا کچھ گذارہ نہیں۔ جو شخص قوم کو آلۂ کار بنا کر اپنی غرض حاصل کرنا چاہتا ہے، یا اسکو کوئی ذاتی نفع پیشِ نظر ہے مسلمان اسکو کبھی قبول نہیں کر سکتے اور بے غرض انسان چونکہ کم ملتے ہیں اسلئے مسلمانوں کی اپنے بُرے یا بھلے رہنماؤں سے عام بے رُخی بھی اسی اصلی اور بے لاگ توحید کا ایک منظر ہے جو کبھی اُن میں سچ مچ تھی اور آج بالکل نہیں پائی جاتی۔ تاہم اس شخص کو جو اُن کی رہنمائی کا دعویٰ کر رہا ہے تنقید کی نظر سے دیکھنا اُس پر بجا نکتہ چینی کرنے کا حق رکھنا، یا سختی سے امتحان لے کر اسکو ماننا وہ قومی اخلاق ہے جو مسلمانوں میں قدیمی ہے اور بیشک عمدہ خاصیّت ہے اور یہ اسلئے ہے کہ مسلمان خدا کے سوا کسی گوشت پوست کو اسوقت تک نہیں مانتے جب تک اسمیں خدا نہ دیکھ لیں، وہ مذہباً بلکہ از روئے عادت آدم پرست نہیں اور مغربی قوموں کی طرح ہر بھانڈ اور مسخرے کو بڑا آدمی نہیں بنا دیتے۔ دنیادار یا غرضمند شخص مسلمانوں سے صرف اسی قدر لے سکتا ہے جو دنیاوی اُجرت کو پیشِ نظر رکھ کر اس کا حق ہے، اور وہ بھی اور قوموں کے بالمقابل بہت کم ہے، مسلمانوں کی یہ سختی اُن چھوٹے موٹے اور بے حقیقت رہنماؤں کے لئے بھی یکسر موت کا پیغام ہے جو ہر قوم میں اپنی اغراض حاصل کرنے کے لئے گندم نما جو فروشی کرتے رہتے ہیں اور بڑا بننے کی خاطر قوم کو کھلونا بناتے ہیں۔ ایسے اشخاص لاکھ جتن کریں مسلمانوں میں ہرگز سرسبز نہیں ہو سکتے۔ یہ درست ہے کہ ایسا سلوک کئی ایک جواہر پاروں اور عمدہ قابلیت کے لوگوں کی راہ روک دیتا ہے جیسا کہ میں نے خود کہا تھا لیکن ان تمام سختیوں کے باوجود مسلمانوں میں ہر قطع کے آدمی پیدا ہوتے رہے اور کثرت سے اس وجہ سے ہوئے کہ دنیا طلب کر کے

اسمیں کمال حاصل کرنا بھی مسلمانوں کے نزدیک مذہب اسلام کا ایک جزو رہا ہے۔ میرا مسلمانوں کو یہ سبق دینا کہ تم شخص پرست نہیں ہو، تم میں اور قوموں کی طرح اپنے بہادروں کی پوجا نہیں، تمہیں چھوٹوں کو بڑا بنانے کا ڈھنگ نہیں آتا، تم میں اوروں کو دیکھ کر غیرت نہیں آتی، تم میں یہ نہیں رہا، تم میں وہ نہیں رہا، دراصل اس توحید کی رُوح کو کچلنا ہے جو مسلمانوں میں دینی حمیت یا کم از کم اسلام کے لگاؤ سے ہے۔ اگرچہ آج جو کچھ وہ کر رہے ہیں دینی غیرت سے اکثر نہیں بلکہ حسد، بغض اور بدنیتی سے ہے۔ مسلمان کا لگاؤ براہِ راست خدا سے ہے اور اسلام میں شخصی وسیلہ قطعاً نہیں۔ یہ وجہ ہے کہ اس قوم نے جب جب ترقی کی اپنے سعی و عمل پر کی، دست و بازو کے زور پر کی، خدا سے براہِ راست لگاؤ پیدا کر کے کی، شخصی فضیلت اور توسّل کے زور پر جو فرقے اسلام میں پیدا ہوتے رہے اکثر بیکار رہے، بے ہمّت اور بے طاقت رہے، انکی طرف اُمّت نے کوئی توجہ نہ کی، وہ گوشوں میں الگ ہو کر بیٹھ گئے اور اسلام کو ایک قدم آگے نہ بڑھا سکے۔ اسلام کا اُبھار اسی میں ہے کہ اسمیں ہر شخص کے لئے کھلا میدان ہے، اُس کا کھلا اور آزادانہ امتحان ہے، اُسپر کھلی اور بے پروا نظر ہے، اسکو عمل کے ہر مرحلے پر صرف بندگی کا درجہ اور صرف بندہ بن جانے کی بزرگی ہے، خدا بن جانے یا خدا کا اوتار بن جانے کی بزرگی کہیں بھی نہیں۔ نہیں بلکہ اسلام کا نبی بھی خاتم النبیینؐ ہے، ختم المرسلینؐ ہے، رحمتہ اللعالمینؐ، اسلئے مسلمان کے لئے اب کسی نبی یا رسول یا ولی یا رحمت بن جانے کی گنجائش بھی باقی نہیں رہی۔ سب کے سب نرے بندے اور نرے عامل بن سکتے ہیں، مساوی طور پر کارکن اور خادم اسلام بن سکتے ہیں، کام کی اُجرت بھی خدا ہی سے مانگ سکتے ہیں، اُجرت اور عظمت کا ذکر اسلام میں اکثر نہیں، اُمّت کے پاس صرف جزاک اللہ کے الفاظ ہیں۔ جس قدر بستگی اور بندگی خدا سے ہوئی یا جس قدر طاقت ور عمل کیا اُسی قدر اجر خدا سے لے لیا۔ اسی قطع

کی باتیں ایک دوسری جگہ ہو رہی تھیں اور مجھ سے شدید اختلاف تھا، سب قوم کو کوس رہے تھے۔ ایک مایوس رہنما صاحب بھی موجود تھے انہوں نے جوش میں کہا صاحب! اس قوم پر خدا کی مار، ہم نے اتنے برس تک وہ ایثار کیا جس کی مثال نہیں، ہم نے یہ قربانی کی، اس مصیبت میں پڑے، لیکن نہ قوم نے قدر کی نہ کچھ ہم سے بن سکا، یہ بتلایئے مجھ میں کیا قصور تھا کہ نہ بن سکا۔ میں نے کہا حضرت! اتنی مصیبتوں میں پڑنے کی ضرورت نہ تھی، آپ اجرت نہ ملنے پر کوستے ہیں، اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی مصیبتیں قوم کے لئے نہ تھیں اپنے نفس کے لئے تھیں کیونکہ قدر نہ ہونے کی شکایت کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ نفس کچھ معاوضہ مانگتا تھا۔ مجھے آپ مالکِ زمین و آسمان کو حاضر ناظر اور سامنے کھڑا ہوا سمجھ کر اسقدر بتا دیجئے کہ کیا اس تمام بھاگ دوڑ میں جو آپ نے کی آپ کا دل کچھ عوض مانگتا تھا۔ میرے دوست تھوڑی دیر کے لئے میری صاف گوئی پر کھسیانے ہوئے لیکن چونکہ حق پسند تھے اور میری آواز میں سچائی تھی، یک دم اُٹھے اور جوش سے بھرے ہوئے مجمع میں گلے لپٹ گئے! میں نے کہا صاحب! ایک فلسفی نے کہا ہے کہ جھوٹا آدمی اینٹوں کا گھر بھی نہیں بنا سکتا، پھر ظاہر ہے کہ میں یا آپ اس صورت میں کیا بنا سکتے؟

پانچواں باب

رہنما پیدا کرنے کی ذمہ داری قوم پر ہے

ہمدرد ۔جناب آپ کے نہایت شکر گذار ہیں کہ آپ نے قوم کے فلسفۂ حسیات کو اس قدر کھول کر بیان کیا۔ میں حقیقت میں ایک غلط راستے پر تھا۔ جناب سے پچھلی گستاخیوں کی بلا شرط معافی مانگتا ہوں۔ جناب نے فلسفی کا حوالہ دیا تو مجھے قرآن کریم میں کُونُوا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ فوراً یاد آ گیا اور اسکے معنی اب بالکل صاف ہو گئے کہ سچوں کا ساتھ دیا کرو۔ اگر مسلمان آج اپنے رہنماؤں کا ساتھ نہیں دیتے تو اسلئے کہ بہت سے ان معنوں میں سچے نہیں جو آپ نے بیان کئے ہیں۔ بہر نوع اس خاص شق میں جو جناب نے بیان فرمائی قوم کا قصور نہیں بلکہ رہنماؤں میں کسر ہے۔ رہنما سچے اور بے لاگ ہوں تو قوم ان کی کیوں قدر نہ کرے، اُنکو کیوں پروان نہ چڑھائے۔ ایک بات دیر سے دل میں کھٹک رہی تھی، ڈر ہے کہ بھول نہ جاؤں اور پھر خلجان رہے، اسلئے عرض کئے دیتا ہوں۔ جناب نے اگر مجھے ٹھیک یاد ہے دو دفعہ اس اعرابی کو بدبخت کہا جس نے حضرت عمرؓ کو چادروں کی تقسیم پر ٹوکا تھا۔ یہ کس لئے تھا؟

مصنّف ۔ٹھہریئے! اب آپ ایک سرے کو چھوڑ کر دوسرے سرے کی طرف جا رہے ہیں۔ آپنے دو فیصلے کئے ہیں، اوّل یہ کہ قوم کا قصور نہیں بلکہ رہنماؤں میں کسر ہے، دوسرا یہ کہ رہنما سچے اور بے لاگ ہوں تو قوم اُن کی کیوں قدر نہ کرے، اُن کو کیوں پروان نہ چڑھائے۔ مجھے ان دونوں فیصلوں میں کلام ہے بلکہ اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو یہ دونوں ٹھیک نہیں اور جو نتیجہ اُن سے نکل سکتا ہے معاف کریں گمراہ کُن اور نقصان دہ

ہے۔ اگر آپ اُن تمام دلائل سے جو میں نے پیش کی ہیں یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ قصور رہنماؤں کا ہے تو لازماً یہ سمجھا جائے گا کہ قوم درست ہے، اس میں اصلاح کی گنجائش نہیں، بلکہ اب قوم کے لئے ماسوا اسکے کوئی کام یا فرض نہیں رہا کہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر صحیح رہنماؤں کا انتظار کرتی رہے۔ اس پوست کندہ حالت میں یہ فیصلہ آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ کسقدر غلط ہے کیونکہ اگر قوم درست ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ رہنما، جو اُسی قوم کے افراد اور اُس کا جزو ہوتے ہیں اسمیں سے درست نہ نکلتے۔ آپ کہیں گے کہ میں ہر پھر کر آخر اُسی نتیجے پر پہنچ گیا ہوں جو اپنے مضبوطی سے شروع میں اختیار کیا تھا، اور اگر صبح کا بھولا شام کو گھر آجائے تو اسکو بھولا نہیں کہتے۔ لیکن جناب! میں بھولا گھر واپس نہیں آیا بلکہ منزلِ مقصود کو ہاتھ لگا کر اور اُسمیں اپنا سامان رکھ کر پھر اس ارادے سے گھر واپس آیا ہوں کہ اور سامان لیجا کر اُس منزلِ مقصود پر مستقل قبضہ کروں۔ "رہنماؤں میں کسر اسلئے ہے کہ قوم درست نہیں" اور "قوم اسلئے درست نہیں ہوتی کہ رہنما خراب ہیں"۔ یہ دونوں محاکمے اگرچہ ظاہر میں ملکر ایک معمّا معلوم ہوتے ہیں مگر حرف بحرف درست ہیں۔ یہ سب اسلئے کہ قوم کا رہنما کہیں آسمان سے نہیں اُترتا بلکہ انہی میں سے ایک ہوتا ہے، البتہ وہ اس دعوے کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے کہ مجھ میں ان تمام لوگوں کو سفر کی تکلیفوں سے گزار کر منزلِ مقصود تک پہنچانے کی لیاقت موجود ہے۔ ایسے شخص کے لئے لازم ہے کہ اپنے اندر سفر کی تکلیفوں کو بدرجۂ اولیٰ برداشت کرنے کی قوت ثابت کر دے، بعینہٖ وہ تحمّل اور استقلال اسمیں ہو جو اوروں میں ہر لحظہ دیکھنا چاہتا ہے، وہ قربانی اور فرمانبرداری کئی گنا ہو جس کا قوم کے ایک ایک فرد سے اُمیدوار ہے، وہ حرکت اور نظم و نسق اپنے میں پیدا کرے جسکو دوسروں میں پیدا کرنے کی آرزو رکھتا ہے، وہ نری سچائی، تندہی اور دُھن لگی ہو کہ پہاڑ پانی ہو کر بہہ جائیں۔ آرام کرسیوں پر بیٹھ بیٹھ کر اُمت کو ہلاکت کے پلصراط پر سے گزارنے اور منزل پر پہنچانے کی توقع عبث

ہے۔ جو رہنما رستے کی تکلیفوں سے خود آشنا نہیں اُسکے لئے دوسروں کو منزل تک پہنچانا عملاً ممکن نہیں۔ پس ظاہر ہے کہ جب تک قوم میں بذاتِ خود یہ تمام چیزیں نہ صرف موجود بلکہ بہتوں میں موجود نہ ہوں ایک لاکھ برس کا ہاتھ پر ہاتھ دھر کر انتظار بھی صحیح رہنما کو پیدا نہیں کر سکتا۔ قوم خود اپنے رہنما کو اپنے اندر سے بناتی ہے۔ صدہا بلکہ ہزارہا بہتر ہستیوں میں سے ایک بہترین ہستی کا انتخاب کرتی ہے اور وہی رہنما پھر قوم کو بنا دیتا ہے۔ دُنیا کی تمام گذشتہ تاریخ میں یہ بات اسقدر روشن اور واضح ہے کہ داناؤں نے قوم میں صلاحیّت کا موجود ہونا اور رہنما کا پیدا ہونا ایک ہی شئے قرار دیا ہے، حتیٰ کہ اب بھی ایک فیصلہ شدہ بات ہے کہ مسلمانوں میں اگر مہدیؑ کا آنا ضرور ہے تو مہدیؑ بھی یقیناً اُسی وقت پیدا ہوگا جبکہ قوم کے اندر ایسے عظیم الشان رہنما کو پیدا کرنے کی کامل صلاحیّت موجود ہوگی۔ عام تخیّل کہ مہدیؑ کا اُسوقت ظہور ہوگا جبکہ اسلامی اُمّت ہلاکت کے کنارے آن لگی ہوگی، اس میں تمام صلاحیتیں مٹ جائیں گی اور "قیامت" قریب ہوگی قوم کے بے سمجھ لوگوں کی بنائی ہوئی بات ہے۔ مہدیؑ کو دعوت دینے کے لئے قوم کا مُنہ بھی مہدیؑ جیسا ہونا چاہیئے اور اگر اُس رہنمائے اعظم کا ظہور قیامت سے دو چار دن پہلے ہی ہونا ہے تو خدا کرے ایسا مہدیؑ اور ایسا عروج ہم میں قیامت تک نہ آئے۔

ہمدرد ۔ اللہ اکبر! جناب نے ایک نہایت باریک نکتے کو واضح کرکے میرے تمام بدن میں تعجّب اور بے چینی کی لہر دوڑا دی ہے۔ ہمارا نقطۂ خیال اور تھا، ہم سمجھتے تھے کہ رہنما پہلے پیدا ہوتے ہیں اور قوم بعد میں بنتی ہے بلکہ رہنما ہی قوموں کو بنایا کرتے ہیں۔ آپ نے بتایا کہ پہلے قوم خود رہنما کو بناتی ہے اور پھر رہنما اُس قوم کو بناتا ہے۔ یہ نکتہ اب بالکل واضح ہے، لیکن اگر کوئی شخص اعتراض کرے کہ عرب قوم میں کونسی صلاحیّت باقی تھی جو

پیغمبرِ اسلام کا ظہور ہوا۔

مصنّف! اسکے متعلق پہلے بھی اشارہ کر چکا ہوں٭ اور خیال تھا کہ آپ مجھے اُسی جگہ آگے نہ بڑھنے دیں گے لیکن آپ نے توجہ نہ کی۔ عرب قوم میں پوری صلاحیت موجود تھی اسلئے عرب میں پیغمبرؐ کا ظہور ہوا۔ اس قوم کے اُسوقت کے اوصاف اگر تفصیل سے بیان کروں تو بحث کا ایک نیا اور وسیع میدان کھُل جائیگا اور اصلی بات رہ جائے گی۔ مختصر یہ کہ بعض اسلامی مورخوں نے شاعری کے رنگ میں جو سیاہ تصویر اس زمانے کی کھینچی ہے وہ اگر عقیدت مندانہ اور مذہب سے محبت کے باعث نہ بھی ہو تو یک طرفہ ضرور ہے۔ بلند پایہ کے مؤرخ مثلاً طبری، ابن جریر، ابنِ خلدون وغیرہم نے بلکہ بعض متکلمین نے بھی جہاں اس امر کا اظہار کیا ہے کہ عرب طرح طرح کی سیاہ کاریوں میں مبتلا تھے، اُنکی قوم میں بعض بداخلاقیاں بدرجۂ نہایت پہنچ چکی تھیں، انکی معاشرت میں بعض خطرناک بیماریاں گھر کر گئی تھیں وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ اُن میں انتہائی ترقی کے اوصاف بدرجۂ کمال موجود تھے۔ خود قبائل کی داخلی حکومت کی روایتوں نے شخصی زندگی کو اسقدر مقید بلکہ منظم کر دیا تھا کہ رسم و رواج کی پابندی اور سردار کی اطاعت بدوؔ عرب کا نمایاں وصف تھا۔ اُنکی آزادی کی رُوح، اُنکی بے دھڑک بہادری، اُنکا اپنوں پر فخر، اُنکی عورتوں کی حمایت، اُن کا قومی غرور، اُن کی تکلیف برداشت کرنے کی انتھک قابلیّت، اُنکی صحرائی زندگی، اُن کی سادہ معاشرت، اُنکی زود اثر طبیعت، اُن کا فقر و افلاس، بلکہ اُن کی آپس میں اَنمٹ لڑائیاں اور فساد بھی اس بات کے شاہد تھے کہ قوم میں وہ اوصاف قطعاً موجود ہیں جو صحیح استعمال سے اُس کا درجہ بلند کرنے میں مدد دے سکتے ہیں۔ مکہ اُنکی مذہبی روایات اور معتقدات کا مرکز پہلے سے تھا، قوم کے اکثر سرداروں نے اپنی برائیوں

٭ دیکھو صفحہ ۱۱

کو صحیح طور پر محسوس کرنا شروع کر دیا تھا، بڑے بڑے سر برآوردہ لوگوں کا پتھر کے بتوں کو شک کی نظروں سے دیکھنا اس امر کا ثبوت تھا کہ عام اصلاح کی ہوا پیدا ہو گئی تھی، خدا کا تخیل پیغمبرِ اسلام سے پہلے قطعاً موجود تھا، ابو بکرؓ جیسے باعمل اور بارسوخ شخص بتوں کو چھوڑ کر خدا کی طرف کھُلّم کھُلاّ آ چکے تھے، ایک آسمانی رہنما کے آنے کی ضرورت ہر طرف محسوس ہو رہی تھی، پیروں، راہبوں اور علمائے دین کا اثر، لوگوں کی اُن سے عقیدت اور محبت کا جادو روز بروز ٹوٹتا جاتا تھا۔ الغرض یہ وہ حالت تھی کہ اندھیرے کی سیاہی کے اندر روشنی کی کرنیں بے گمان طور پر نکل رہی تھیں اور انہی کرنوں کی اس سیاہ بادل میں موجودگی ایک ایسے آفتابؔ کا پتہ دے رہی تھی جو بعد میں عالمتاب بنکر چمکا! مسلمانوں کے اندر یہ غلط تخیل کہ عرب قوم میں ایک وصف، ایک خاصیّت، ایک اہلیّت باقی نہیں رہی تھی، اور قرآن اور ہادیٔ اسلام کا مجرّد آن میں آنا تھا کہ سب کی کایا پلٹ گئی، مُردے قبروں سے نکل کر زندہ ہو گئے، کسریٰ کے آتشکدوں کے منارے گر گئے وغیرہ وغیرہ در اصل اُس فطرت اور قانونِ خدا کو غلط سمجھنا ہے جس کی رُو سے ہر واقعہ اور حادثہ ہر حالت میں اپنے اسباب کے ساتھ منطقی طور پر وابستہ ہے۔ عرب کا قرآنی ہدایت کو قبول کر کے تمدّن کے آسمان پر چند برسوں میں چڑھ جانا بذاتِ خود اس امر کا قطعی ثبوت ہے کہ اُس قوم کے اندر ہدایت کے آبِ حیات کو جذب کرنے کی اہلیّت باقی تھی، نہیں وہ اہلیّت اس قدر کامل اور بے مثال تھی کہ اُس نے نہ صرف ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، خالدؓ، مُسلمؓ اور طارقؒ جیسے بیمثال شخصوں کو چند دنوں کے اندر پیدا کیا بلکہ ایک ایسے اولوالعزم اور بیمثال نبیؐ کے ظاہر ہونے کا باعث ہوئی جس نے اپنے زورِ عمل سے دوسری نااہل قوموں کی آئندہ تاریخ کی ہیئت بدل دی۔ اس میں شک نہیں کہ پیغمبرِ خدا کا ارادہ اصلاح کے سوا کچھ نہ تھا اور عرب کفر و نفاق کے پُتلے اس قدر تھے کہ قرآن

نے اُنکو حدودِ خدا جاننے کا نا اہل قرار دیا تھا؎ لیکن قرآن حکیم کی دھمکیاں کہ تم کافر ہو، تمہارے لئے جہنم ہے، تمہاری جڑ کاٹ کر رکھدی جائیگی، تم آگ میں اوندھے مُنہ اُلٹا دیئے جاؤگے، تم پر دُوسری قوم لاکر بٹھا دی جائیگی، وغیرہ وغیرہ، صرف اس لئے تھیں کہ اُن کی سوئی ہوئی اہلیتوں اور بے کار وصفوں کو بیدار کیا جائے۔ صحیح رہنما کے اپنی قوم میں نشوو نما کی مثال بعینہٖ درخت اور زمین کی ہے۔ نا اہل قوم میں رہنما کا پیدا ہو کر سر سبز ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسا کہ شور زمین میں درخت کا اُگنا محال ہے۔ علم نباتات کے ماہر کے نزدیک درخت اپنی خوراک کا معقول حصّہ زمین کے علاوہ آفتاب اور ہوا سے لیتا ہے۔ رہنما کو بھی آسمان سے وحی اور ماحول سے مدد ملتی ہے لیکن اگر قوم میں رہنما کو قبول کرنے کی اہلیت موجود نہ ہو تو شور زمین کے ہوتے ہوئے صرف آفتاب کی کرنیں اور ہوا کے مفردات اُس درخت کو سرسبز نہیں کر سکتے۔ یہی نہیں بلکہ آفتاب اور ہوا کا کام فی الحقیقت درخت کے سربلند ہونے کے وقت شروع ہوتا ہے۔ بیج کی سوئی ہوئی کو کھڑا کر کے پودے کو بڑا کرنا صرف نرم اور مناسب زمین کا کام ہے۔ دُور کیوں جائیں، خود اِسی ملک کے اندر ہندوؤں میں جب تک اہلیتیں روزِ روشن کی طرح واضح نہیں ہوئیں اُنکے ہاں رہنما؎ پیدا نہیں ہوا، اور آج جبکہ ظاہر ہو چکا ہے اس کا اثر اور تقدّس ہندو قوم کی اہلیّت سے ظاہر ہے۔

؎ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ کُفْرًا وَّ نِفَاقًا وَّ اَجْدَرُ اَلَّا یَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ (ترجمہ) یہ جنگلی لوگ ازروئے کفر و نفاق بڑے سخت ہیں اور اس قابل نہیں کہ کتاب خدا کے احکام کی حدود کو جانیں ۱۲

؎ اس رہنما کا نام موہن داس کرم چند گاندھی ہے۔ ۱۳

چھٹا باب

صحیح رہنما کو پیدا کرنے کا واحد طریقہ اصلاح نفس ہے

ہمدرد۔ جناب کی بے انتہا نوازش ہے کہ مشکلات کو اس قدر کھلے طور پر حل کر دیا۔ اب اس تمام روئداد کو پیشِ نظر رکھکر جو آپ نے بیان فرمائی ظاہر ہے کہ جہاں غلط رہنماؤں کا ساتھ نہ دینے میں قوم قصوروار نہیں وہاں صحیح رہنما پیدا کرنے کی ذمہ داری مسلمانوں پر عائد ہے موجودہ مسلمانوں کی اہلیت اور صلاحیت کے متعلق جناب والا نے اب تک ماسوا اسکے کچھ نہیں کہا کہ مسلمانوں میں سچائی قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہے اور یہ کہ رہنماؤں کے انتخاب میں سختی مسلمانوں کی مستقل خوبی ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ نری یہ دو خوبیاں جن سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ زمین اگر چہ بیج کو قبول کر سکتی ہے مگر نہایت سخت ہے کیونکر اس زمین میں ایک عظیم الشان اور آسمان سے باتیں کرنیوالا درخت پیدا کر سکتی ہیں۔ میں صلاحیت کے سوال کو سرِ دست اُٹھا کر پہلے سلسلۂ کلام کو جس نے میرے دل و دماغ میں نور کی کیفیت پیدا کر دی ہے توڑنا نہیں چاہتا اسلئے اسکو اپنے وقت پر ملتوی کرتا ہوں لیکن اگر جناب کے کلام سے یہ نتیجہ درست ہے کہ صحیح رہنما پیدا کرنیکی ذمہ دار قوم ہے

رہنما کو بناتی ہے تو اس صورت میں کہ نظام موجود نہیں اور جماعت تسبیح کے دانوں کی طرح بکھری ہوئی ہے بلکہ ہر شخص اسکو اپنی طرف کھینچ کر نیا اختلاف اور نئی پریشانی پیدا کرنا چاہتا ہے، صحیح رہنما کا انتخاب کیونکر ممکن ہے یا کم از کم قوم کا ہر شخص فرداً فرداً کیا کرے کہ صحیح رہنما خود بخود ظاہر ہو۔ جناب والا یقیناً اس امر پر متفق ہونگے کہ جب نظام موجود نہیں تو اس نفسا نفسی اور قیامت میں رہنما کا انتخاب کیونکر ہو سکتا ہے۔

مصنّف - آپ نے بہت سی غور طلب باتوں کو ایک سوال میں جمع کر دیا اس لئے علیحدہ علیحدہ جواب دوں گا۔ میں نے رہنما کو درخت سے اور قوم کو زمین سے تشبیہہ دی تھی آخر تشبیہہ ہی ہے اور اسکو دُور تک پہنچانا بھی اکثر اوقات ٹھیک نہیں ہوتا۔ آپ نے اسے ذرا اور کھینچ کر ناخوشی سے کہا ہے کہ مسلمانوں کی زمین اگرچہ نمی قبول کر سکتی ہے مگر سخت ہے اور درخت پیدا کرنے کی اہل نہیں لیکن میرے نزدیک وہی زمین عظیم الشّان اور آسمان سے باتیں کرنیوالا درخت پیدا کر سکتی ہے جو نمی کو قبول کرنے کے باوجود سخت رہے۔ دلدل اور لیس دار کیچڑ میں آپ نے کہیں شاہ بلوط، پیپل اور سفیدے نہ دیکھے ہوں گے۔ وہاں اکثر جو ہو سکتا ہے خود رو جنگل اور بوٹیاں ہی ہیں جن میں قیام نہیں۔ بہر نوع اس تشبیہہ سے قطع نظر مسلمانوں کے اندر اس وقت ایک بڑی اور عظیم الشّان قوم بننے کی جو صلاحیتیں موجود ہیں بلکہ اصلاح کا جو موافق ماحول ان میں پچھلے تیس (۳۰) برس میں پیدا ہو گیا ہے، اس قدر حوصلہ افزا ہے کہ اس سے بہتر صورت میرے نزدیک آج کسی دوسری قوم میں موجود نہیں۔ یہ تشریح پھر کروں گا، سر دست آپکو یہ کہنا ہے کہ صحیح رہنما پیدا کرنے کی ذمّہ داری بیشک مسلمانوں پر عائد ہے اور اس صورت میں کہ قوم اپنے موجودہ رہنماؤں سے مایوس ہے اور اختلاف بڑھ رہا ہے صحیح رہنما پیدا کرنے کی واحد ترکیب یہ ہے کہ قوم کا ہر دردمند شخص، فرداً فرداً سب سے قطع نظر کر کے اور سب کو چھوڑ کر، اپنے نفس کی اصلاح شروع کر دے۔ یہی سچا اور اصلی اسلام ہے اس نظام کو دلوں میں پیدا کرنے والی بعینہٖ یہی نفسا نفسی اور قیامت کی حالت ہونی چاہیئے جس کا ذکر آپ کر رہے ہیں۔ قوم رہنما کو ایک جگہ جمع ہو کر اور قرعے ڈالکر انتخاب نہیں کرتی۔ اور اسی کو غالباً آپ نظام کہتے ہیں۔ رہنما جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا ہے خود اسی قوم کا ایک فرد ہوگا، قدرت اُس کو ہزاروں بلکہ لاکھوں ہستیوں میں سے خود انتخاب کرے گی، وہ منتخب ہو کر لاکھوں اور کروڑوں پر حکمران ہوگا اور لاکھوں اور کروڑوں اسکے اشارے پر چلیں گے۔

پس جب تک عمدگی اور اصلاح، جب تک تکلیف اُٹھانے، مطیع بننے اور اشاروں پر چلنے کی قابلیت لاکھوں اور کروڑوں میں موجود نہ ہو قدرت کے لئے ایسے عظیم الشّان رہنما کا انتخاب کرنا محال ہے۔ کرسیوں پر بیٹھکر اور قرعے لیکر منتخب ہونے والا رہنما لامحالہ کمزور بے بس اور یکطرفہ ہوگا، اسکو قوم کا وہی حصّہ منتخب کرے گا جو کرسیوں پر بیٹھنے کے لائق ہے اسکی قوت انہی کرسیوں تک محدود ہوگی جو اسکے گرد جمع ہوں گی، اس کا انتخاب بھی وہی لوگ کریں گے جو رہنما کے انتظار میں اپنی اصلاح کے خیال سے کوسوں دور ہونگے، وہ آپ اپنی اصلاح سے اسی قدر بلکہ شاید زیادہ دُور ہوگا جس قدر کہ وہ لوگ جنہوں نے اسکی دنیاوی حیثیت یا وجاہت کو دیکھ کر اس کو سردار بنایا ہے۔ وہ قوم کی زمین اور قوم کی پرورش سے پیدا نہیں ہوا، اور نہ قوم اس کو اپنا کہہ سکتی ہے اور اگر ایسے دس رہنما دس مختلف جگہوں پر ظاہر ہوں تو اُن کا آپس میں لڑمر کر قوم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا لازمی امر ہے۔ ایسے رہنما کی مثال ایک خوبصورت پھولدار پودے کی ہے جو سجاوٹ کے لئے زمین سے الگ گملے میں لگا ہے، زیبائش اور آرائش کا کام بے گماں اس سے نکل سکتا ہے مگر سایہ دار پھل والے اور سربفلک درخت کی بات اس میں ہرگز نہیں۔ مسلمانوں کی قوم میں بڑی سے بڑی غلط فہمی یہ ہے کہ ہر شخص یا کسر نفسی سے یہ فرض کر لیتا ہے کہ اُس کا مُصلح اور رہنما بننا محال ہے اور اس لئے اپنی تمام اصلاح کسی آنے والے خیالی رہنما کے سپرد کر کے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہتا ہے یا اپنے نفس کے اندر بڑی سے بڑی اصلاح کرنے کے بغیر فرض کر لیتا ہے کہ میں ہی وہ رہنما ہوں جس کا انتظار ہے، اور بالآخر جب قوم اس کو رد کر دیتی ہے اور مراد پوری ہوتی نظر نہیں آتی تو جھلا کر کوستا ہے یا اوروں سے اُلجھ کر قوم کو ٹکرا دیتا ہے۔ بے عملی اور عمل کی یہ دونوں صورتیں قطعاً غلط ہیں اور مسلمان جیسی سیاست دان اور عالمگیر قوم کے شایان شان ہرگز نہیں۔ رہنما بننا اور کروڑوں پر حکمران ہونا کسی شخص کے اپنے بس کی بات نہیں اور جس

نے اپنے نفس کی اصلاح کی تیاری کر لی وہ کچھ بھی ہو اور آگے چل کر رہنما بھی بنے مگر قوم کی بہتری بلکہ بادشاہت کی بنیاد اُس نے ضرور رکھدی۔ نہیں بلکہ تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ دنیا کے بڑے سے بڑے قومی لیڈر اکثر وہی ہوئے جنکے رہنما بننے کا کسی کو سان گمان تک نہ تھا۔ وہ بجلی کی طرح سیاہی سے نکلے اور بادل کی طرح سب پر گھر گئے۔

ہمدرد۔ جناب والا! آپ کا کمال احسان ہے کہ قوم کی بیماری کی اصلی رگ کو پکڑ لیا، عین اس جگہ انگلی رکھدی جہاں سے درد نکل نکل کر بدن کو بے چین کر رہا تھا، رگ دبا کر بتلا دیا کہ درد کا سامان یہیں پر ہے! اب یہ بات سورج کی طرح واضح ہے کہ لیڈروں کا اس کثرت سے ہونا اس قوم کا علاج نہیں۔ ہم درحقیقت ہر شخص کو قبول کر کے اور اسکے گرداگرد ایک چھوٹی سی بھیڑ پیدا کر کے زمین کو دلدل سے بدتر، اور چمن کو جنگل سے زیادہ بدنما بنا رہے ہیں۔ میں اب جناب کے اس عظیم الشّان فیصلے کی تہہ کو پہنچا ہوں کہ رہنماؤں کے انتخاب میں سختی مسلمانوں کی مستقل خوبی تھی اگرچہ جناب نے کہا ہے کہ یہ خوبی اب بھی ہے۔ یہی وہ شے دراصل تھی جس نے قوم کے اندر تیرہ سو برس تک حیرت انگیز ترقی برقرار رکھی جس نے زندگی کے ہر شعبے میں وہ بے مثال اور چوٹی کے آدمی پیدا کئے کہ معمولی اشخاص کا اُن کے بالمقابل پہنچنا تو درکنار، دوسری قوموں میں ان کا پاسنگ نظر نہیں آتا۔ یہ اسی نم دار مگر سخت زمین کا کرشمہ تھا کہ اس میں آسمان سے باتیں کرنے والے درخت اُگتے رہے اور اپنے سائے کے نیچے قوم کو دمبدم آباد کرتے رہے۔ لیکن موجودہ حالات بتا رہے ہیں کہ یہ خوبی اب مسلمانوں سے نکل چکی ہے بلکہ اگر سچ پوچھئے تو برسات کے کیڑوں کی طرح رہنماؤں کی کثرت اور قوم کے اُن میں سے ہر ایک کے ساتھ رقیبانہ عشق کو دیکھ کر، ایک نقطۂ نظر سے بعینہٖ اُن دونوں حقیقتوں میں شک ہوتا ہے جن کو جناب نے اس قدر واضح دلائل سے ثابت کیا۔ یعنی یہ کہ مسلمانوں میں

سچائی قبول کرنے کی پوری صلاحیت موجود ہے اور مسلمان اپنے رہنماؤں کے انتخاب میں بڑے سخت ہیں۔ اگرچہ تمام قوم کو پیشِ نظر رکھ کر یہ امر بالکل درست ہے کہ ان بیسیوں رہنماؤں میں سے قوم نے کسی ایک کو نہیں مانا بلکہ کسی ایک کے قول کو بالاتفاق قبول نہیں کیا لیکن مسلمانوں کے صدہا فرقوں اور ٹولیوں کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ رطب یابس، خشک تر، جھوٹ سچ سب کچھ قبول کر لیتے ہیں اور ادنیٰ اعلیٰ، عالم جاہل بُرے بھلے سب کی دال ان میں گل سکتی ہے۔ سیّد علیہ الرحمۃ کی کامیاب رہنمائی کے بعد لیڈری کا چسکا اس قوم میں کچھ ایسا بے طرح لگا ہے، جلسوں اور انجمنوں، پریسیڈنٹوں اور سیکرٹریوں کا مذاق قوم کی رگ رگ میں اس طرح رچ گیا ہے کہ اب گھر کی دیوار کھڑی کرنی ہو تو ایک لیڈر، ایک کانفرنس، ایک میٹنگ، ایک پریسیڈنٹ اور ایک سیکرٹری طبعاً موجود ہے اور چھت پر پھونس بچھانی ہو تو ایک رہنما ایک انجمن، ایک جلسہ، ایک صدر اور ایک معتمد فوراً حاضر ہے۔ اور اس پر طرّہ یہ کہ لیڈر اور رہنما صاحب اور پریسیڈنٹ اور صدر صاحب روئے زمین پر سے ایک دوسرے کی بیخ و بنیاد اکھیڑنے میں اس قدر متفق ہیں کہ دس برس کے "قومی کام" کے بعد نہ دیوار کھڑی ہوتی ہے نہ پھونس بچھتی ہے! قوم ہے کہ دونوں کے گرد نہایت شوق اور ضد سے چھوٹا سا جمگھٹا لگائے کھڑی ہے اور لوہار کے مشہور کتّے کی طرح ریتی سے خون چاٹنے میں مست ہے۔ قوم کے نام نہاد اخبارات اوّل تو اور قوموں کے وسائلِ نشر و تبلیغ کے بالمقابل صفر ہیں، اُن کو مسلمانوں کی قوت اور تنظیم کا سرچشمہ ہونا چاہیئے تھا لیکن اُنکے کان میں کسی نے کہہ دیا ہے کہ پریس وہ طاقت ہے جس سے بادشاہ بھی لرزتے ہیں اور اُن کے زعم میں یہ اشارہ انہی کے اخبار کی طرف ہے ان کے اندر جو نظام کام کر رہا ہے وہ بھی بعینہٖ اُس قطع کا ہے جو دیوار بنانے اور پھونس بچھانے

والی انجمنوں کا ہے، اُن کو دو مسلمانوں کی لڑائی یا کسی مسلمان کی برائی کی بھنگ مستوں کو راگ یاد دلانے کا حکم رکھتی ہے، وہ اپنی بے مثال رعونت اور رنگ برنگی سے ٹولیوں کے اندر نئی ٹولیاں پیدا کرنے، یا عزت دار کی پگڑی اچھالنے میں مصروف ہیں اور لوہے کے طاقتور ہتھوڑوں سے قوم کو ریزہ ریزہ کر کے رہنما بننے کے خواہاں ہیں۔ جناب کے ان قومی حرکتوں سے الگ تھلگ رہنے کے متعلق مدت سے سنتا تھا اس لئے یہ ناگوار تفصیل ضروری سمجھا۔ بہر نوع اس نادر گردی اور قیامت میں جناب کا یہ واحد علاج کہ قوم کا ہر شخص فرداً فرداً سب رہنماؤں اور موجودہ حرکتوں سے قطع تعلق کر کے اپنے نفس کی اصلاح شروع کر دے بلاشبہ آسمانی الہام ہے۔ اس کے اندر جس وحدت اور یگانگت کا راز آپ دیکھ رہے ہیں میں بھی دیکھ رہا ہوں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ قوم کی قوتوں کو دردناک طور پر ضائع ہونے سے بچانے کے لئے آخری علاج یہی ہے، مجھے اس امر کا احساس ہے کہ خود رَو جنگل اور نشوونما کو روکنے والی بوٹیوں کو اکھیڑ کر زمین کو رشکِ چمن بنانا اسی طرح پر ہو سکتا ہے، میں اندازہ کرتا ہوں کہ اس طرح پر آپ قوم کو یکسوئی اور اتفاق کا سبق دے کر کسی عظیم الشّان مہدی کی آمد کے لئے زمین تیار کر دیں گے۔ یہ سب کچھ درست ہے اور اس کے اندر عجیب انتہا سیاسی اور معاشری فائدے قوم کو پہنچ سکیں گے۔ ایسے ہیں کہ اُن سے انکار نہیں ہو سکتا۔ ہر شخص محبّت اور ہمدردی، نیکی اور نیک خیالی کی زندہ تصویر بن کر قوم کو قوت کے آسمان پر پہنچا دے گا، ہر فرد میں زندگی کی نئی رُوح ہو گی، کسی کو کسی سے کچھ دشمنی نہ رہے گی، ہر طرف سے سلام سلام کی آواز آئے گی، کسی کو کسی سے کچھ سروکار نہ ہو گا، سب آزار اور دُکھ کا یک دم خاتمہ ہو گا۔ سعدی علیہ الرحمۃ نے قوم کی اسی حالت کو بہشت[*] کہا ہے۔ اگر سب کو چھوڑ کر

---

* بہشت آنجا کہ آزارے نباشد۔ کسے را با کسے کارے نباشد۔

اور سب سے قطع نظر کر کے ہر شخص اپنے نفس کی درستی کی طرف متوجہ ہو جائے تو کیا کہنا ہے لیکن کیا اس رہنماگردی کی حالت میں جو میں نے اپنی ٹوٹی پھوٹی زبان میں بیان کی اور اور جس کا پورا تصوّر بدن پر رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے، جناب کے خیال میں اُردی کی سفیدی کے برابر اُمید ہو سکتی ہے کہ وہ ہزار در ہزار شائستہ اور مہذب مسلمان جن کا اپنے اپنے رہنماؤں کے پیچھے لگ کر ٹولیاں بنانا اور اپنی اپنی ٹولی کو جُدا رکھنا ان کا اوڑھنا بچھونا ہو چکا ہے ایک لمحہ کے لئے اس خیال کی طرف متوجہ ہوں گے کہ سب کو چھوڑ کر اپنے نفس کی اصلاح شروع کر دیں۔

وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۴۵: ۱۳

اے لوگو بخدائے لایزال اُس نے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب تمہارے لیے مُسخر کیا ہے۔ بیشک اس پیغام میں سوچنے والی قوم کے لیے ضروری ہدایات موجود ہیں۔

یعنی

دنیا کے تقریباً بیس ہزار مشہور سائنسدانوں کے نام قرآن حکیم کی تعلیم سے اخذ کیا ہُوا مُراسلہ جو جولائی ۱۹۵۱ء سے بھیجنا شروع کیا گیا اور نومبر ۱۹۵۵ء تک امریکہ یورپ اور رُوس کے مُقتدر سائنسدانوں کو بھیجا گیا جس میں ان کی توجہ اِس طرف منعطف کی گئی کہ مقصدِ پیدائش کائنات صرف اِنسان کا صحیفۂ فطرت کو مکمل طور پر مسخر کرنا ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں چنانچہ اُس وقت علمائے فطرت کا تسخیرِ کائنات کی طرف متوجہ ہونا اسی مراسلے کی وجہ سے ہے۔

حضرت علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقی

ساتواں باب

مسلمانوں میں زوال کا عام احساس اور اصلاح کی عام تڑپ موجود ہے

مصنّف - شائستہ اور مہذب مسلمانوں سے جو مراد جناب کی ہے اُن سے اُمید نہ ہو مگر عام مسلمانوں سے پُوری اُمید ہے۔ عام مسلمانوں کے اندر ایک مدت سے اس قسم کی فرقہ بندی کے متعلق نفرت پیدا ہو چکی ہے۔ اُن میں بعض موجودہ رہنماؤں کی تقریروں اور آپس میں جھگڑوں یا ایک دوسرے پر کیچڑ پھینکنے کے متعلق سنتے اور پڑھتے ہیں مگر کسی خاص طرف نہیں لگتے۔ بعض اخبارات کا مطالعہ اور فرقہ بازی کے چیٹ پٹے حالات آنکھوں سے پڑھ لیتے ہیں مگر رائے پوچھنے پر مسکرا دیتے ہیں۔ ایک معقول تعداد ایسی بھی یقیناً ہے جو ان فرقہ بندیوں میں عملی حصہ لیتی ہوئی بظاہر نظر آتی ہے لیکن بہتر کام نہ ہونے یا عام مذاق کی وجہ سے مجبور ہے۔ ایک کثیر اور غالب جماعت اُن کم فرصت اور مزدور پیشہ لوگوں کی ہے جو آپس کی لڑائیوں کے متعلق کسی جھمیلے میں نہیں پڑتے اور جو بھی سامنے آجائے اُس کی جَے پکارنے کے لئے تیار ہیں، لیکن اس میں شک نہیں کہ نہ صرف عوام میں بلکہ اُن خاص مسلمانوں میں بھی جو خوب پڑھے لکھے ہیں، جو فرقہ بند اخبارات کو لازماً خریدتے ہیں اور قوم کی حالت پر رائے زنی کرنے کے اہل ہیں ان جھگڑوں سے سچی نفرت اور سب موجودہ حرکتوں سے قطع تعلق کرنے کی سچی تڑپ عام ہے۔ بہتوں کے دل اس آئے دن کے جھگڑوں اور قوم کی روز بروز کمزوری کو دیکھ کر از خود بجھ چکے ہیں مگر چونکہ اُنکے سامنے کوئی مستقل تجویز موجود نہیں وہ اُسی طرح فرقہ بندی کی رَو میں مرضی کے بغیر بہے جا رہے ہیں۔ جن مختلف طبقہ کے لوگوں نے پچھلے سات برس مجھے لکھا ہے اُن میں شاید پانچ متنفس ایسے نہ ہوں گے جنہوں نے کسی خاص سیاسی جماعت سے اپنے تعلق کی طرف اشارہ

کیا ہو حالانکہ اُن کی مجھ سے گفتگو کا اکثر حصّہ سیاست ہی رہا ہے۔ اب میرے اندازے میں آٹھ کروڑ مسلمانوں کے بالمقابل ہندوستان کی سرزمین میں اُن لوگوں کی تعداد صرف چند سینکڑوں یا غایت چند ہزاروں تک ہے جو بڑی ضد سے اور کسی شرط پر بھی اپنی ٹولی کو چھوڑنا نہیں چاہتے۔ یہ تعداد اسقدر خفیف اور اپنی اغراض سے اسقدر وابستہ ہے کہ قابلِ اعتنا بلکہ قابلِ علاج نہیں۔ میرا یقین ہے کہ جس وقت نفس کی اصلاح شروع ہو جائے گی لوگ جوق در جوق اس میں شامل ہوتے جائیں گے بلکہ اصلاح کی خواہش کے اس عام ماحول میں جس قدر دلچسپی، جس قدر کشش، جس قدر مقناطیسی تڑپ اس حرکت میں ہو گی تھیٹر کے کسی بڑے سے بڑے حُسن و عشق کے تماشے یا آتش بازی کی کسی بڑی سے بڑی نمائش میں نہ ہو گی۔ مسلمانوں نے زوال کی داستان پچھلے تیس برس کی مدت میں ہر خاص و عام کے دل پر وہ دھکّے اور چوٹ و ٹکر لگی ہے، پُرانے دوست خدا کی بے نیازیوں اور دشمن نوازیوں کو بار بار دیکھ کر جگر اسقدر زخمی اور سینے اسقدر چھلنی ہو چکے ہیں کہ تنگ گلیوں کے اندر وہ بڑھیا جو اپنی اندھیری کوٹھڑی میں الٹی کھٹولی پر پڑی سوکھے ٹکڑے پانی کے پیالے سے نگل رہی ہے، اور جس کو شاید یہ معلوم نہ ہو کہ سورج کبھی اس سرزمین پر روشنی دیا کرتا ہے، اگر اُس سے مسلمانوں کے متعلق پوچھا جائے تو کہے گی کہ بیٹا ہوش کرو خدا کا دین بہت عاجز ہو گیا ہے اور پُر لو تُز دیک ہے! میں خود یہ سوال ایک اندھیرے گانوں کی عاجز اور بے اُس خاتون سے پوچھکر ڈبڈبا گیا اور جس دردناک آواز سے اُس نے مجھے بیٹا کہہ کر ہمت دلائی، وہ نشتر اس طرح چُبھا کہ رونے کو مردانگی کے خلاف سمجھنے کے باوجود دو دن تک آنکھیں سُرخ رہیں اور گھر کے لوگ الگ حیران تھے کہ کیا معاملہ ہے۔ پس میرا یقین ہے کہ دل ہر جگہ قطعاً نرم ہو چکے ہیں، موت کے تھپیڑوں نے بڑوں سے لے کر چھوٹوں اور امیر سے لے کر غریب کے دل میں وہ تیاریاں پیدا کر دی ہیں کہ اب صرف کسی بندۂ خدا کی آواز کی کسر ہے! میرے پاس ایک دردمند دوست نے ابھی لاہور میں بیان کیا کہ کوٹ پتلون اور سُرخ ٹوپیاں پہنے ہوئے نوجوان آتے ہیں اُن

کے حمیت سے گرم چہرے اور نرم نرم سبزے یاد دلاتے ہیں کہ اسلام کے ان کجکلاہ سپاہیوں کو اپنی پتلون سے شرم اور نکٹائی سے عار ہے، وہ جوش میں قریب ہو ہو کر اور رنج میں تڑپ تڑپ کر تر نگاہوں سے کہتے ہیں کہ بے کار ہیں، کوئی بندۂ خدا نظر نہیں آتا کہ اُسکے پیچھے لگ کر جان کو ہلاک کر دیں! زوال کا عام اور عالمگیر احساس اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ عروج اور بادشاہت کی طرف پھر آنکھیں لگی ہیں اور یہی درحقیقت مسلمانوں کے اس عجیب و غریب اور نامعقول مقولے کی منطقی تاویل ہے کہ ہر زوال کے بعد کمال یقینی ہے! میری بیوی مسلمان کے عام پردے کے مطابق رہتی ہے، ساڑھی پہنی ہوئی نئے فیشن کی عورتوں کو کن انکھیوں سے، اور نئی رَو کی زنانہ پارٹیوں میں شامل نہیں ہوتی، بڑی بڑی دعوتوں کے باوجود کسی کے ہاں آنا جانا نہیں۔ پردے کا اہتمام از خود اس قدر ہے کہ موٹر میں جالی کی اندھی چلمنیں گرا کر بھی برقع اوڑھے رکھتی ہے۔ میں چھیڑنے کے لئے آگے سے کہہ دیتا ہوں کہ فیشن کے خلاف ہے۔ بال بچوں میں تمام دن اس قدر مشغول کہ دن ڈھلے کبھی کبھار کتاب یا اخبار پڑھ لیا تو غنیمت ہے۔ سرِ شام کھانا پکانے، کھلانے اور بچوں کو سُلانے کے بعد اُس کی سیاسی گفتگو مجھ سے شروع ہوتی ہے مگر اُن بیسیوں سوالات میں جو میرے تنگ ہونے کے باوجود مجھ سے کر جاتی ہے۔ ایک ہی درد موجود ہے کہ مسلمان گر رہے ہیں، اُن کی آپس میں لڑائیاں درست نہیں، اُن کے اخباروں کی پچ پچ شرمناک ہے، اُن کی آپس کی گالی گلوچ درد انگیز ہے، اُن کو اوروں کو دیکھ کر شرم نہیں آتی، اُن کا کیا حشر ہوگا، اُن کی بادشاہت کدھر گئی، بلغاریہ کیوں چھن گیا، مصر پر کب انگریز چڑھ آئے، طرابلس کیونکر گیا، بلوچستان کیسے نکل گیا، میں کیوں خاموش ہوں، اور کیوں چپ ہیں۔ میں مختصر سا جواب دیتا ہوں تو پھر کرُوھتی ہے، اور جب تک پورا جواب نہ لے لے سوالات کا سلسلہ بند نہیں ہوتا۔ بچہ سقاؤ کے یک بیک کابل میں داخل ہونے اور امان اللہ کے ناگہاں ہندوستان پہنچنے کے متعلق میں نے جو اس باختہ ہو کر سنایا

تو چارپائی پر لیٹ کر ہچکی بندھ گئی۔ آنسوؤں کا وہ تار بندھا کہ تھمتا نہیں ہوتا تھا۔ میں نے ڈر کر کہا حوصلہ کرو۔ خدا مدد دے گا تو غصہ سے یہ کہہ کر اندر چلی گئی کہ ایسے بے کاروں سے بولنا حرام ہے۔ اس کے بعد سے زیور پہننا چھوڑ دیا اور اب موٹے سوت کے سفید کپڑے ہیں۔ ایک دن پکٹ پر بحث تھی۔ تجویز یہ تھی کہ سب مسلمان عورتیں برقعوں سمیت باہر نکل آئیں اور مردوں کا ہاتھ بٹائیں۔ میں نے کہا تین تو خیر بڑے سہی مگر تین کو گود میں لے کر اور برقع اوڑھ کر پکٹ کیا کرو گی! وہاں تو کچھ بولنا بھی پڑتا ہے! کہا سب کو اٹھالوں گی لوگوں کو کچھ رحم تو آئیگا پس جب میرے گھر میں باوجود اس نازو نعمت کے یہ احساس موجود ہے تو میرا یقین ہے کہ ہر گھر میں ہے، ہر شخص تڑپ رہا ہے۔ جب اس تنعّم اور غنودگی میں یہ بیداری ہے تو پھر سب بیدار ہیں۔ ایسی بیقراری اور تڑپ میں یہ کہنا کہ مسلمان موقع پر اکٹھے نہ ہو سکیں گے، وہ سب اپنی اپنی ضد پر اڑے رہیں گے میرے نزدیک مایوسی کی انتہا ہے بلکہ ممکن نہیں! یہ آپس میں گالی گلوچ، یہ ایک دوسرے کو صلواتیں، یہ جان توڑ دشمنیاں، یہ علیحدہ علیحدہ ٹولیاں اور ہر ٹولی میں ایک دوسرے کو گرانے کی پُرکاریاں صرف اسلئے ہیں کہ تمام سرآوردہ لوگ جو اپنے اپنے فریق کی رہنمائی کر رہے ہیں اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو سب کے سب برابر کے سپاہی ہیں۔ ہر ایک میں ایک نہ ایک گن، ایک نہ ایک فضیلت، کوئی نہ کوئی ہنر قابلیت اہلیّت، امتیاز قطعاً موجود ہے۔ وہ سب کے سب ملکر پہاڑ کو ڈھا سکتے ہیں، سمندر چیر سکتے ہیں، آسمان میں شگاف کر سکتے ہیں، اور سب یک دل ہو جائیں تو نہ جانے کیا کر سکیں! نہیں، سپاہ قطعاً موجود ہے، دشمن سے لڑائی کی سچی روح موجود ہے، فتح و نصرت کے حوصلے موجود ہیں، جان دینے کی امنگیں اور اسلام کی راہ میں مر جانے کی تمنّا موجود ہے، مال کی قربانی موجود ہے، قید خانوں میں اولاد کی پروا نہیں، وطن کا دھیان نہیں، تن من دھن سب حاضر ہے، ہاں سپاہ تیار موجود ہے مگر سپاہ کا جرنیل موجود

نہیں! مجوّز اور مدبّر کی جگہ خالی ہے! مجھے ایک بڑے مسلمان لیڈر نے جواب انتقال کر چکا ہے آج سے اٹھارہ برس پہلے کہا بھائی ہمیں لیڈر مت کہو، ہم تو صرف سپاہی ہیں، صرف کام کریں گے، لیکن تجویز اور تدبیر کے اہل نہیں۔ مجھے صرف ایک مدرسہ دیدو جس پر میرا کامل اختیار ہو، کہ لڑکوں کو پڑھا کر قوم پیدا کروں لیڈری ویڈری مجھے نہیں آتی۔ اگر کوئی اپنا آدمی مجوّز نظر آیا تو غیر کے ہاتھ اپنا ہاتھ دے دینگے اور پانچ برس بعد یہی کیا! پس ایسی صورت میں کہ سپہ سالار موجود نہیں برابر کے سپاہی کیا کر سکیں گے۔ اُن میں سے ایک ناچار آواز دے گا کہ بھائی قطار میں ہو جاؤ اور لڑائی کے لئے کوچ کرو تو دوسرا کہے گا ارے تو کہاں کا جرنیل ہے کہ ہمیں یوں تیزی سے کوچ کا حکم دیتا ہے۔ بولتے وقت تیری داڑھی کیوں ہلتی ہے، ہم خود جب مرضی ہو گی چلیں گے لیکن تمہارے کہنے پر ہرگز نہیں۔ بالآخر جب فوج حرکت نہیں کرتی تو ایک دوسرا سپاہی دردِ دل سے اور قواعد دان کے لہجے میں کہتا ہے کہ "چلو!" وہ بھی اسی طرح مُنہ کی کھاتا ہے اور ایک قیامت برپا ہو جاتی ہے! پھر دونوں طرف وہی سپاہیوں کا سوقیانہ کلام ہے، دشمن سے لڑائی آپس کی لڑائی میں بدل جاتی ہے اور دشمن مزے سے ہنستا جاتا ہے۔ جب بالآخر کچھ نہیں بنتا تو ہر سپاہی اُسی فوج کے چند ذیلیوں کو جوں توں ساتھ ملا کر اپنی اپنی راہ لیتا ہے اور بھاگڑ کی صورت نظر آتی ہے! موجودہ رہنما برابر کے سپاہی اس لئے بھی بن گئے ہیں کہ برابری سے لڑنا پسند کرتے ہیں۔ سپاہیوں کی ٹھٹھولی اور سپاہیوں کا بازاری کلام موجود ہے۔ جرنیل کا بلند حوصلہ اور متانت ایک میں نہیں۔ ایک اینٹ پھینکتا ہے تو دوسرا پتھر لے کر تیار ہو جاتا ہے۔ اگر اینٹ لگنے پر خموش ہو جاتا تو نہ جانے کس قدر بڑا اور بارعب بن جاتا! خموشی دینِ اسلام کا بڑا جُز ہے، قرآن میں بہشت کی تعریف لَهُمْ فِيهَا سَلَمٌ یعنی اس میں خاموشی اور امن ہو گا۔ کی ہے۔ ہادیٔ اسلام نے مسلمان کو خموشی کے لئے بار بار کہا، صحابہ کرامؓ اور پہلے مسلمان اس کی مشق

کرتے رہے۔ انگریز قوم نے اپنی خاموشی سے ہندوستانیوں پر وہ رُعب بٹھایا کہ اُنکے اوسان خطا ہیں۔ ہندوؤں کے ایک بڑے رہنما نے خموشی کے لئے ایک دن مقرر کر کے کروڑ ہا خلقِ خدا پر اپنا تسلّط جمالیا ہے اور داناؤں نے گفتگو کو روپہلی اور خموشی کو سنہری کہا ہے۔ پس یہ وجہ ہے کہ ایسی بے مثال فوج بھیڑ سے بدتر ہے اور فتح و ظفر تو درکنار، آرام سے صف باندھ کر کوچ کرنا بھی اُس کے لئے ممکن نہیں۔ یہ نہ ہو تو موجودہ رہنماؤں میں کیا شئے ہے جو اِن سب میں بلکہ موجود نہیں، کیا ہے جو فرداً فرداً بھی کسی دوسری قوم کے رہنماؤں سے کم ہے۔ (باقی)
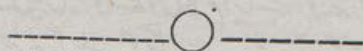
قوم کے ہر دس میں سے نو مسائل کا واحد علاج

خاکسار تحریک پاکستان کی صف بندی

- جمہوریت بحالی کی موہوم امیدوں میں مزید وقت ضائع کیے بغیر
- انتخابی ہڑبونگ مچا کر پوری قوم کو جڑوں تک ہلا دینے کے بغیر
- قومی اخلاق و کردار کی تعمیر پر مذاکرے۔ مباحثے۔ سیمینار اور ڈرامے فلمائے بغیر
- نت نئے احتسابی قوانین اور شریعتوں کے نفاذ کے بغیر

پوری قوم کی اصلاح کی ضمانت

آٹھواں باب

موجودہ رہنما اور اُن کو کیا کرنا چاہیے

مصنّف۔ میرے علم میں کم از کم بیس۲۰ مثالیں ایسی موجود ہیں جہاں ان حضرات نے اسلام کی خدمت میں اپنی سب دولت پیش کی، امیر سے نادار ہو گئے، دردناک مشقتیں جھیلیں، قومی روپیہ ہضم کرنا تو در کنار ہمیشہ اپنی گرہ سے خرچ کرتے رہے لوگوں کی خاطر تواضع، تالیفِ قلوب، جلسوں میں آمدورفت، پروپاگنڈہ، اشتہارات، پلاؤ کھلانے اور چائے پلانے میں سب کچھ لٹا دیا۔ جیل خانے کی تکلیفوں کا ذکر کیا، پسماندوں سے لوگوں نے اسقدر بے پروائی کی کہ قید سے نکل کر تن ڈھانکنے کو کپڑا نہ تھا۔ مگر جب آنکھ کھولی تو کولہو کے بیل کی طرح قوم بھی وہیں کی وہیں اور آپ بھی وہیں کے وہیں تھے۔ بربادی کی ایک حکایت کو ابھی ابھی سنکر کانپ اٹھا اور دیر تک بُت بنکر پکارا کہ ایسی لیڈری کو آگ لگے جس میں گھر پھونک تماشا نظر آئے اور بڑا تماشا یہ کہ دو ایک مثالوں کو لیکر قوم یہی سمجھتی رہے کہ سب لیڈر قومی روپیہ ہضم کر جاتے ہیں! الغرض دردمند کارکن اور سچے مسلمان کثرت سے موجود ہیں مگر کام کرنے، بڑا بننے اور قوم کو بڑا بنانے کا سلیقہ ہرگز نہیں۔ یہ سپاہی تھے سپاہی رہکر کسی ایک کو سردار منتخب کر لیتے۔ اور گرہ سے پائی خرچ کرنے کے بغیر اپنا ہاتھ اُسکے ہاتھ میں دے دیتے تو آج بیڑا پار تھا! بعض اور ہیں جن کی مالی قربانیاں شاید اس قدر نہ ہوں مگر اُن کی قابلیت علمیت، طاقتِ قلم، طاقتِ زبان سب فرداً فرداً بے مثال ہیں تاہم رہنمائی کے انہی جھمیلوں میں پڑکر نہ اپنی ذات کو نفع نہ قوم کو فائدہ ہے۔ الغرض جس قوم میں درد اسقدر، درد والے اسقدر، کارکن اسقدر، سپاہی اسقدر، جانباز زرباز بلکہ پاکباز اس قدر موجود ہوں اُسکو ناکار

اور بدبخت کیونکر کہا جاسکتا ہے۔ اُن میں صرف اصلاحِ نفس کی کسر ہے، صرف اسکی کسر ہے کہ اپنے دلوں کے اندر خدا کو کوتوال بنا کر بٹھادیں، اُس مالکِ زمین و آسمان کا ڈر وہ پیدا کریں کہ سرکش گردنیں نیچی ہو جائیں، نظروں کو عین آمنے سامنے کر کے حوصلے سے دل نرم کر دیں، دل نرم کر کے بے دھڑک سر جوڑ دیں اور آنسوؤں کی ارغوانی قطار سینے سے آنکھ کے پردے تک باندھ کر اُس شیطانی گندگی کو دھو ڈالیں جو دلوں سے چڑھ چڑھ کر نگاہوں کو میلا کر چکی ہے! میں بے بسی میں رونے کا سخت مخالف ہوں مگر اس طرح کے رونے کو کئی بیماریوں کی حکمی دوا سمجھتا ہوں۔ اس سے دلوں پر سے برسوں کی جمی ہوئی مَیل دُھل جاتی ہے، اس سے ٹوٹے حوصلے بلکہ دِل پھر جُڑ جاتے، اس سے شیطان کے پیدا کئے ہوئے غرض اور حسد کے بُت ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں، وُہ رونا جس میں دِل اُچھل اُچھل کر حلق کو آئے، جس میں اسلام کی محبّت کا بے گمان اقرار اور مسلمان سے اُلجھنے کی سچی شرم ہو، جس کے اندر ندامت کی بے دھڑک پیش قدمی اور شرمندگی کا بے خطر گلے ملنا موجود ہو، وہ آسمان کے فرشتوں اور جنّت کے قدسیوں کا رونا ہے، بزدلوں کا رونا ہرگز نہیں۔ رونا اور رو رو کر شیطان کو باہر نکالنا، ابلیس کی پتھرائی ہوئی دلوں کی زمین کو آنسوؤں سے نرم کرنا طبیعت میں وہ نکھار اور بدن میں وہ تیاری اور بھڑک پیدا کر دیتا ہے کہ سات سمندروں کے پانی اور سات اقلیم کے دریا نہیں کر سکتے! مسلمان کا خدا ایک ہے، رسولؐ ایک ہے، قرآن ایک ہے، دُنیا پر غلبے، نہیں دنیا کو اپنے خُلق کے زور سے مطیع کرنے کا نصب العین ایک ہے، بھائی ہونے کا دعویٰ ایک ہے، خدا کی طرف لوٹ کر جانے اور اللہ سے ملاقات کا یقین ایک ہے، رنگ، نسل، قومیت، ذات، گوت کا فرق صفر ہے، نہیں جب دلوں کی گہرائیوں کے اندر یہ بات مسلّم ہے کہ مسلمان مسلمان نہیں جب تک وہی پہلا زور حاصل کر کے کبریائی کا ڈنکا ہر طرف نہ بجالے اور کبریائی کے باوجود اللہ کی زمین پر اس خاکساری سے اور دھیما دھیما

چلے کہ بڑے سے بڑے تُند خو کی گردنیں جُھک جائیں تو پھر، یہ آپس میں سرکشی اور سرزوری کیا ہے، یہ ذرا ذرا بات پر رنجش اور بدحواسی کیوں ہے! تاریخ کا ایک ایک ورق اس امر کا گواہ ہے کہ اسلام پچکا مگر لگاتار پھر ابھرتا رہا، اُس نے بار بار لچک قبول کی مگر وہ اُچھلا کہ پہلے سے دو قدم آگے تھا۔ مسلمانوں کے بہترین دماغوں اور رہنماؤں نے اپنے حُسنِ تدبیر اور اتحادِ عمل سے اس تیرہ سو برس کے اندر اسلام کی وہ خدمتیں کیں کہ تاریخ دان حیران ہے۔ وہ سب طرف سے رُکے مگر پانی کی طرح چھوٹے سے چھوٹے سوراخ سے نکل کر پھر دریا بنتے رہے۔ جب اسلام کے اندر یہ لچک، یہ روانی، یہ ابھار، یہ چڑھاؤ، تیرہ سو برس سے برابر چلا آ رہا ہے تو آج مسلمانوں کے سرداروں کی آپس میں کش مکش کچھ ٹھیک نہیں۔ اپنی گذشتہ تاریخ سے ہنسی کرنا ہے، اپنے آپ کو نااہل بلکہ ناخلف ثابت کرنا ہے۔ جب دل کے اندر تڑپ ایک ہے، جب قبلہ کا نام بلند کرنے کے لئے قبلہ نما کی بے چینی ہر دل میں ہے تو مقناطیس کی سُوئی کی طرح سب کا یکسو ہو جانا عقلی نتیجہ ہے! جو دماغ اس منطق کو نہیں سمجھا اُس کی سمجھ میں کسر ضرور ہے۔ رہنما الگ الگ رہیں تو آگ کے یہ انگارے علیحدہ علیحدہ کیا شعلہ پیدا کر سکیں گے، انگاروں کا سر جوڑ دینا اور آسمان سے ہوا کا چلنا ہی بدبختی کے دن کچھ پھیر سکتا ہے۔ دلوں کو نرم کرنا، سینوں کو کھول دینا، اللہ کے خوف سے اپنے آپ کو گرا دینا، اُس بادشاہِ زمین و آسمان کے ڈر سے اپنی پگڑی اُتار کر گلے میں ڈال لینا اور دُو دُو کا آپس میں مل کر آنسوؤں کا بے محابا تار باندھ دینا اصلاحِ نفس کی پہلی منزل ہے، مردمی اور مردانگی کی طرف پہلا قدم ہے، شیطان سے لڑائی اور خدا سے دوستی کی پہلی تیاری ہے۔ شیطان دلوں کے اندر پتھر سے زیادہ سخت بُت بنانے اور دلوں کی زمینوں کو پتھرا دینے میں وہ شاہکار اور ابلہ فریب معمار ہے کہ قرآنِ کریم نے کُفر کی حالت کا نقشہ کھینچ کر کہا ہے کہ پتھر بھی ایسے ہوا کرتے ہیں جو اللہ

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ (النسل کلے صغیرہ)

کے ڈر سے گر پڑتے ہیں اور ان میں ایسے بھی ہیں جن سے چشموں کے چشمے پانی کے پھوٹ بہتے ہیں مگر شیطان کے بھڑائے کافر دلوں سے عاجزی، اُن کا اللہ کے ڈر سے اپنے آپ کو گرا دینا، اُن سے آنسوؤں کا پھوٹ بہنا ممکن نہیں۔ یہ وہ آیت ہے جس کا ہر مسلمان کو علم ہے اور قرآن کے عین شروع میں ہے۔ اسکے دو معنے ہو نہیں سکتے اور اسمیں تاویل کی گنجائش نہیں۔ پس رہنماؤں سے میں باادب یہ کہوں گا کہ بلند مقاموں سے اپنے آپکو گرا کر عاجز ہو کر چشموں کی طرح پتھر بھی ہو تو پھٹ کر پھوٹ بہو، مالکِ زمین و آسمان سے ڈر کر اپنے مغرور نفسوں کو گرا دو، بڑائی چھوڑ کر آپس میں مل جاؤ، سپہ سالاری کا وہم برطرف کر کے سب کے سب سپاہی اور مجاہد بن کر صلح کر لو، خدا کی کبریائی کے آگے کسی کو بڑائی ہرگز نہیں۔ اسلام کے لئے یہ ایک بڑا نازک وقت ہے، ہوش کرو گے تو آگے کی طرح اب بھی سنبھل جاؤ گے تم سب ملکر اسقدر قوی ہو کہ اگر کسی طرف راہ نہ رہے تو بھی ایک سوئی کے ناکے سے دریا بہا سکتے ہو۔ یاد رکھو کہ اسلام کسی وقت عاجز اور آجتک کسی سے ہیٹا نہیں ہوا۔ یہ کلنک کا ٹیکا تمہیں نہ لگے کہ تیرہ سو برس میں صرف تم ہی سنبھال نہ سکے۔ اسلئے اپنے اپنے بتوں کو چھوڑ کر صرف اصلاحِ نفس کی طرف لگ جاؤ، بلالحاظ فرقہ سب مسلمانوں کو اصلاحِ نفس کی طرف متوجہ کرو، تم میں سے وہی سچا رہنما اور جرنیل ہوگا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۴ سے آگے:۔ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ۚ وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ○ (۲ : ۷۴)

(ترجمہ) پھر اے لوگو! اسکے بعد تم سب کے دل سخت ہو گئے اور ایسے ہوئے کہ گویا وہ پتھر ہیں بلکہ اس سے بھی سخت تر۔ اور پتھروں میں بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جن سے دریا کے دریا پھوٹ پڑتے ہیں اور پتھر تو ایسے بھی ہیں جو اندر کے دباؤ سے پھٹ جاتے ہیں اور اُن سے پانی کے چشمے نکل پڑتے ہیں۔ اور پتھر ایسے بھی ہیں جو خدائے ذوالجلال کے خوف سے بالآخر اپنے بلند مقاموں سے گر پڑتے ہیں مگر تم وہ پتھر تھے کہ کسی طرح نرم اور عاجز نہ ہوئے تو یاد رکھو کہ خدا تمہاری کارستانیوں سے خوب واقف ہے جو یوں دردناک سزائیں دے رہا ہے۔ (سورۂ البقرہ)

جو سب سے بڑی اصلاح اپنے اندر پیدا کرے گا۔ غور کرو کہ سپہ سالار کئی برس سپاہی رہ کر اطاعت اور اصلاح سیکھتا ہے تب کہیں حکم کرنے کا اہل ہوتا ہے۔ اسلئے سپہ سالاری کی ضد خدا کے لئے قطعاً چھوڑ دو۔ قدرت اس رہنما کو خود انتخاب کرے گی، فرعون اور فرقہ بازی سے تم ہرگز اپنے آپ کو انتخاب نہیں کر سکتے اور نہ وہ انتخاب کسی طرح عام ہو سکتا ہے۔ اس وقت نہ ایک فرقہ درست ہے نہ دوسرا ٹھیک ہے، نہ ہندو کے خلاف بات ریچ ہے، نہ ہندو سے مل کر صراطِ مستقیم، نہ مسلمان کی مسلمان سے لاگ درست ہے نہ مذہب کو اڑا کر قومیت کا یکطرفہ خیال پیدا کرنا پختہ تجویز ہے، پس نہ دہلی کی چالیس کلام خدا ہیں نہ لکھنؤ کی سازشیں وحی بن سکتی ہیں۔ بے طاقت اور طاقتور کا جوڑ مشکل ہے، کمزور اور زور آور کی لڑائی بھی مشکل ہے۔ اور طاقتور سے بھیک مانگ کر گذارہ کرنا بھی مردوں کا کام نہیں۔ طاقت کے بغیر ہندوؤں سے جیتنے یا انگریزوں سے چھیننے کا خیال خام ہے، اس لئے صرف طاقت پیدا کرو، صرف اپنی اصلاح کرو، صرف اتحاد کرو، باقی کام خود بخود ٹھیک ہو جائیں گے۔ اس وقت آٹھ کروڑ مسلمانوں کے اندر جو بات مانی ہوئی ہے یہ ہے کہ انہیں اپنی دوستی کا احساس عام ہے، زوال کا حس عام ہے، خدا کی طرف پھر رجوع ہونے کا خیال عام ہے، ان کو اس فرقہ بندی اور کمزوری سے جو پیدا ہو گئی ہے عام بیزاری ہے، تم میں سے اب کوئی بھی اپنے آپ کو بالاتفاق نہیں منوا سکتا، ایک ہزار یا دس ہزار یا ایک لاکھ ہوں گے جو تم میں سے کسی ایک کے پیچھے چلنے کے لئے تیار ہیں مگر باغیوں کی تعداد پھر بھی پورے آٹھ کروڑ رہی ہے، اب سے پہلے پیروں اور مولویوں نے دین کی بنا پر اُمت کے ہزاروں ٹکڑے لبابائی کی طرف سے کئے تھے اب تم سیاست کی بنا پر اس مرحوم قوم کے چوڑائی کی طرف سے ٹکڑے مت کرو بلکہ ہر مسلمان پر دین اور سیاست یا مذہب اور طاقت کو ایک ثابت کر کے پہلے ٹکڑوں کو پھر جوڑ دو۔ یاد رکھو کہ قوت کا نصب العین دکھا کر قوم کا اتحاد ممکن ہے کمزوری اور شکست

دکھلاکر، ہرگز ممکن نہیں۔ قوم تمہیں اپنا سردار تبھی ماننے کے لئے تیار ہوگی جب اُسکی قوت تمہارے طرزِ عمل سے دس گنا بڑھ جائے گی، اُن کی رہی سہی طاقت کو اور توڑ کر سرداری منوانا صاف ناسمجھی ہے۔ غور کرو کہ نری سرداری فی نفسہٖ کچھ شئے نہیں، نہ شہرت بذاتِ خود پائیدار ہو سکتی ہے جب تک کہ نتائج پائیدار نہ ہوں، سردار بننے اور رہنمائی کرنے میں اگر کچھ رغبت ہے تو اس لئے کہ قوم طاقتور بن جائے، اس کی قوتیں ایک مرکز پر ہوں، اس میں مقابلہ اور لڑائی کی طاقت پیدا ہو، طاقت سے آزادی اور آزادی سے بادشاہت حاصل ہو، آزادی اور بادشاہت کے بعد اگر کچھ اپنی ذات کو بھی نفع حاصل ہو جائے تو دوسری بات ہے لیکن اس سے پہلے کسی وہمی فائدے اور موہوم ہڈی پر لڑنا اور لڑ مر کر اُس فائدے کو اور موہوم کر دینا صریحاً ہوشمندی کے خلاف ہے۔ (باقی)

یاد رکھیے!

○ غنڈہ گردی اور قانون شکنی کے رجحان کو ختم کرنے کے لیے ○ ملک و ملت سے وفاداری کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے ○ قوم کے اندر نظم و ضبط اور سلیقہ پیدا کرنے کے لیے ○ قومی کریکٹر کی تعمیر کے لیے ○ سماجی برائیوں۔ غلط رسومات اور جرائم کے انسداد کے لیے

-------کسی-------

○ مطالبے ○ کسی قانون سازی ○ کسی کتب نویسی اور کتب فروشی ○ کسی وعظ و تلقین ○ کسی ہڑتال' یا کسی ہنگامے ○ کسی سیاسی گٹھ جوڑ یا بیان بازی کی ضرورت نہیں

خاکسار تحریک کی صفوں میں کھڑا ہو کر آپ اپنے ہر قومی روگ کا علاج خود کر سکتے ہیں۔

نواں باب

دردمند مسلمانوں میں اصلاحِ نفس کیونکر شروع ہو

مصنّف - پس اس صورت میں کہ مسلمانوں کو اپنی درستی کا عام حس ہے، رہنماؤں میں درد ہے، بلکہ اُن میں یقیناً اکثر ایسے ہیں جو قوم کی خدمت میں بڑی قربانیاں کر چکے ہیں، رہنماؤں اور قوم دونوں کے لئے کھلا رستہ ہے۔ ان کی آپس کی اِس اُلجھن میں جو پیدا ہو چکی ہے اور جو قوم کے لئے زہرِ ہلاہل سے بدتر ہے، دردمند رہنما کے لئے اسکے سوا کوئی سبیل نہیں کہ سب سے پہلے سیاست سے علیحدگی کا بے دھڑک اعلان کرے، اپنی ٹولی، انجمن، مجلس یا جس شئے سے وابستہ ہے اُسکو حوصلے سے خود اپنے ہاتھوں سے توڑ ڈالے، مسلمانوں کے اندر مختصر الفاظ میں اعلان کرے کہ اس انجمن کا وجود باقی نہیں رہا۔ اعلان کے بعد صرف اس چھوٹے سے محلّے میں جہاں وہ رہتا ہے اصلاحِ نفس کا کام بے خطر شروع کر دے، آپ خدمت کر کے اوروں کو باہمی ہمدردی پر آمادہ کرے، فاروقِ اعظمؓ کی طرح امیر المومنین اور بادشاہِ اسلام ہو کر مشک کندھے پر لادے، بوڑھی، رانڈ اور اپاہج عورتوں، یتیم بچوں اور بیکس لوگوں کے گھروں کی خدمت روزانہ کر کے ہر طرف سے سلام سلام کرتا گزر جائے، عاجزی سے، زمین پر دھیما دھیما چلے، نظریں نیچی ہوں، کلام شیریں ہو، ہر ایک سے مساوات ہو، الغرض خُلق ہو، خدمتِ خلق ہو، خالق کا خوف ہو، ایک ہزار برس کے لیکچروں اور جلسوں یا چندوں اور اشتہاروں سے پیدا کی ہوئی قوت اسطرح پر ایک ہزار گھنٹوں میں اُس محلّہ میں پیدا ہو سکتی ہے اور اپنی گرہ سے ایک پائی خرچ کرنے کے بغیر! اور جس شخص نے سب سے زیادہ اخلاقی جرأت اور مسابقت قوم کی بنیاد کو مضبوط کرنے میں دکھلائی وہی بازی لے گیا، وہی اس محلّے کا نہیں، تمام قوم کا سردار ہے۔

وہی سیّد القوم ہے، امیر المومنین ہے، بادشاہِ اسلام ہے! اگر پچاس شخص بھی اس قطعے کے پچاس مختلف جگہوں میں پیدا ہو جائیں اور اُن میں قوت کی انتہائی بلندیوں کے پہنچنے تلک صرف اسلام کا درد اور خدا کا ڈر موجود رہے تو آٹھ کروڑ کیا سارے چالیس کروڑ مسلمانوں کا بیڑا پار ہے۔ بے درد اور سرکش رہنماؤں کی ٹولیاں اس طرزِ عمل سے آنکھ کی جھپک میں ویران ہو جائیں گی۔ ایک شخص ان کرسیوں پر بیٹھنے والوں اور نِرے حکم چلانے والے رہنماؤں کا چاہنے والا نہ رہے گا سب جُوق در جُوق اُس مشک اُٹھانے والے عاجز امیر کے پیچھے پروانہ کی طرح دوڑیں گے، سب اُس عاجزوں اور بے کسوں کے دستگیر نوکر کو سردار مانیں گے۔ میں نے خود اس سردار بننے کے عجیب و غریب نسخے کو گیارہ برس ہوئے چند گھنٹوں کیلئے آزمایا اور اِس پر یقین کے باوجود حیران رہ گیا کہ کسقدر تیر بہدف اور زود اثر ہے۔ جون کے مہینے میں ایک ناگہاں خانگی مصیبت کے ضمن میں پشاور سے کراچی کا سفر پیش ہوا، اُس وقت "تذکرہ" لکھتا تھا اور قرآن اور خدا سامنے تھا، طبیعت اس قدر بیقرار تھی کہ دنیا کی ہر شئے بے حقیقت اور اپنا وجود سب سے عاجز نظر آتا تھا، بہاولپور اور سندھ کے ریگستانوں میں گرمی وہ کڑاکے کی تھی کہ مسافر کھڑکیوں سے نکل نکل کر پانی کی صدائیں عبث دے رہے تھے، میرے پاس اپنی خادمہ کی پیش بندی کی وجہ سے پانی کا معقول انتظام تھا۔ نرم گدّوں کو حوصلے سے چھوڑ کر صراحی ہاتھ میں لی اور چھ گھنٹہ تک سب کو تقسیم کرتا گیا۔ اس صحبت کا سُرور اب تک ہے۔ یہ اسلئے بھی کہ عمل شروع کرنے کے تھوڑی دیر بعد ہی جس سٹیشن پر صراحی لے کر اُترتا تھا مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے، ہندو، مسلمان، پارسی، عیسائی جن کو میری اس تھوڑی سی خدمت کا علم ہو گیا تھا، اُترتے، ہاتھ اُٹھا کر سلام کرتے یا دعائیں دیتے، نرم گدّوں پر بیٹھے ہوئے ہونے کے خیال سے میرے سادہ لباس کو غور سے تکتے، میری بوڑھی خادمہ سے جو ساتھ تھی سُن کر کہ ولایت چھ برس رہ کر ابھی چند برس ہوئے آئے ہیں اور گیارہ سو تنخواہ

پاتے ہیں ششدر رہ جاتے ، بعض عورتوں نے میرے پاؤں کو ہاتھ بھی لگایا ، میں نے دل میں شرارت سے کہا کہ میرے لئے پیر بننا کچھ مشکل نہیں ! لیکن اس صحبت کا بڑا سرور یہ ہے کہ بعض ایسے دوست پیدا ہو گئے جو آج تک دوست ہیں اور دہلی کی بوڑھی خادمہ کو جو سیاست میں ماہر ہے اس کیف کا یہ نشہ ہے کہ دوسرے چوتھے جب موقع ہوتا ہے کہہ دیتی ہے میاں ! خدا کی شان ، مسافروں میں آپس میں وہ محبت پیدا ہو گئی تھی کہ جنت کا سماں نظر آتا تھا ، اللہ کے لئے ، دوسرا سفر ہو تو یہ جنت پھر دکھا دینا ! رہنماؤں کو مسلمانوں میں اصلاح پیدا کرنے کے لئے ننگ دھڑنگ ہنسنے یا سادھوؤں کی طرح بدن پر راکھ ملنے کی ضرورت نہیں ، صرف درویش صفت ہونا بکار ہے ، یہ ہو تو تاتاری کلاہ رکھ کر بھی لیڈری کر سکتے ہیں ۔ بہر نوع اسلام کی اس بظاہر لاعلاج حالت میں رہنماؤں کے سامنے جو تیر بہدف نسخہ میں نے پیش کیا ہے اس کا پہلا اہم جُز یہ ہے کہ سب رہنما سیاست کی بھول بھلیوں سے الگ ہو جائیں ، قوم کو اس گورکھ دھندے سے الگ کر دیں ، اور انگریز یا ہندو جو کچھ بھی اس وقت دیتے ہیں سردست خاموشی اور بے حسی سے لے لیں ۔ خانہ جنگیوں سے کمزور ہوئی ہوئی بے مرشد قوم کو سیاست کی طرف لے جانا اسی قدر مہلک ہے جس قدر کہ دل کی دھڑکن کے بیمار کو طاقت حاصل کرانے کے خیال سے چڑھائی پر چلانا خطرناک ہے ۔ سیاست بذاتِ خود قوت کا دوسرا نام ہے ۔ سیاست اور حقوق کو زور سے لینا ایک شئے ہے ، اور جو قوم زور آور ہے اُس کے لئے آگے چل کر خود بخود سیاسی بن جانا طبعی امر ہے ۔ پس قوم کو طاقتور اور متحد بنانا سب سے بڑی بلکہ سب سے کھری سیاست ہے ۔ دوسرا جز یہ ہے کہ رہنما اپنے ہاتھ سے اُن انجمنوں کو توڑ ڈالیں یا اُن سے علیحدہ ہو جائیں جو فساد کا باعث ہیں ، اُن بتوں کو خود توڑ دیں جنہوں نے اپنی اپنی الگ عبادت سے قوم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے ۔ تخریب کے بغیر نئی تعمیر محال ہے اور جس معمار

میں اپنی بنائی ہوئی دیوار کو ٹیڑھا اور خطرناک دیکھ کر اپنے ہاتھ سے ڈھا دینے کا حوصلہ نہیں، اُس کی نیّت اِس مکان کے بسنے والوں کے حق میں پرلے درجے کی بُری ہے۔ ایسی دیوار کو گرا دینا سب سے بڑی نیکی ہے، معمار کی محنت دیکھ کر کھڑا رہنے دینا انجام ناشناسی کی انتہا ہے۔ سیاست میں سلامتی سے چلنا قوم کی صحت کی دلیل ہے۔ پس رہنما کی پہلی فکر قوم کی انتہائی صحت اور اتحاد ہونا چاہیئے۔ جس رہنما کو یہ فکر نہیں، وہ رہنما ہرگز نہیں، قوم کا پاسبان ہرگز نہیں، محافظ ہرگز نہیں، نیک نیّت ہرگز نہیں، ناخدا ہرگز نہیں۔ دس برس کی سوچ کے بعد میرے پاس یہی ایک نسخہ ہے دوسرا مانگو تو اس تپ دق کے مریض کے لئے ہرگز نہیں!

○ ○ ○

عشق کا انتخاب دیکھ کوشش رائیگاں نہ دیکھ

☆ حضرت علامہ مشرقیؒ اس پختہ عزم اور عقیدے کے ساتھ عمر بھر جدوجہد کرتے رہے کہ اگر ہم مسلمان ہیں تو پھر غلامی ہمارا مقدر نہیں ہو سکتی۔

☆ مسلمانوں کی آزادی اور سربلندی حضرت علامہ مشرقیؒ مرحوم کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد تھا۔

☆ حضرت علامہ مشرقیؒ خلوص کے پیکر جرات رندانہ کے مالک بلند ہمت اور عزم و استقلال کی ایک مضبوط چٹان تھے۔ آپ نے اپنے نصب العین کی تکمیل کے لئے برطانوی سامراج سے ٹکر لی اور اپنے وقت کی اس جابر ترین سلطنت کو بتایا کہ جب مسلمان اپنی بات پر اڑ جاتا ہے تو وہ پہاڑوں کے دل دہلا اور سمندروں کے سینے چیر دیتا ہے۔

☆ ہماری نگاہ ان مقاصد پر ہونی چاہئے جو شہرہ آفاق انسان لے کر اٹھا تھا اور اس کی اس تحریک پر ہونی چاہئے جس نے قوم سے ایک پیسہ وصول کئے بغیر خدا اور اس کے دین پر کٹ مرنے والے ہزاروں دیوانے اور سرفروش پیدا کئے۔

☆ ہماری قومی زندگی حضرت علامہ مشرقیؒ کی وفات کے بعد ایک بہت بڑے خلا سے دوچار ہے اور کوئی موجود نہیں جو اسے پر کر سکے۔

☆ مورخ نے جب پچھلی نصف صدی کے واقعات پر قلم اٹھایا تو وہ حضرت علامہ مشرقیؒ کی تنظیمی صلاحیتوں کو اور خاکسار نوجوانوں کی سرفروشانہ جراتوں کو خراج تحسین ادا کئے بغیر آگے نہیں بڑھے گا۔

☆ حضرت علامہ مشرقیؒ نے بتایا کہ خالق کو کس طرح بے باکانہ اور تلوار کی دھار پر پیش کرنا پڑتا ہے۔

☆ ضروری نہیں کہ ہر تحریک کو کامیابی نصیب ہو۔ کامیابی بسا اوقات ناکارہ انسانوں کو بھی ملت کا سرتاج بنا دیتی ہے اور وہ گر گیس ہو کر بھی حکیم کہلانے لگتے ہیں۔

☆ حضرت علامہ مشرقیؒ بے نظیر تنظیمی قابلیت کے انسان تھے قدرت نے اپنی گوناگوں صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ اگر وہ کامیاب ہو جاتے تو آج مسلمانوں کی سیاست ملی کا نقشہ ہی اور ہوتا۔

تیری نظر کے سامنے ہے چاند بھی چکور بھی
عشق کا انتخاب دیکھ کوشش رائیگاں نہ دیکھ

دسواں باب

مسلمانوں کے خاص طبقوں کی مذہبی حالت اور اصلاحِ نفس

ہمدرد - جس بےمثال وضاحت اور کمال مہربانی سے جناب نے ان امور کی تشریح کی ہے میں صدقِ دل سے اعتراف کرتا ہوں کہ اس کا شکریہ ادا کرنے کیلئے میرے پاس الفاظ نہیں۔ مجھے یہ بھی اعتراف ہے کہ اس وضاحت کے بعد جو جناب نے کی ہے کسی ہوشمند شخص کیلئے ایسے اصولی اختلاف کی گنجائش نہیں رہی۔ مسلمانوں کو اگر حقیقت میں پھر طاقتور بننا ہے تو اس قیامت میں جو برپا ہے یہ امر یقینی ہے کہ اصلاحِ نفس کے سوا کوئی تدبیر نہیں، اور احساس کے اس ماحول میں جو عام ہے اگر موجودہ رہنما بھی اس تجویز پر عمل کریں اور خطرناک عمارتوں کو ڈھا دیں تو طاقت کی دیوی ایک ہزار کوس سے ایک ہزار قدم پر آسکتی ہے۔ رہنماؤں کے مالی ایثار، محبّ قوم اور دردِ دل کی جو نہایت حوصلہ افزا تصویر جناب نے پیش کی ہے ہمارے لئے بالکل نئی ہے۔ قومی اخبارات سے جو کچھ پتہ چلتا ہے یہ ہے کہ ماسوا اس رہنما کے جس کو اُسکا اپنا حمایتی اخبار آسمان کا فرشتہ بنانے کی سعی کرتا رہتا ہے، باقی شیطنت، بددیانتی، ریاکاری اور نفاق کے پتلے ہیں اور چونکہ ہر اخبار صرف اپنے اپنے بتوں کو سراہتا اور باقیوں کی پگڑی اُچھالتا رہتا ہے لوگ سمجھتے ہیں کہ سب بُرے ہیں یہی وجہ ہے کہ عام مسلمان سب کی حرکتوں بلکہ سب حرکتوں سے بیزار ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ جناب کو بالخصوص اس لئے کہ آپ اخبارات کی باہمی لڑائیوں سے الگ تھلگ رہتے ہیں اور قوم کے اندر جو شرمناک دھینگا مشتی ہوتی رہتی ہے اس سے براہِ راست ناآشنا ہیں، کسی صاحب نے رہنماؤں کے متعلق غلط اطلاع دی ہو، لیکن جناب کا وثوق سے کہنا کہ ان میں اکثروں نے بےمثال قربانیاں کی ہیں اور ہمیشہ اپنی گرہ سے خرچ کرتے

رہے ہے وغیرہ وغیرہ سخت تعجّب میں ڈال دیتا ہے۔ اگر صورت یہ ہے تو میرے نزدیک مسلمانوں
کی قوم بھی ایثار میں کسی دوسری قوم سے کم نہیں اگرچہ آپ کا یہ محاکمہ قطعاً درست ہے کہ کسی کو قوم
کو بڑا بنانے کا سلیقہ نہیں اس نکتے کے متعلق آپ سے ذرا زیادہ وضاحت اسلیئے درکار ہے کہ قوم
ایک مدّت سے ان سے بدظن ہے اور اگر یہ چاہیں کہ آج دس روپیہ کہیں سے چندہ کے
طور پر اکٹھا کر سکیں یا ایک ادنیٰ بات بالاتفاق منوا سکیں تو نہیں کر سکتے۔ جناب کی اس
تقریر سے جو رقت ہمارے دلوں پر طاری تھی اُسکو ضرور آپ نے مشاہدہ کیا ہوگا۔ ہم سب
آبدیدہ تھے اور آنسوؤں کی ارغوانی قطارے جس کی آسمانی سند دیکر آپ نے ہدایت کی
ہے دلوں کی میل کو دھو رہے تھے۔ اس قرآنی آیت کے معنوں کے متعلق ہم حیران ہیں کہ
آپ نے کیا طلسم کر دیا۔ بیسیوں دفعہ پڑھتے تھے اور سمجھ نہ آتی تھی، ادائے خاص سے یُہ نکتہ
سرائی، جناب کو ہزار مبارک ہو لیکن جو نکھار طبیعت میں اس رونے سے پیدا ہوا ہے
اسکی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ اگر قوم میں ان خیالات کی عام اشاعت ہو تو یقین ہے کہ اصلاحِ نفس
کی تحریک کا اسوقت فرض ہونا مسلمانوں پر قطعاً ثابت ہو جائے گا اور عجب نہیں کہ موجودہ
رہنماؤں میں سے درد مند حضرات اس کی حکمت کو دیکھ کر اسمیں جُوق در جُوق شامل ہو جائیں
چند ایک رہنماؤں کے متعلق ہمیں ذاتی طور پر علم ہے کہ وہ مسلمانوں کی موجودہ سیاست سے بیزار
ہیں، اُن کی رائے میں سیاست نے اُمید کے مطابق قوم کو فائدہ نہیں دیا، وہ عام تحریک سے
الگ ہو کر کسی مفید کام کرنے کے درپے ہیں۔ دو ایک اصحاب نے کچھ مدّت ہوئی اس کے
متعلق اعلان بھی کر دیا تھا مگر چونکہ بہتر تجویز شاید نہ کر سکے پھر اُدھر رجوع ہو گئے۔ بہر نوع
اس وقت اصلاحِ نفس کی تحریک کی اشاعت بلکہ اسکو شروع کرنے کے لئے مسلمانوں کے
دلوں کے اندر فضا نہایت موافق ہے اور یقین ہے کہ اسی تحریک کے ضمن میں وہ عظیم الشان
رہنما بھی پیدا ہو جائے گا جس کی اس قدر طلب اور پکار ہے لیکن جناب والا کی اس

آخری تقریر کے ہر نکتے کو پیشِ نظر رکھنے کے بعد جو طبعی اور نہایت مشکل سوال عملی نقطۂ نظر سے میرے دل میں پیدا ہوا ہے یہ ہے کہ اصلاحِ نفس کی تحریک لامحالہ ایک دینی اور مذہبی تحریک ہے اصلاحِ نفس کے معنی جو کچھ میں سمجھا ہوں مسلمانوں کو وہی رسولِ خدا صلعم کے زمانے کے پکّے اور سچے بے خوف و بے ریا مسلمان بنانا ہے، خدا کی راہ میں اسی طرح جان دینے والے مجاہد اور اللہ کے حکم پر آسمان سے لڑنے والے پہلوانوں کا تیار کرنا ہے۔ نہیں بلکہ ایسے خدا ترس اور راستباز مجاہد تیار کرنا ہے جو توپ سے لڑ جانے کی ہمّت رکھنے کے باوجود اللہ کی اس زمین پر دھیمے دھیمے چلیں اور اپنے خلق کے زور سے دُنیا کو مطیع کریں۔ ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں یہ وہی تصوّر ہے جو جناب نے "تذکرہ" میں ایمان کی بحث کے ضمن میں پیش کی ہے۔ گویا اصلاحِ نفس پیدا کرنا اور پھر مومن بن جانا ایک شئے ہے۔ اگر میں نے جناب کے منشاء کو صحیح سمجھا ہے اور اصلاحِ نفس کی تحریک میں مذہب کے سوا کوئی دوسری چاشنی نہیں تو اوّلاً مذہب کی طرف جو کچھ مُسلمانوں کا رُخ اسوقت ہے بلا یورپ کی مادیّت کے طوفان کے بالمقابل جو کچھ قدر دنیا میں مذہب کی رہ گئی ہے سب پر عیاں ہے اور جناب والا پر سب سے زیادہ اسکی تشریح کی ضرورت نہیں۔ دوئم مسلمانوں کے اُن طبقوں میں جو کسی نہ کسی رنگ میں مذہب سے وابستہ ہیں۔ مذہب زیادہ سے زیادہ ایک دکانداری یا سوداگری ہے۔ یا قرآن نماز وغیرہ پڑھ پڑھا کر مزدوریاں ہیں یا پیر پرستی، قبر پرستی اور فرقہ پرستی کی تجارت ہے۔ سوداگر اور گاہک دونوں مطمئن ہیں اور اسلام کی صحیح رُوح کی بیخ و بنیاد نکل چکی ہے۔ علانیہ شرک اور بُت پرستی ہے۔ پیروں کو خدا سے بہتر مانا جاتا ہے، بدترین باتوں کا جواز ہے، نفس کی پیروی ہے، خُدا، قرآن، دینِ اسلام، رسولؐ سب سے سچّی دشمنی ہے، سوئم اُس ذرا روشن خیال طبقے میں جو قرآن اور اسلام کو خود دیکھتا ہے اور جس میں ایک حد تک وہ علمائے دین بھی شامل ہیں جن کی مستقل مذہبی دکانیں نہیں، اُن میں جیسا کہ جناب نے "تذکرہ" میں بھی کہا ہے

ہولناک فرقہ بندیاں ضد اور آپس کی بغاوت پر ہیں، قرآن کی ایک ایک آیت پر جھگڑا ہے، حدیث پر جھگڑا ہے، فقہ اور رسوم پر جھگڑا ہے، اسلام کی غرض و غایت پر جھگڑا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ "تذکرہ" کی اشاعت کے بعد ان جھگڑوں کا قلع قمع اگر نہیں ہوا تو حیرت انگیز طریقہ پر کم ضرور ہو گئے ہیں۔ بہتوں نے خاموشی ضرور اختیار کر لی ہے، بہتوں کی تحریر و تقریر کا انداز ضرور بدل چکا ہے تاہم جو بات اس طبقے میں سب سے زیادہ ظاہر ہے یہ ہے کہ اُن کے سامنے اسلام کو پھر بڑا بنا دینے کی کوئی مستقل تجویز نہیں۔ بڑی سے بڑی خدمت جو ان سے کوئی لے سکتا ہے نوحے اور مرثیئے، جلسے اور انجمنیں، یا غایت "پدرم سلطان بود" کی بحثیں ہیں لیکن اگر کام کا وقت آئے تو ان کے گھٹنوں میں درد شروع ہو جاتا ہے یا کوئی آیت اور حدیث عذر میں پیش کر دیتے ہیں۔ چہارم، مسلمانوں کے یورپ اور انگریزی تعلیم سے متاثر دو بلکہ تین طبقے ہیں۔ ایک قدرے آسودہ حال وہ طبقہ ہے جو اعلیٰ تعلیم سے فارغ ہو کر دنیاداری کے مشغلوں میں لگا ہے، مدرسوں کی تعلیم کے باوجود اسلام کا نام سنا ہے، نماز روزہ نصفا نصف، قومی چندہ خیرات کچھ نہ کچھ، زکوٰۃ کا ذکر الم غلم شرعی ڈر سے ہو رہتا ہے مگر مذہب اُن کے نزدیک سیاست اور دنیاداری سے قطعاً جدا ہے اور اولاد اور پیٹ کے دھیان کے بعد مست ہو کر سو رہنا اُن کے نزدیک مسلمان کا معمول ہے۔ جنت میں جانے کا خیال اُن کو کبھی کبھی ستاتا رہتا ہے اسلئے پنشن پا کر یا سفید ریش ہو کر قرآن، تسبیح، روزہ، حج کا ذکر وغیرہ لے بیٹھتے ہیں یا اور کچھ نہ ہو سکے تو نماز کی ٹُکر کو ذرا اونچا کر دیتے ہیں۔ اس طبقے کو "تذکرہ" پڑھ کر بڑا زخم لگا ہے اور اب کچھ حیران ہے کہ کیا کرے۔ اسی میں ہم لوگوں کو داخل سمجھ لیجئے یا اُوپر والے طبقے میں لیکن ہمارے اور اُوپر والے طبقے کے اعضا کی بناوٹ ایک سی ہے۔ اُن کے پاس کام نہ کرنے کی سند اگر آیت یا حدیث ہے تو ہمارے پاس ان کے علاوہ لندن کی بنی ہوئی منطق ہے۔ اس سے ہم اپنے ایک ایک عمل بلکہ ہر ایک بے عملی کو صحیح ثابت کر

سکتے ہیں، انگریزوں کی ملازمت اور خدمت اسلام کا جزو ثابت کر سکتے ہیں، اقرب للمودۃ کی آیت نہایت تحکم سے پیش کر سکتے ہیں، اُولِی الامرِ مِنکُم کو روشن دلائل سے انگریز ثابت کر سکتے ہیں، انگریز کی اطاعت سیاہ حبشی کی اطاعت سے افضل بتلا سکتے ہیں، خان بہادری اور پنشن کو اللہ کا فضل کہہ سکتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ دوسرا اور خطرناک وہ طبقہ ہے جس کو انگریزی تہذیب اور تعلیم کی چمک نے بالکل چکا چوند کر دیا ہے، وہ قرآن کو اپنے گھر رکھنا عار سمجھتے ہیں، اسلام اور خدا کا نام لینے والوں کو مولوی کا خطاب ضد سے دیتے ہیں، بڑے بڑے عہدے سرکار کے ہاں سے لینے کی خاطر مکّہ کو فروخت کرنے کیلئے تیار ہیں۔ عین روزوں میں چائے اور انگریزی قفلیوں کی پارٹیاں رچاتے ہیں، نماز کے وقت کوئی باہر چلا جائے تو پتلون میں ہاتھ ڈال کر ڈٹے رہتے ہیں اور اگلے موقع پر اسکو ملّا سمجھ کر نہیں بلاتے، عورتوں کو بے پردہ کر کے انگریزوں کے ساتھ نچواتے ہیں، تھیئیٹر ہے، سینما ہے، فونوگراف ہے، انگریزی لباس ہے، انگریزی خوراک ہے، انگریزی رہائش ہے، انگریزی لہجہ ہے، انگریزی طریق پر استنجا ہے۔ آٹھ برس ہوئے ان میں سے ایک صاحب کے ہاتھ جبکہ وہ ایک درمند مسلمان کے مہمان تھے، قرآن چڑھ گیا۔ حاشیہ قریباً صاف تھا اور اُردو کا سلیس ترجمہ تھا۔ آرام کرسی پر بیٹھ کر اور دونوں ٹانگیں دراز کر کے دیکھنے لگے کہ صبح کا اخبار نہ پہنچنے کی بیتابی کم ہو چکی تھی۔ میں نے دُور سے دیکھا کہ حاشیہ پر کچھ لکھ رہے ہیں۔ دس منٹ کے بعد مجھے چین نہ رہا، لپکا اور کہا حضرت کیا مطالعہ ہے، مسکرا کر فرمانے لگے کہ قرآن پر نوٹ لکھ رہا ہوں۔ میں نے دوستی سے نسخہ ہاتھ میں لیا۔ کسی جگہ ویل ڈن، اور آئی ایگری، یعنی بہت خوب' اور 'میں متفق ہوں' لکھا تھا، کسی جگہ 'نونسنس' یعنی 'محض بیہودہ'، ایک جگہ لمبا نوٹ تھا اور کسی فلسفی کے حوالے سے قرآن کی اس اٹل حکمت کو غلط کہا تھا۔ میں نے ڈیڑھ گھنٹے تک وہ آڑے ہاتھوں لیا۔ سات پشتوں تک

وہ تابڑ توڑ صلواتیں سنائیں، منطقی دلائل وہ پیش کیے۔ انگریزی تہذیب اور اُس فلسفی کی وہ گت بنائی کہ مسٹر کے ہوش اور صاحب کی ٹوپی اور پتلون کی دھجیاں اُڑا دیں۔ مجھے ڈر تھا کہ بڑے ڈپٹی ہیں کہیں چھ مہینے کسی دفعہ میں نہ دھر دیں مگر میرے سلوک کی شکایت صرف میزبان تک رہی اور میزبان صاحب نے در پردہ مجھے دو دفعہ کہا کہ خوب کیا! حضرت اکبرؒ نے اس انگریزیت اور تفریج کا خاکہ اڑا کر قوم کے ایک بہت بڑے حصے کو ان سے بیزار کر دیا ہے لیکن یہ طبقہ خطرناک اس لئے ہے کہ انگریز چونکہ کسی قیمت اور کرتوت پر بھی ہندوستانی کو برابری نہیں دیتے اسلئے یہ لوگ اُن سے عہدے اور عزت لینے کی خاطر "محمد ظن" بنے رہتے ہیں، قومی انجمنوں کے بڑے عہدے اور قومی تحریکوں کی برائے نام سرداریاں کسی نہ کسی طرح اُنکے ہاتھ میں ہیں، نفع پیش نظر ہو تو قوم کے قائم مقام خود بخود بن جاتے ہیں، حکومت کے پاس قوم کی طرف سے وفد بن بن کر جاتے ہیں، جو حکومت چاہے قوم سے کروا کر اپنا ٹھکا کھرا کرا لیتے ہیں۔ حکومت کے اُلٹ جانے کا خطرہ ہو تو قوم کو پُرامن رہنے اور بھائیوں سے لڑنے کی 'نیک صلاح' دیتے ہیں، بغداد فتح ہو تو قوم کی طرف سے گورنر کو مبارکباد کی تار بھی دلوا دیتے ہیں، خوشامد کرنی ہو تو یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے عزتِ نفس انگریزوں سے سیکھی اس سے پہلے ہم نہایت ذلیل تھے۔ الغرض یہ وہ رہنما ہیں جن کے بارے میں کچھ دیر ہوئی آپ نے کہا تھا کہ پھولدار پودے ہیں، گملوں میں الگ لگے ہیں اور صرف سجاوٹ کا کام اُن سے نکل سکتا ہے۔ اِن دو طبقوں کے علاوہ ایک اور نیم تعلیم یافتہ طبقہ ہے جو نیم تعلیم ہونے کے باعث خطرۂ ایمان ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اس ناقص تعلیم کا سب سے ناقص حصہ ہے کہ طاعون کی طرح شہروں اور قصبوں میں روز بروز پھیل رہے ہیں۔ انگریزی کی شُد بُد اور کہیں نہ کہیں روزگار بھی لگا ہے مگر مذہب کی بیخ و بنیاد تمام خاندان سے اُکھڑ گئی ہے۔ گھر کی عورتوں اور دُور دُور کے رشتہ داروں تک تہذیب کی وہ لاگ لگی ہے کہ قرآن، نماز کا نام

کیا، اونچی ایڑی کے بوٹوں اور پھولدار جرابوں، لیسوں اور فیتوں، فراکوں اور ساڑھیوں کے سوا کوئی ذکر ہی نہیں رہا۔ جو کام ایک سو پادری تنخواہ لے کر نہ کر سکتے تھے وہ کام اُن میں سے ایک ایک شخص بلا اُجرت کر رہا ہے۔ میں نے بہت سا قیمتی وقت اس تفصیل میں صرف کیا ہے مگر اس کے بغیر چارہ نہ تھا تو اس صورت میں کہ اصلاحِ نفس ایک خالص مذہبی تحریک ہے، خدا کے ڈر کو پھر دلوں میں پیدا کرنا ہے، قرآن اور اسلام کو پھر زندہ کرنا ہے اور خداوندِ عالم اور دینِ خدا سے رغبت کا مسلمانوں میں یہ حال ہے جو عرض کیا، کیا چاشنی اور کیا مزید ارشئے ہو جو مسلمان کو اس تحریک کی طرف ذوق وشوق سے خود بخود متوجہ کر سکے، اُن میں اس حرکت میں شامل ہونے کی رغبت آپ پیدا ہوتی جائے، اُن میں دلیل اور منطق سے واضح ہو جائے کہ یہی ٹھیک رستہ ہے، اُنکے دلوں کے اندر سے یہ حس پیدا ہو کہ اصلاحِ نفس ہماری بہتری کا واحد علاج ہے، ہماری اوّل اور آخری سیاست ہے ہماری آئندہ بہتری کا پیش خیمہ ہے، ہمیں طاقتور بنانے کا واحد اوزار ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جناب مذہب کی وساطت سے سیاست پیدا کرنا چاہتے ہیں بلکہ مذہب اور سیاست کو ایک ثابت کر کے خُدا کی طرف پھر رجوع پیدا کرنے کے خواہاں ہیں۔ طریقہ یہی درست ہے، اس وقت ضرورت بھی اسی کی ہے، اس میں ہم خُرما و ہم ثواب بے شک ہے لیکن تمدّن کے اس رنگ میں جو غالب ہے اور جس سے خدا کا تخیّل نکل چکا ہے کوئی محرک، کوئی اُکسانے والی شئے ضرور ہونی چاہیئے جو اصلاحِ نفس جیسی تکلیف دِہ شئے کو دلچسپ بنا کر اس کو عام مسلمانوں میں چلتا کر دے۔ ایسی تجویز کو مفید بنانے کے لئے عالمگیر عمل درکار ہے اور یقیناً کوئی تجویز قابلِ توجہ نہیں جب تک کہ اُس کو عمل میں لانے کی بہترین تدبیر پہلے نہ سوچ لی جائے۔ تیرہ سو برس کے بگڑے ہوئے مسلمان مجھے ڈر ہے کیونکر "اصلاحِ نفس" کی پھیکی اور بے سُری آواز سے اُٹھ کھڑے ہونگے،

تیرہ سو برس کے سوئے ہوئے کیونکر یک دم جاگ اُٹھیں گے۔ اِن صورتوں کو جگانے کے لئے اسرافیل کے صُور کی ضرورت ہے، نبیوںؑ کے معجزوں کی ضرورت ہے، مسیحاؑ اور محمدؐ کی ضرورت ہے۔ اور اگر یہ نہیں تو کم از کم اصلاحِ نفس کی حرکت کے اندر خود بخود اس قدر کشش اور اس قدر زور ہونا چاہیئے کہ اس کو چلانے کے لئے کسی قُم بِاِذنِی کی ضرورت نہ پڑے۔

قائد خاکسار تحریک ..... حمید الدین احمد ابن المشرقیؒ

گیارہواں باب

عام مسلمانوں کے ایک بڑے حصے میں مذہبی حس موجود ہے

مصنف ۔ جناب والا! آپ نے نہایت ہوشمندی اور دُور بینی سے قریب قریب وہی سوال پوچھا جس کی مجھے گفتگو کے اس مرحلے پر خواہش تھی بلکہ انگریزی تہذیب کے نقصان دہ اثرات اور مسلمانوں کے ایک حصے کی مذہبی حالت کے متعلق ایک حد تک خود ان معاملات کو پیش کر دیا جو مجھے اصلاحِ نفس کی تحریک کی تشریح کے ضمن میں بعد میں کھولنے پڑتے۔ آپ کی اس دلچسپ بلکہ فکر افزا تقریر کے بعد میں اس بات پر خوش ہوں کہ آپ نے کم ازکم اصلاحِ نفس کی تحریک کی رُوح کو سمجھ لیا ہے جو اِس کی کامیابی کی فکر میں ہیں اور جو عظیم الشان نتیجے اس سے پیدا ہو سکتے ہیں اُنکو تسلیم کرنے میں آپکو عذر نہیں۔ تاہم اس قدر گفتگو کے بعد بھی معلوم ہوتا ہے کہ قوم اور قومی کارکنوں پر آپ کا پورا اطمینان اب تک نہیں ہوا۔ اور اگر اس تجویز کو دلچسپ بنانے اور اس میں چاشنی پیدا کرنے سے آپ کی مراد یہ ہے کہ میں اصلاحِ نفس کی تجویز کو کسی ناول یا ڈرامے کا لباس پہنا کر قرآن پر نوٹ لکھنے والے حضرات کی دلچسپی کے لئے اس کو کسی تھیٹر یا سینما کے رنگ میں پیش کروں تو میں کہوں گا کہ آپ نے مجھے سرتاپا غلط سمجھا۔ اور میرے پاس اس قطع کی کوئی تجویز ہرگز موجود نہیں۔ نیک بننا اور دنیا میں نیکی پھیلانا بذاتِ خود ایک نہ ختم ہونے والی تکلیف اور بڑے دردِ سر کو مول لینا ہے، شیطان کی پُر رونق مجلسوں، نڈر بستیوں اور باغی آبادیوں کو اُجاڑ کر اُداس چہروں، عاجز لوگوں اور ڈرے ہوئے بندوں کو لا بسانا ہے۔ نیکی کی سرِدست کوئی اُجرت نہیں، نیکی کی اُجرت بذاتِ خود نیکی ہی ہے اگر

اس کو اُجرت کہا جاسکے، بلکہ خدا کے کسی کام میں بھی فوری اُجرت کا مِل جانا محال ہے۔ شیطان
کا اگر اس زمین پر غلبہ ہے تو اس کا راز یہ ہے کہ شیطان اپنے کام کی اُجرت فوراً اور نقد نقد دے
دیتا ہے۔ اگر زنا کرواتا ہے تو ساتھ ہی مزا ہے، جھوٹ بلواتا ہے تو ساتھ ہی نفع ہے، قتل
کرواتا ہے تو ساتھ ہی نفس کو تسلّی ہے، چوری کرواتا ہے تو ساتھ ہی مفت کی دولت ہے،
آگے چل کر اور اُجرت لے لینے کے بعد بیخ اُکھڑ جائے تو اور بات ہے مگر سودا اس قدر نقد نقد
ہے کہ سب سودائی ہیں، کسی کا سر نہیں کہ چند قدم آگے تو دیکھ لے۔ برخلاف اسکے اللہ میاں کا
سب کام ادھار پر ہے، دس گنے اُدھار پر ہے، مہینے کے اخیر کی تنخواہ پر ہے، آخرت پر
ہے، اس میں انجام بخیر ہے، بالآخر فائدہ ہے، آگے چل کر بہتری ہے، سب کی بہتری ہے
قوم کی بہتری ہے، اپنی بہتری یہاں پر نہ بھی ہو تو آخرت اور قیامت کو جنّت ضرور ہے۔
لیکن سرِ دست صرف تکلیف ہے، پہلے کچھ مزدوری نہیں، فوراً کوئی اُجرت نہیں۔ یہ اسلئے کہ
اس دنیا کے کارخانے کی بنا سعی و عمل پر ہے، جس قدر تکلیف کسی نے اٹھائی اُسی قدر اجر
آخر کو مل گیا۔ شیطان اس کارخانے کی بنا کو توڑنا چاہتا ہے اور بغیر تکلیف کے اُجرت دے
دیتا ہے۔ پس نیکی اور بیگار ظاہراً ایک شئے ہیں اور بیگار کو جس قدر دلچسپ اور جاذب بھی
بنانے کی کوشش کی جائے آخر بیگار ہے۔ اس صورت میں آپ کی یہ اُمید کہ قرآن پر نوٹ
لکھنے والے یا مکہ کو فروخت کرنے والے حضرت اصلاحِ نفس کی تحریک کو سینما کا تماشہ سمجھ
کر شوق سے شامل ہو جائیں گے عبث ہے۔ یہ حرکت انہی دردمند، بے غرض، بے سرو
سامان، غریب دل اور اللہ کے مزدوروں کی ہے جن کی صرف انجام پر نظر ہے، آخرت پر نگاہ
ہے، مستقبل پر دھیان ہے، نقد اُجرت مانگنے والوں اور اپنا ٹکا کھرا کر لینے والوں کا گذارہ
یہاں پر ہرگز نہیں۔ آپ نے غالباً غور نہیں کیا لیکن کچھ دیر ہوئی میں نے خود کہا تھا کہ جس
وقت نفس کی اصلاح شروع ہو جائے گی لوگ جوق در جوق اس میں شامل ہوتے جائینگے

بلکہ اصلاح کی خواہش کے اس عام ماحول میں جس قدر دلچسپی جس قدر کشش اور مقناطیسی تڑپ اس تحریک میں ہوگی تھیٹر کے کسی بڑے حسن و عشق کے تماشے یا آتشبازی کی کسی بڑی سے بڑی نمائش میں نہ ہوگی۔* اس دل چسپی اور کشش کا روشن ثبوت میں نے اپنے کراچی کے سفر کی حکایت میں کھول کر دے دیا ہے اور عقلمند کے لئے اشارہ کافی ہے۔ آگے چل کر میں آپ کو بتلاؤں گا کہ اس تحریک میں منطق کیا ہوگی کہ سب مسلمان مذہباً بالآخر مجبور ہو جائیں گے، اس کا لباس کیا ہوگا کہ ہر ایک میدان میں چار و ناچار کود پڑے گا۔ صرف موٹر کے انجن کی طرح مختلف جگہوں میں بیک وقت اور مناسب اشخاص کی رہنمائی میں چلانے کی دقت ہے، یہ دقت رفع ہو گئی تو سب مشین چالو ہے۔ لیکن یہ امر یقینی ہے کہ کاغذ سے استنجا کرنے والے حضرات پھر بھی بنگلوں میں بیٹھے نیک صلاح ہی دیتے رہیں گے، عین نتائج کے وقت اپنا ٹکا کھرا ہوتا دیکھ کر ہاتھ پتلون سے باہر نکال لیں اور بات ہے لیکن انکا مشک کندھے پر اٹھانا اور اس حرکت کی رہنمائی کرنا خیالِ خام ہے۔ آپ نے مسلمانوں کے مختلف طبقوں کی مذہبی حالت کو جس خوبی اور سچائی سے پیش کیا ہے اب ہر شخص کو خیال آنا چاہیئے کہ میں کس گروہ میں ہوں لیکن امت کے ایک نہایت قلیل حصے کی جو غالباً شہروں اور قصبوں میں رہنے کی وجہ سے آپ کے پیش نظر ہے اس عمدگی سے تقسیم کر کے روپیہ میں سے اُس پندرہ آنے کو معاف فرمائیں، ظلم سے بھول گئے جو قوم کی اصلی جان اور اس کی تمام صلاحیتوں کی روحِ رواں ہیں مجھے یقین ہے کہ آٹھ کروڑ مسلمان مردوں اور عورتوں میں سے جو اس وقت ہندوستان میں ہیں دس ہزار مرد اور عورت غالباً ایسے نہ ہوں گے جن کی ٹھیٹھ انگریزی رہائش اور جن کو اسلام اور قرآن سے دلی نفرت ہے! دو لاکھ ایسے نہ ہوں گے جن کو برسرکار اور اعلیٰ تعلیم یافتہ آپ نے کہا ہے، دو لاکھ نہ ہوں گے جن میں علمائے دین کو آپ نے شامل کیا ہے، دس لاکھ ایسے ہرگز نہ ہوں گے جو پیر پرستی

* دیکھو صفحہ ۳۸ پر

اور قبر پرستی میں مبتلا ہیں اور جن کا تمام شغل پیری مریدی ہے، پندرہ لاکھ نوے ہزار ایسے ہوں گے جو کمیٔ تعلیم کے باعث انگریزی تہذیب کے دلدادہ ہیں۔ اس تیس لاکھ کو اور بڑھا کر پچاس لاکھ فرض کر لیجئے اور اس میں مجھ جیسے بُرے لوگوں، نکموں، بھک منگوں اور دوسری قطع کے بے دینوں کو داخل سمجھ لیجئے۔ پچاس لاکھ اور آٹھ کروڑ کی نسبت ایک آنہ اور ایک روپیہ کی نسبت ہے اور میرا اندازہ درست تھا کہ آپ نے روپیہ میں سے پندرہ آنے کو نظر انداز کر دیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا پیشہ صرف حلال روزی ہے، نور کے تڑکے اُٹھتے ہیں اور خُدا کا نام لے کر اپنے اپنے کام میں لگ جاتے ہیں، ہاتھ اور پاؤں کا کام کرتے ہیں، مرد ہو یا عورت تمام دن ان کو اُس دستکاری کے سوا کوئی غرض نہیں جس کے بل پر تمام گھر کو روٹی نصیب ہوتی ہے، ان کے بچے بھی بعینہٖ اسی انداز پر پرورش پا رہے ہیں، ان کو صرف اپنے ہاتھ پاؤں پر فخر ہے بھیک مانگنے میں عار ہے، مُنہ میں صرف خُدا اور پیغمبر کا کلمہ ہے، کسی پیر سے لگاؤ نہیں، کسی قبر پرستی کی طرف رجوع نہیں، پسینوں پر پسینے آتے ہیں مگر یہ مردِ میدان اپنی ہٹ پر اڑے ہیں بھک منگوں، پیر پرستوں، سجادہ نشینوں اور بیکار بندوں کو علانیہ مخول کرتے ہیں اور مرید کچھ کہے تو اُس کی گت بناتے ہیں۔ ان لوگوں میں عجب دینداری ہے۔ ابھی کل ہی کی بات ہے کہ ایک بیس برس کا نہایت خوبصورت جوان موم جامے پر لکھا ہوا پرچہ میرے سامنے لایا۔ لکھا تھا کہ یہ اور اس کا بھائی پہلے دولتمند اور ڈرا خاندان سے تھے، اب سات ماہ ہوئے پیر صاحب کے ہاتھ پر بیویوں سمیت مسلمان ہوئے ہیں۔ میں نے کہا اس قدر دُور کیوں آئے اور مسلمان بنکر اس جوانی میں بھیک مانگنے ہو۔ عذر کرنے لگا اور کہا کہ قرآن شریف میں تو لکھا ہے کہ بادشاہ بنو! اتنے میں زیادہ زبر کام کرنے والا ازدہ کشش جو پہلے واقف نہ تھا دُور سے تماشہ کرنے لگا۔ میں نے ..

کہا اچھے ہو تو قریب آگیا۔ گفتگو سُن کر اُس جوان سے کہنے لگا کیا مسلمان اس واسطے ہوئے تھے کہ مسلمانوں ہی کی جیبیں کترو، بیویاں پیر جی کے پاس چھوڑ آؤ، امام حسنؓ اور امام حسینؓ کا قصّہ کبھی سُنا ہے کہ سر کٹوا دیا مگر کسی سے سوال نہ کیا! یہ بعینہٖ اُس کی پنجابی کی اُردو ہے اور جس وثوق اور تحکّم سے کہا اُس کے بیان کرنے کی مجھ میں طاقت نہیں۔ یہ نہایت مصروف لوگ ہیں، کسی سے دیر تک بات کرنے میں بھی اُن کا ہرج ہے مگر کوئی اچھے کپڑوں والا آسودہ حال ان سے برابری برتتے تو اسلامی شان دیکھ کر مست ہو جاتے اور گھنٹوں تک اُس کے ساتھ رہتے ہیں۔ ذرا سی نیکی کرو تو ہر جگہ اشتہار دیتے ہیں، بات معقول کہو تو فوراً مان لیتے ہیں۔ میں نے ارّہ کش کو سلام کیا تھا تو دو گھنٹے کے بعد چھٹی کے وقت اپنے دو۲ اور ساتھیوں کو لے آیا۔ میں نے پھر سلام میں پہل کی اور کہا آؤ بیٹھ جاؤ، تینوں بیٹھ گئے۔ نجّار تو تھے ہی دروازے پر دیسی زنجیر دیکھ کر ایک بولا کہ انگریزی جوڑی پر ولایتی چھپکا ہی سجتا ہے۔ میں نے کہا۔ بھئی جو مضبوطی اس میں ہے چھپکے میں کہاں، وہ چھپکا بھی لگا تھا بچّے نے دھکّا دیا اور ٹوٹ گیا۔ یہ زنجیر دس گنا مضبوط ہے اور قیمت دس گنا کم۔ مجھے یہ بتاؤ کہ فرنگی خون کا آخری قطرہ نچوڑ کر لے گئے، روٹی پیٹ بھر کر نہیں ملتی، گھر میں چاندی کا چھلّا تک نہیں رہا اور ابھی تمہاری نظریں ولایتی چھپکوں پر ہیں۔ اِن چند لفظوں کا وہ اثر ہوا جو "تعلیم یافتہ" طبقے پر ایک برس کی تقریروں سے نہ ہو سکتا تھا۔ آپس میں اس ایک لاکھ روپیہ کی بات پر بحث کرنے لگے اور طے ہوا کہ آگے کو ولایتی شئے جب تک کہ اس کے بغیر کام نہ چلے نہ لیں گے۔ میں نے کہا میں اُنیس۱۹ برس سے یہی کر رہا ہوں تو بولے خان جی! ہم کو کوئی بتلانے والا نہ تھا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو سچ مچ مسلمانوں کی اُمّت کی جان ہیں، اِن کے ہاتھ پاؤں کے عمل کو دیکھ کر سہارا

ہوتا ہے کہ قوم مُردہ نہیں ہوئی، اُن کی غریبی اور غریبی کے باوجود بیمثال جسمانی صبر اور تحمل کو دیکھکر شک پڑتا ہے کہ یہ کیونکر جیتے ہیں، ان میں طاقتِ عمل کہاں سے آتی ہے، یہ اس قدر مطمئن اور خوش بخوش کیونکر ہیں، ان میں خدا کی اس قدر بے توجہی کے باوجود خُدا سے عقیدت کیونکر ہے، مسجدیں سر بسر انہی سے آباد ہیں، عیدگاہوں میں اِن کی نسبت دیکھ لیجئے، حاجیوں کے بندرگاہ پر اُنکے سوا کوئی نظر نہیں آتا، اللہ اکبر کے زندہ نعرے انہی کے ہیں، نبیؐ پر درود ہو تو گمان ہوتا ہے کہ دُور سے جے بول رہے ہیں، مدرسوں کے پڑھے ہوؤں کو کہا جائے تو شرم سے تک کر اور گھنگھنیاں مُنہ میں لے کر گُن گُن کر جاتے ہیں۔ میں نے خود بہتیری مشق کی ہے وہ خلوص اور زور ہرگز نہیں آتا! عید، عاشورہ، شبِ برات، ختم، مولود، بارہ وفات سب انہی کے ہیں، زکوٰۃ انہی کی ہے، اماموں کی روٹیاں اور فقیروں کا آٹا انہی کا ہے۔ الغرض دینداری جو کچھ بھی متعارف ہے انہی کے باعث ہے! ایک نو وارد امام نے لاہور میں کچھ مدّت ہوئی روزانہ روٹی کیلئے اپنے چھوٹے سے یتیم بھتیجے کے ہاتھ مجھے خط بھیجا۔ کہا عیسائیوں کا محلّہ ہے۔ مجھے چند روز ہی وہاں پر رہنا تھا لیکن شرم سے اقرار کرتا ہوں کہ خط پڑھ کر میری نیّت درست نہ تھی۔ جوش میں خیال تھا کہ امام کما کر کھائیں۔ چند دوست بھی موجود تھے۔ بچے سے کہا چچا کو کہو خود آئے پھر انتظام کر دیں گے۔ یہ بھی جھوٹ تھا۔ غیرت مند کو اللہ نے وحی کی اور اس کو ٹال مٹول سمجھ کر نہ آیا یا بچے نے ہی درست پیغام نہ دیا۔ رنج بعد میں آیا جب سمجھا کہ اِن دین کے رہے سہے علمبرداروں کو کون دے گا جو ہم نہ دیں گے۔ ہم نہ دینگے تو صبح کی اذان کی سُریلی آواز بھی کہاں رہے گی! الغرض یہی غریب اور پیشہ ور لوگ ہیں جو دین کی چھت کو تھام رہے ہیں۔ مدرسے والوں پر حصر ہوتا تو کب کی گری ہوئی ہوتی۔ اِن کی نہ کسی فرقہ بندی پر بحث ہے، نہ آیت پر جھگڑا ہے، نہ مُرشد سے لگاؤ ہے، سیدھی سادی

نماز وغیرہ پڑھ لیتے ہیں اور تسلّی ہے کہ مسلمان ہیں بلکہ مولوی کا جنّت کا وعدہ بھی ہے۔ میں نے افریدیوں مہمندوں، وزیروں بلکہ مصریوں عربوں اور فلسطینیوں میں بھی اس قطع کے مسلمانوں کو کثرت سے دیکھا ہے لیکن مولویانہ مذہب کی جو شدّت ہندوستان میں ہے کہیں نہیں۔ ان لوگوں کو خیال ہے کہ حضرتؐ نے غریبی اپنی اُمّت کے لئے خُدا سے خود مانگی تھی، باقی اُمتّوں نے دولت پسند کی تھی۔ میں اس اعتقاد کو سُنکر تھرّا اُٹھا فوراً کہا بھئی! یہ پٹّی تم کو کس نے پڑھائی؟ حضرتؐ تو اُمّت کو بادشاہ بنا کر گئے تھے اور ہزار برس تک اُمّت بادشاہ ہی رہی! بعد میں سوچا کہ غریبی میں ایمان قائم رکھنے کا خوبصورت طریقہ ہے۔ کسی مولوی نے سمجھا ہوگا کہ ان کو دولتمند بنانا تو بس کی بات نہیں رہی۔ پھر غیروں کی دولت دیکھ کر دین کی محبت کیوں چھوڑیں۔ "الفقر فخری" کی حدیث تو ہے ہی، تاویل کر لیں اور جنّت کا وعدہ دے کر ان کو غریبی میں مگن کر دیں! الغرض یہ اُن کی عقیدت اور یہ اُن کا مذہب ہے۔ (باقی)

~.~.~.~.~

بارہواں باب

عام مسلمانوں میں کیا بےمثال صلاحیتیں اس وقت موجود ہیں

مصنّف ۔ لیکن ہندی مسلمانوں کے اس عظیم تر حصّے میں عظیم الشّان قوم پھر بننے کی صلاحیتیں جو اِس وقت موجود ہیں ایسی ہیں کہ کوئی دوسری قوم شمار کے لحاظ سے ان کے برابر نہیں۔ زراعت کا تمام پیشہ سربسران کے ہاتھ میں ہے، مزدوری، حمّالی، باربرداری وغیرہ اس میں شامل کرلیجیے اور طاقت، صحت، شجاعت اور محنت کی اہلیت جو کچھ ان پیشوں میں ہے واضح ہے۔ تکلیف برداری کی اِسی اِستعداد کے باعث انگریزی فوج اور پولیس کی تین چوتھائی سے زیادہ ملازمتیں مسلمانوں کے ہاتھ میں ہیں۔ دستکاریوں اور ہاتھ کے پیشوں کے متعلق ابھی اشارہ کیا تھا لیکن اگر غور سے اُن تمام دیسی اور غیر دیسی دستکاریوں کا جو اسوقت ہندوستان میں موجود ہیں مطالعہ کیا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ کھدر کے بُننے والے جولاہے سے لے کر جرمنی کی وضع کے آئل انجن ڈھالنے والے انجنیئر اور مٹی کے برتن بنانے والے کُمہار سے لے کر وائسرائے کے دہلی والے محل کی چھت پر میناکاری کرنے والے مصوّر تک سب مسلمان ہیں۔ کشیدہ، قروشیہ، پُھلکاری، زردوزی، سلمہ، بنارسی اور کشمیری کام، طلاکاری، ظروف سازی، میناکاری، کتابت، غالیچہ بافی، شال بافی، خیاطت، عمارت، گلکاری، لوہاری، نجّاری، سنگ تراشی، صنّاعی وغیرہ وغیرہ تمدّن کے پیدا کیے ہوئے بیسیوں پیشے صرف مسلمان مردوں یا عورتوں کے ہیں۔ الغرض خلّاقی انہی کی ہے، کسی شئے کو بنانا، اُس کی تدبیر اور تعمیر کرنا، اسکو اپنے ہاتھوں نیست سے ہست

کرنا، اللہ کے اس عظیم الشان اخلاق کی پیروی کرنا جس پر اس کو ہمیشہ سے ناز اور بجا فخر ہے، انہی کا ہے۔ اور قوموں کے لوگ جو اس تخلّق اور اس تخلیق میں ہندوستان کے اندر حصّہ لے رہے ہیں مقابلۃً صفر ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ساہوکار اپنی دکان پر آرام سے بیٹھکر اور ایک تنکے کو دُہرا کرنے کے بغیر انہی دستکاریوں یا ولایت سے خریدے ہوئے مال کے ذریعے ایک کے تین تین کر لیتا ہے، اور اونچے محل اُسی کے ہیں، موٹروں پر وہی چڑھتا ہے، گھوڑے اور اصطبل اُسی کے ہیں، شہر میں دولت کی دھوم مچی ہے تو اُسی کی ہے، مگر شام کے وقت وہ پسینے میں لتھڑا ہوا مزدور جو اپنی تنگ کوٹھڑی سے نکل کر ہاتھ میں کچھ لئے ہوئے ساہوکار کے سلام کو آتا ہے اور جس کے سلام کو لالہ جی اپنی مصروفیتوں کے باعث اچھی طرح قبول بھی نہیں کرتے، اگر اس کے ہاتھ کی طرف نظر کی جائے تو اُس میں یدِ بیضا کا موسوی معجزہ ہے، اس میں بَنَیْنٰھَا بِاَیْدٍ کی آسمانی وحی ہے، اس میں نِعْمَ الْمَاهِدُوْنَ کی الٰہی کبریائی ہے، اس میں اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ‡ کی ربانی طاقت ہے اس میں خلاقِ عظیم کی قدوسی صفت ہے! ایسے ہاتھ چومنے کے لائق ہیں، اُن کی سیاہ لکیروں یا جھرّیوں کو دیکھکر نفرت سے بولنا بکار اور حقیقت شناس شخص کا شیوہ ہرگز نہیں۔ پنڈت صاحب اُمید ہے مجھے معاف فرمائیں گے لیکن ہندوؤں پارسیوں یا اور ہندی تاجر قوموں کی تجارت کی کسی شق کو لے لیجئے معلوم ہو جائے گا کہ یہ قومیں اوّل سے آخر تک صرف سرمایہ دار ہیں، زر کے زور سے زر کو کھینچتی ہیں اُدھر لیا

---

‡ قرآن حکیم میں ہے: وَالسَّمَآءَ بَنَیْنٰھَا بِاَیْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ○ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰھَا فَنِعْمَ الْمَاهِدُوْنَ ○ (۵۱ : ۴۷-۴۸)

(ترجمہ) اور ہم نے ہی آسمان کو اپنے ہاتھوں سے بنایا اور ہم بڑی طاقت کے مالک ہیں اور زمین کو بھی ہم نے ہی فرش کر دیا تو دیکھو ہم کیا ہی اچھے بچھانے والے ہیں ۱۲ اسے قرآن حکیم میں ہے: فَاَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ (ترجمہ) تو مجھے دکھاؤ کہ تمہارے خداؤں نے کونسی چیز پیدا کی ہے۔

اُدھر دیا اور اپنا ٹکا کھرا کر لیا، کے اصول پر عامل ہیں، یا سُود پر روپیہ دے دیا، بڑے کارخانے کھول دیئے، کرایہ سے کما لیا، زمینیں خریدلیں وغیرہ وغیرہ۔ مگر مسلمان میں صرف ہاتھ کا زور ہے، اپنی دست کاری سے عشق ہے، اپنی ہمت اور دست و بازو پر بھروسہ ہے۔ وہ پیشے اُسکے ہاتھ میں بہت کم ہیں جسمیں صرف اِدھر لینا اور اُدھر دینا ہے۔ دُکان پر جم کر بیٹھنے، پیسہ پیسہ جوڑنے، ہاتھ پر ہاتھ دھر کر گاہک کا منتظر رہنے اور خوشامد کی باتوں سے موہ لینے کی طرف اُسکی طبیعت کا لگاؤ ہی نہیں۔ مسلمانوں نے یہ پیشے بادشاہت کے زوال کے بعد حالات سے مجبور ہو کر ہرگز قبول نہیں کیئے جیسا کہ عام غلط فہمی ہے۔ نہ ہندوؤں میں پہلے موجود تھے اور انہوں نے اپنے مالی عروج کو دیکھ کر یک لخت ترک کر دیئے۔ مسلمانوں کا یہ خوبصورت اخلاق نہایت قدیمی ہے، اسلام کی تعلیم سے پیدا ہوا، نبیؐ کے اُسوۂ حسنہ اور علمائے دین کی تبلیغ سے قوم کی رگ رگ میں رچ گیا۔ کسی سیدھے سادے مسلمان سے پوچھ لیجئے کہدے گا ہمارے حضرتؑ نے بیلچہ اٹھایا تھا، ہمارے نبیؐ کی بیبیوں نے چکی پیسی تھی، ہمارے رسولؐ نے مزدوری اور تجارت کی تھی۔ بادشاہت کے عین عروج کے وقت بھی مسلمانوں میں فریدالدین عطارؒ، عمادالدین کاتبؒ محمود الورّاقؒ، عمر خیامؒ کثرت سے موجود تھے، وہ ان پیشوں پر فخر کرتے تھے، بلکہ بادشاہ وقت خود ٹوپیاں کاڑھ کر اور قرآن لکھکر ان پیشوں کی شاہانہ تربیت کرتے تھے۔ ہندوؤں نے سلطنت کے چلے جانے کے بعد ڈیڑھ ہزار برس سے ان پیشوں کو کبھی قبول نہیں کیا۔ اشوکِ اعظم اور بکرماجیت کے وقت میں وہ سرمایہ دار اور دستکار دونوں تھے لیکن بعد میں زراعت کو کبھی مستقل فن نہ سمجھا، فوج اور پولیس میں کچھ بھرتی نہ ہوئے دستکاروں سے بالکل الگ تھلگ رہے۔ مسلمانوں کے عہد میں وہ صرف سرمایہ دار، بقّال اور دکاندار رہ گئے، یا شاہی ملازمتیں اور علمی منصب اُن کے ہاتھ میں تھے۔ یہی انکا شیوہ آجکل ہے

لیکن انگریزوں یا اور بادشاہ قوموں کی طرح وہ خود ہی سرمایہ دار اور خود ہی مزدور اور دستکار پھر کبھی نہ بن سکے، حتیٰ کہ ہندوؤں کی گذشتہ ہزار سالہ تاریخ میں ایک صنّاع، ایک دستکار ایک پیشہ ور کا نام تاریخ میں مشہور نہیں۔ قرآن کریم میں اس الٰہی ارشاد کی زبردست حکمت کے اندر کہ ہم نے آسمان کو اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا اور ہم بڑی طاقت کے مالک ہیں ✤" جو باریک نکتہ مسلمانوں کی ہدایت کے لئے تیرہ سو برس سے پیش نظر رہا ہے یہ ہے کہ انہوں نے بادشاہت کی کسی منزل پر بھی صنعت اور حرفت کو نہیں چھوڑا، انہوں نے اپنے ہاتھوں سے بنانے اور اشیاء کو خود پیدا کرنے میں طاقت کا صحیح راز سمجھا۔ بڑے سے بڑے سرمایہ دار اور ملک التجّار ہونیکے باوجود بڑے سے بڑے صنّاع خود بنے رہے۔ آگرہ کی پتھر پر گلکاری، ڈھاکہ کی ململ، کشمیر کے شال، ایرانی اور ترکی قالین، بخارا کا ریشم، بنارس کا اطلس اور زربفت، مشہد کی لنگیاں، دمشق اور ٹولیڈو کی تلواریں اور فولادی اسلحہ، احمد آباد کی توپ سازی، وغیرہ وغیرہ وہ خالص اسلامی دستکاریاں ہیں جو تاریخ میں بیمثال شہرت حاصل کر چکی ہیں اور سب اُسوقت شروع ہوئی تھیں جب کہ مسلمان بادشاہ تھے سرمایہ دار تھے، اُنکے جہاز انگلستان کے کناروں کو ٹکراتے تھے، اُنکے قافلے روس کے برفانی میدانوں میں چلتے تھے، ہاں جب وہ نشہ نظر تھے اور سمرقند اور بخارا کی سلطنتوں کو معشوق کے سیاہ تل کے صدقے میں بخش دیتے تھے! بغداد کے دریبے میں نو کروڑ روپے کے ہیروں کی تجارت کرنے والی عورت کی دکان تاریخ میں مشہور ہے اور مؤرّخ لکھتا ہے کہ ایسی بلکہ اس سے زیادہ شاندار کم سے کم تئترّ دکانیں اس دریبے میں تھیں لیکن مسلمانوں کی تجارت کی اس شان و شوکت کے باوجود ہیروں کو رگڑ کر درست کرنے والے حکاک مسلمان تھے، زیورات کے بنانے والے زرگر مسلمان تھے، جڑاؤ زیور تیار کرنے والے جوہری مسلمان تھے،

✤ دیکھو قرآن حکیم کی آیت صفحہ ۶۹ کے حاشیہ پر جس کا یہ ترجمہ ہے ۱۲

حتیٰ کہ ریشم کے دھاگے میں زیورات کو پرونے والے پٹوے بھی مسلمان تھے۔ دہلی کے چاندنی چوک کا شیش بازار جس کی تصویر اورنگ زیب کے وزیر دانشمند خاں کے فرانسیسی منشی برنیر نے اس خوبی سے کھینچی ہے اسمیں برنیر لکھتا ہے کہ دستکاریوں کی کثرت اور کاریگروں کا ہجوم لندن اور پیرس کی رونق کو قطعاً مات کر دیتا تھا۔ ان پیشوں کو ادنیٰ سمجھ کر مسلمانوں نے ذمیوں یا محکوم رعیّت کے سپرد نہیں کیا بلکہ اوّل سے تا آخر صحیح معنوں میں تاجر رہے، اپنے پیارے نبیؐ کے پیارے پیشے کو ہر ممکن طریقہ سے انتہائی عروج پر پہنچا دیا۔ پس میرا یقین ہے کہ آج بھی جب کہ اُن کی بادشاہت اور سرمایہ داری باقی نہیں رہی ہندوستان کی اصلی طاقت کا سرچشمہ مسلمان ہیں، یہی اُن کی سب سے بڑی اور بیمثال صلاحیّت ہے، اس صلاحیّت کے اندر صحیح قوّت، مُلکی سیاست بلکہ بادشاہت کا راز ہے۔ مغربی ملکوں میں جہاں تجارت کو اعلیٰ پیمانے پر برقرار رکھنے کے لئے سرمایہ داری کی جنگ لگی ہے وہاں مختلف قوموں کے کاریگروں کے درمیان صنّاعی اور حرفت کی جنگ اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ مشہور اور بد قسمت ہوائی جہاز "آر-۱۰۱" کی ستّو میل سفر کے بعد ہولناک تباہی اور اپنے ہُنر کی اِسقدر شیخی بگھارنے کے بعد اسقدر شرمناک نتائج سے جو زک انگریزوں کو صنعتی اور تجارتی بلکہ سیاسی دنیا میں ملی ہے اُسپر قوم پچاس برس تک اُنگلیاں کاٹتی رہے تو تھوڑا ہے اور بالمقابل اِسکے مشہور جرمن ہوائی کشتی "ڈی او-ایکس" کے تمام دُنیا کے کامیاب سفر کے بعد جرمنوں کی بیمثال کاریگری کا جو ڈنکا ہر طرف بجا ہے اُسپر ایک دنیا انگشت بدنداں ہے۔ اس حیرت انگیز شکست فاش کے بعد انگریزوں کے متعلق عام خیال ہے کہ اُنکی تاجرانہ شہرت کے دن گنے جا چکے ہیں۔ مجھے لندن میں ایک انگریز کاریگر نے جسکا بھائی حکومت کے اعلیٰ عہدہ پر تھا اور جو اُس مکان میں کام کرتا تھا جس میں مَیں مقیم تھا میرے اس سوال پر کہ اُس نے مزدوری کیوں قبول کی، کہا کہ

انگلستان کی تمام شیخی ہم صنّاعوں اور مزدوروں کی وجہ سے ہے، اگر ہم نہ ہوتے تو انگلستان کو کون بڑا کہتا۔ الغرض حرفت کا موجود ہونا قوم کی اصلی زندگی ہے اور مسلمانوں کی یہ صلاحیت قطعاً بیمثال ہے۔ اسی سے مُلک کی طاقت بلکہ سیاست کو سچا فروغ ملتا ہے۔ ہندو بھائی تو سرمایہ داری اور غیر ملکی مال بیچنے پر قانع تھے ہی، اگر مسلمان بھی محنت اور پسینے کی کمائیوں کو چھوڑ دیتے، اُن رہی سہی حرفتوں کو خیر باد کہکر دو پیسے کے پٹنے بیچتے رہتے تو آج ہندوستان ہرگز بڑا نہ ہوسکتا، ہرگز ترک موالات اور سول نافرمانی کی تحریکوں کو شروع نہ کرتا، ہرگز غیر ملکی مال کا بائیکاٹ کرکے اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کا دعویٰ نہ کرتا۔ ابھی تین مہینے نہیں گزرے کانگریس کے بڑے رہنما گاندھی جی نے کراچی کے اجلاس کے موقع پر صاف اور غیر مشکوک لفظوں میں اعلان کیا کہ ہندوستان میں چرخہ سے سُوت کاتنے والے اور کھدّر بننے والے سب سے زیادہ مسلمان ہیں اور اُن میں مسلمان عورتوں کا حصّہ بہت زیادہ ہے گویا اگر اس زیادتی کو صرف ساٹھ فیصدی ہی مانا جائے اور آبادی کے تناسب کے سوا کسی دوسرے محّرک کا لحاظ قطعاً نہ کیا جائے تو بھی مسلمانوں نے کانگریس کی حرکت کو صرف اس نقطۂ نظر سے مفید بنانے میں ہندوؤں سے سات گنا زیادہ حصّہ لیا اور قربانیاں جو ہندوؤں کے ساتھ ساتھ کرتے رہے اسکے علاوہ ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اِسکے یہ معنی ہیں کہ آج جو سیاسی عروج ہندوستان کو پچھلے بارہ برس کی بیمثال کوشش سے ہوا ہے، جو شدید مالی نقصان انگریزوں کو غیر ملکی مال کے بائیکاٹ سے پہنچا ہے، بلکہ جس حیرت انگیز طریقے پر انگریزوں کی سلطنت کی بنیادیں ہندوستانیوں کے متحدہ عمل سے ہل چکی ہیں اور حکومت کے محلوں میں رہنے والوں کو نیند نہیں آتی، اگر اس کا سچا اور اصلی باعث دریافت کیا جائے تو وہ مسلمانوں اور بالخصوص مسلمان عورتوں کی محنت کا پسینہ ہے! بعض ناحقیقت شناس لوگ اس پسینے کی قدر نہ کریں، اسکو حقیر سمجھ کر پاؤں سے ٹھکرا دیں، اسکو الٹا اِس رنگ میں پیش کریں

کہ کانگریس کے پروپیگنڈہ اور بیمثال رسوخ نے کھدّر کا ملک میں پرچار کیا، پرچار سے مُلک کھدّر لینے کیلئے تیار ہوگیا اور ان غریب جلاہوں کو بھی پیٹ بھر کر کھانا نصیب ہوا، انکو کون پوچھتا ہے، انکی کیا حقیقت ہے کہ لندن کے شاہی محلّوں کے بلند نشینوں کی نیندیں حرام کر دیں، وغیرہ وغیرہ۔ ہاں غریب اور بے بس کی وکالت کون کرتا ہے اور سرمایہ دار کے بالمقابل مزدور کی کیا مجال ہے کہ اپنی بات کہہ سکے لیکن پیٹ بھر کر کھانے والے کانگریسی ممبروں پر، جو اگر کروڑ نہیں تو لاکھوں کی تعداد میں ضرور ہیں اور چار آنے سالانہ چندہ بھی دیتے ہیں، کانگریس کی سختی کے ساتھ اس بندش کے باوجود کہ وہ دو ہزار گز سوت روزانہ کاتیں اگر مسلمان عورتوں اور مردوں نے غیر کانگریسی ہو کر سب سے زیادہ سوت کاتا ہے تو اسکے یہ معنی ہیں کہ خود کانگریس کے لکھو کھا ممبر سیاستدان، ہوشمند اور باخبر ہونیکے باوجود باہم ملکر ہندوستان کا آدھا سوت بھی نہ کات سکے اور اگر کاتا تو انہی چند پیٹ کے بھوکے بیخبروں نے کاتا، اگر وقت پر مدد کو پہنچے تو یہی تھوڑے سے بے سرو سامان لوگ پہنچے، اگر چرخہ کو ہندوستان کی سیاسی توپ سمجھ کر استعمال کیا تو انہی نے کیا۔ اس صورت میں کانگریس کے نرے پرچار کی کیا حقیقت باقی رہ جاتی ہے حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان میں یہ حرفت موجود تھی، چرخہ کو چلانے والے اور شرم نہ کرنیوالے لوگ کافی تھے اسلئے کانگریس دشمن کو نقصان پہنچا سکی۔ اگر حرفت موجود نہ ہوتی تو دو ہزار گز سوت کاتنے کے حکم یا لفظی پرچار سے یہ نقصان ہرگز نہ پہنچ سکتا۔ بنگال کے مسلمان سُوت کاتنے والے اور جلاہے دیر سے مومن کہلاتے ہیں۔ میں حیران تھا کیا بات ہے اور کہاں سے یہ القاب انکو ملا۔ جب تک حضرت عمرؓ کے اپنی فوج کو حکم کی حقیقت کہ کھدّر پہنیں اور کانگریس کی مدد کرنے سے اُنکے ایمان، کی طاقت کو نہ سمجھا یہ راز نہ کھُلا۔ لیکن مسلمانوں کی ان بیمثال صلاحیتوں کی مدح سرائی کا خاتمہ یہیں پر نہیں ہوتا اور نہ میں اس بات کے تسلیم کرنے کیلئے تیار ہوں کہ مسلمان اپنی قوم اور ملک بلکہ دُنیا کی سیاست سے بیخبر ہیں۔ جو سیدھی سادی دینداری ان حرفت پیشہ اور زمیندار

لوگوں میں ہے اسکے متعلق مفصّل کہہ چکا ہوں لیکن ملک اور قوم کی سیاست کو پیشِ نظر رکھ کر یہ وہ عملی دینداری اور حیرت انگیز باخبری ہے جس کی مثال کسی دوسری قوم میں موجود نہیں۔ انہی لوگوں نے ابھی تھوڑی دیر ہوئی خلافت کی تحریک کے ضمن میں اپنے رہنماؤں کے سامنے اسّی لاکھ سے زیادہ روپے چند مہینوں کے اندر ڈھیر کر دیئے، خلیفۃ المسلمین کی دگرگوں حالت سے اِسقدر متاثر ہوئے کہ عورتوں نے رو رو کر کنگن اور بالیاں اتار دیں، مردوں نے پگڑیاں اور کُرتے پھینک دیئے، بچوں اور بچیوں نے اپنے جمع کئے ہوئے پیسے قدموں پر ڈال دیئے، یہ پیٹ سے بھوکی اور تن سے ننگی "بےخبر" قوم کا کرشمہ تھا اور جس تحریک کے ضمن میں دیا ایسی تھی جو ملک کے اندر نہ تھی، جس کا اثر چار ہزار میل پرے پڑتا تھا اور جس کا تمام دُنیا کے باقی مسلمانوں سے اُتنا ہی لگاؤ تھا۔ برخلاف اسکے عین اُسی وقت ہندوستان میں سیاسی ہنگامہ برپا تھا، جلیانوالہ باغ کے خوفناک قتلِ عام نے ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک غم و غصّے کی لہر دوڑا دی تھی، ہر طرف سوراج سوراج کی صدائیں آتی تھیں، ہندوؤں کا سب سے بڑا رہنما اِس تحریک کا صدر تھا، ہندو اور مسلمان آپس میں شیر و شکر تھے اور وطن کی آزادی کے لئے چندہ کی اپیل کی تھی۔ آسودہ حال اور سرمایہ دار ہندوؤں نے باوجودیکہ اُن کی تعداد اُنکے اپنے قول کے مطابق تین گنا زیادہ تھی صرف ایک کروڑ پچیس لاکھ روپے دیئے اور اس چندہ میں نہ صرف مسلمانوں کی ایک نہایت معقول تعداد دوبارہ داخل تھی بلکہ آبادی کے باقی چار کروڑ نفوس بھی شامل تھے۔ چندہ خاص وطن کو آزاد کرانے کے لئے تھا، سرمایہ داروں کی قوم کو بادشاہ بنانے کے لئے تھا، دُور کے دوست کو مصیبت میں مدد دینے کے لئے نہ تھا! اصل یہ ہے کہ مسلمان ابھی جسم کے اندر سے مُردہ نہیں ہوئے، ابھی زندگی کی پوری استعداد باقی ہے، حیات کے آثار باطن میں ہیں، مُردہ اُسوقت ہونگے جب انگریزی تعلیم کے ذریعے سے دینداری، چمک سے مذہبی حس اور دوسروں کی دولت کو دیکھ کر محنت اور جفاکشی چھوڑ بیٹھیں گے۔ "اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ" کی مشہور حدیث میں یہی عظیم الشان حکمت ہے،

اسی کا دوسرا نام توحید ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ بعض ہولناک بیماریوں میں مبتلا ہیں، بعض دردناک نقص ضرور ہیں' اسلئے مُردوں کی کیفیت ہے بلکہ مُردوں سے بدتر ہیں۔ یہی مالی قربانی فقط نہیں بلکہ اسی خلافت کی تحریک کے ضمن میں چند ناانجام شناس مسلمانوں نے ہُو کردی کہ "ہندوستان" دارالحرب "ہے" دارالاسلام "نہیں رہا۔ دارالحرب اور دارالاسلام کا جھگڑا صرف زور آور اور مسلّح قوم کو سجتا ہے مگر یہ زور دیتے رہے کہ دارالحرب ہے اور چونکہ مسلمان عاجز ہیں اسلئے ان پر شرعاً لازم ہے کہ ہندوستان سے افغانستان کی طرف ہجرت کر جائیں۔ دیوانہ کو ہُو کافی ہے۔ ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کہرام مچ گیا۔ ایک لاکھ مرد، عورتیں اور بچے چند مہینوں کے اندر پشاور میں جمع ہوگئے۔ ہزارہا انسانوں نے آنکھ کی جھپک میں اپنے گھر بار، زمینیں، جائدادیں، مویشی کوڑیوں کے مول بیچ دیئے۔ مجھے ذاتی علم ہے کہ ایک بھینس دو دو روپیہ کو اور ایک جریب زمین پانچ روپیہ کو بکی۔ بیل گاڑیوں پر چارپائیوں کے چھپروں کے نیچے جون جولائی کی گرمی میں، مسلمان سرفروشوں، پردہ دار عورتوں، کنواری لڑکیوں، مدرسہ سے نکلے ہوئے بچوں، کھانا پکانے کے برتنوں حتیٰ کہ بکریوں اور مرغیوں کا ہجوم وہ دردناک نظارہ تھا کہ آنسو نہیں تھمتے تھے۔ میلوں تک بیل گاڑیوں کی قطاریں روزانہ چلتی تھیں، اللہ اکبر کے نعرے آسمان کو سوراخ کر رہے تھے، بے درد اور بے درد بھی کیا جوش میں اندھے ہوئے ہوئے رہنماؤں نے انجام نہ سمجھا، اس تحریک کے ایک بڑے رہنما کو ہر روز تنبیہ کرتا تھا کہ "ہوش کرو کس کی سند اور کس کی تحریر پر ان اسلام کے جانبازوں کو خیبر کے پار دھکیل رہے ہو، خود کابل جاکر آخر تک جو بات ہو نظم ونسق سے طے کرآؤ، سپاہی بھیج رہے ہو تو سپہ سالار کے حکم کا انتظار کرو، اللہ کے کاموں میں ایک پل، ایک شوشہ، ایک ذرہ کا فرق نہیں ہوتا پھر سب کام کیوں باترتیب نہ ہو، جو جائے اُسکے پاس شاہی پروانہ ہو، حکومت کیطرف سے داخل ہونے کی اجازت ہو، صرف دردمند اور مفید لوگ جائیں، مفسدوں اور مخبروں کو راہ نہ دو، پشاور

کی گلیوں میں بچوں کا گیت "چلو مسلمانو سوئے کابل امیر صاحب بُلاتے ہیں" کافی سند ہرگز نہیں۔ خیبر سے کابل تک اور کابل سے کابل کی غریب حکومت تک بڑا بے رحم اور مشکل رستہ ہے اور بوڑھے، بچے، بچیاں ہزاروں ساتھ ہیں" مگر اُس نے ایک نہ سُنی وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ✝ کی آیت پیش کر کے کہا کہ ہمارا فرض ان مہمانوں کو کھانا کھلا کر خیبر کی حد تک پہنچا دینا ہے، آگے کا خُدا مالک ہے۔ میں کہتا تھا اللہ اکبر! ایک پل اِدھر نہ اُدھر سورج کو چڑھانے والے منتظم اور صاحب تدبیر خدا سے مسلمانوں کی کیا غلط فہمی اور قرآن سے کیا مخول ہے۔ بہر نوع یہ وہ ایثار تھا کہ اسکی مثال دوسری قومیں کیا تیرہ سو برس کی مدت میں خود مسلمان کم پیش کر سکتے ہیں اور یہ بھی انہی غریب پیشہ لوگوں کا کرشمہ تھا کہ خیبر کی سڑک پر لاشوں کے پشتے لگ گئے مگر کابل بلکہ قفقاز اور انگورا سے درے دم نہ لیا بلکہ سندھ کا ایک بڑا رئیس جو صدہا آدمی ساتھ لے کر آیا تھا اسی کشمکش میں ہلاک ہوا۔ خلافت اور ہجرت کی حرکتیں ایسی تھیں جن میں مذہب کا اثر شاید زیادہ نمایاں تھا لیکن میں زور سے کہوں گا کہ ان میں مذہب آٹھ آنے تھا تو آٹھ آنے ضرور سیاست بھی تھی عام مسلمان مذہب ہی کی وجہ سے سیاست میں اسقدر طاق ہیں کہ انکو سیاست کا علیحدہ سبق دینے کی ضرورت نہیں رہی۔ اُنکی تیز نگاہیں مذہب کی ہر تحریک میں سیاست کو سب سے پہلے دیکھتی ہیں بلکہ خالص سیاسی حرکتوں میں بھی ان کا قدم تیز تیز ہی ہے۔ کھدر کو بڑی مقدار میں پیدا کرنیکی تحریک میں مسلمان پیشہ وروں نے جو حصہ لیا اس کا ذکر ابھی کر چکا ہوں لیکن سول نافرمانی کی خالص سیاسی تحریک میں جو ڈیڑھ سال سے جاری ہے اور جس نے بالآخر انگریزوں کی مغرور سیاست کو بالکل عاجز اور سپر انداختہ کر دیا، مسلمان نے جو کچھ کیا اس سے بھی زیادہ شاندار ہے۔ اس حرکت میں

✝ اور جن لوگوں نے دشمنوں کے ظلم کے بعد خدا کی راہ میں ہجرت کی ہم انکو ضرور بالضرور دنیا میں عمدہ پناہ دیں گے اور آخرت کا اجر تو اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ دیکھو قرآن کریم (۱۶ : ۴۱)

رہنماؤں کا ایک مقتدر طبقہ مسلمانوں کے شامل ہونے کے متعلق اوّل سے آخر تک نخ نخ کرتا رہا، قوم کو باز رکھنے بلکہ نفرت دلانے اور مقابلہ کرانے کی غرض سے اسکو ہندوؤں کی ذاتی اور مسلمانوں کو تباہ کرنے والی تحریک جتلاتا رہا۔ قریباً تمام اسلامی اخبار اسکے مخالف تھے، بڑے بڑے لیڈر ہر جگہ وعظ کہتے رہے، حکومت نے اپنے کارفرما مختلف لباسوں میں اس قدر چھوڑے ہوئے تھے کہ وہ ہر رنگ میں اسکے خلاف لگاتار پروپاگنڈا کرتے رہے، ہندو اور مسلمان کئی جگہ پر لڑے، مذہبی فساد نمودار ہوئے، خون کی ندیاں آپس کی لڑائی میں بہیں، درگاہوں اور پیروں کی گدیوں سے فتوے لئے گئے، مسلمانوں کا ایک بڑا اور ہر دلعزیز رہنما مرض الموت میں گرفتار ہونیکے باوجود گول میز کانفرنس میں (جو بالآخر گول نہیں بیضوی میز ثابت ہوئی) چھ ہزار میل سفر کی بیمثال تکلیف برداشت کرکے شامل ہوا، ہندوؤں کو کہا گیا ایلو وہ پٹھان آگئے اب تمہاری دولت اور تمہاری عورتوں کی خیر نہیں۔ الغرض اُلٹے سیدھے سب جتن کئے، مگر مسلمانوں نے اس عظیم الشان اور بیمثال تحریک میں بھی وہ عظیم الشان اور بیمثال قربانیاں کیں، اپنے عزیز رہنماؤں کی نرم نرم باتوں کو خوب سمجھ کر، اسقدر کم توجہ کی، انکے دم دلاسوں کو اس بے پرواہی سے دیکھا کہ مسلمانوں کی نبض تر جاننے والا مؤرخ ایک مدت تک تنکہ منہ میں لئے حیران رہیگا۔ آٹھ کروڑ مسلمانوں کی نصف تعداد تو چار دیواری میں بند ہے یا گھونگھٹ لئے بیٹھی ہے۔ اسکے باوجود بارہ ہزار مسلمان تو برتو اللہ اکبر کہتے ہوئے جیل خانوں میں چلے گئے لیکن "بائیس کروڑ" ہندو عورتوں اور بچوں کو ساتھ ملانے کے باوجود صرف چالیس ہزار پیش کرسکے! یہ کھُلے دل سے اندازہ ہے، اخباروں میں شائع ہو چکا ہے اور ہندوؤں کا اپنا لگایا ہوا ہے۔ ادھر یہ حال تھا اور اُدھر سرحد کے پار آزاد قبائل کے نکتہ سنج پٹھان تیراہ کی چوٹیوں اور گندھاؤ کے میدانوں میں بیٹھے اپنے سینوں پر شوق سے کانگریس کا نشان ٹانک رہے تھے۔ قصہ خوانی کے ہولناک قتل عام کے بعد آفریدیوں نے شاہ کابل کی مرضی کے خلاف دو دفعہ پشاور پر حملہ بول دیا، مہمندوں نے شب قدر پر مورچے جمادیئے

وزیریوں اور باقی قبائل نے الگ الگ محاذ قائم کیے۔ الغرض جیسا بھی ہو سکا ان بے یار و مددگار قوموں نے ہندوستان کی آزادی کی تحریک کو اخلاقی مدد دینے کی غرض سے سرحد پر ایک اچھی خاصی جنگ کی صورت پیدا کر دی۔ بعض غیور سرحدی رہنماؤں نے جو رعیت تھے صوبۂ سرحد کے اندر صدہا زمینداروں کے کپڑے سُرخ کر کے انگریزوں کے اوسان خطا کر دیئے "سُرخ خطرے" کے مشہور مگر نظر نہ آنیوالے ہوّے کو سچ مچ حکومت کے سامنے لا کھڑا کر دیا۔ سرحد کے باشندوں کی دردناک تکلیفوں اور جانی قربانیوں کے باعث اس تحریک کو وہ عام اشتہار بلکہ حکومت کو وہ اصلی خطرہ محسوس ہوا کہ بالآخر انگریزوں نے کانگریس کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ مسلمانوں کو اس قومی جنگ یا برادرانہ خدمت کے عوض میں آگے چل کر جو کچھ وصول ہوگا دیکھا جائے گا۔ لیکن اُن کی سیاستدانی اور تیز نگاہی کا یہ آخری کارنامہ ایسا ہے کہ اپنی شانداری میں قطعاً بے مثال ہے اور یہ امر قطعی ہے کہ اگر مسلمان اور بالخصوص آزاد قبائل اس حرکت میں اس ذوق و شوق سے شامل نہ ہوتے تو ہندوؤں کی اکیلی سیاست کا نتیجہ مختلف ضرور ہوتا، انگریز اس نرمی اور لجاجت سے ہندوستانیوں کے آگے کبھی نہ جُھکتے، خود اپنے قاصد بھیج بھیج کر قید کردہ رہنماؤں کو کبھی نہ منواتے، اس جنگ کو طول دیکر ہندوستان کی غیر مسلح سیاست پر آخری اور کاری ضرب لگانے کی سعی کرتے۔ چرخہ کی سیاسی قوت اسقدر کمزور اور بے اثر ثابت ہوئی تھی کہ فوج، پولیس اور حکومت کے دفتری کارندوں میں سے تو ایک بھی نہ بگڑا "انقلاب زندہ باد" کے نعروں سے آسمان کو سر پر اُٹھا لینے کے باوجود حکومت کا ایک ادنیٰ' پُرزہ بھی اِدھر اُدھر نہ ہو سکا۔

حکومت نے اگر ڈر کر صلح کی تو صرف کابل اور سرحد کے زور پر کی۔ مجھے ہندو یا مسلمان سے بحث کبھی نہیں ہوئی۔ میرے نزدیک جو کچھ حقیقت ہے اس کا بے خطر اظہار ہے۔ منظّم اور باخبر دشمن سے آزادی کا لینا میرے نزدیک چرخہ کے دستِ قدرت سے قطعاً باہر ہے۔

باقی

تیرھواں باب

تمام ناکامیوں کا باعث اصلاحِ نفس کا نہ ہونا ہے

مصنّف ۔ الغرض مسلمانوں کی صلاحیتیں روزِ روشن کی طرح واضح ہیں، اُن کے اندر قوم کو پھر بڑا بنا دینے کے سامان موجود ہیں، انکو تسلیم کرنے کے لئے کسی بحث کی ضرورت نہیں، ان سے واضح ہے کہ مسلمانوں کے ایک بڑے سے بڑے حصّے کے اندر مذہبی حسّ موجود ہے، صنعت اور حرفت ہے، بیمثال محنت اور شجاعت ہے، غریبی کے باوجود حیرت انگیز ایثارِ مال بھی ہے، وقت اور موقع پر سیاست بھی ہے، جانی قربانی بھی ہے، دین کو بڑا بنانے کے لئے وطن سے ہجرت بھی ہے، آزادی کی سب تحریکوں سے دلچسپی اور لگاؤ بھی ہے لیکن یہ سب حرکتیں بیکار اس لئے گئیں کہ قوم میں اصلاحِ نفس نہ تھی، اصلاحِ نفس سے بنا ہوا مذہب نہ تھا، اصلاحِ نفس والی نتیجہ خیز ہجرت نہ تھی، اصلاحِ نفس والا جہاد نہ تھا، اصلاحِ نفس والی سیاست نہ تھی، اصلاحِ نفس کے پیدا کئے ہوئے کارکُن نہ تھے، اصلاح کا پیدا کیا ہوا رہنما نہ تھا، اصلاحِ نفس سے نکلا ہوا اتحاد نہ تھا، ایک امیر کی اطاعت نہ تھی، ایک مرکز سے بستگی نہ تھی، ایک بات پر اجماع نہ تھا، ایک غرض اور ایک ارادے کی طرف رُخ نہ تھا شیرازے کی درستی نہ تھی، اصلاحِ نفس کا بنایا ہوا نظم و نسق نہ تھا، نظم و نسق کا پیدا کیا ہوا استقلال نہ تھا، رہنماؤں کے دل پاک نہ تھے، سپاہیوں کے نفس آلودہ تھے، فوج کی نیت بگڑی ہوئی تھی، جرنیل بُرے تھے آپس میں دلوں میں دشمنی تھی، ہندوؤں سے دلوں میں دشمنی تھی، انگریزوں سے دلوں میں دشمنی تھی، پرپُرزے سب موجود تھے مگر ہر پُرزہ مشین کی اصلاح کے بغیر خود چلنا چاہتا تھا۔ یہ آلائشیں جب تک دل میں ہوں خدا اس دل میں آباد ہونا کب گوارا کر سکتا ہے اور

دل میں بیٹھ کر فتح دینے والا خدا فتح کب دے سکتا ہے۔ پس جس قوم میں مذہب اور سیاست دونوں موجود ہوں اور دونوں کے زندہ ہونے کے باوجود ہر طرف گھاٹا ہی گھاٹا نظر آئے، دونوں کے ہوتے ہوئے قوم اُلٹی کمزور ہوتی جائے، اس کی سیاست سے اور قومیں فائدہ اٹھائیں اُسکے مذہب سے سر بسر نقصان ہو، اُس کی محنت اور شجاعت دوسروں کے لئے ہو اور اپنے لئے کچھ بھی نہ ہو، نہیں، جس قوم میں انتہائی غریبی کے باوجود اسّی لاکھ روپیہ دے کر کچھ بنتا نظر نہ آتا ہو، کنگن اور بالیاں، پگڑیاں اور کُرتے پھینک کر بھی بگڑی نہ بنے، خدا بگڑا نظر آئے، لاشوں کے پشتوں کو دیکھ کر رحیم نہ بنے، معصوموں کو مہاجر دیکھ کر کرم نہ کرے، پسینوں میں تر بتر دیکھ کر فضل نہ کرے، پیٹ پر پتھر دیکھ کر نرم نہ ہو، بھوکوں کو اور بھوکا کرتا جائے، زور والوں کو اور زور دیتا جائے، ایسی قوم کے لئے اصلاحِ نفس کی تحریک کے اندر خود بخود وہ دلچسپی ہے جو تھیٹر کے بڑے سے بڑے تماشے میں ہرگز نہیں، صرف مذہب کے ٹیڑھے سرے کو موڑ کر درست کر دینا ہے، صرف سیاست کی مڑی ہوئی دھار کو ذرا سیدھا کرنا ہے۔ یہ ہو گیا تو نتیجوں کو دیکھ کر مسلمان خود بخود کھینچے آئیں گے، خدا کو راضی دیکھ کر آپ دوڑیں گے۔ مذہب اور سیاست دونوں درست ہو جائیں تو کیا کہنا ہے۔ ہندوؤں میں مذہب کی بنا پر مدّت سے کچھ نہیں ہوا، نہ اُن کے مذہب میں کوئی ایسی بات باقی رہی ہے جو دلوں کو سر بسر گرماتی رہے۔ وہ آج جو کچھ کر رہے ہیں صرف سیاست کے زور پر ہے اور اس سیاست میں اصلاحِ نفس کی ادنیٰ سی ملاوٹ کے باعث اس قدر زور بلکہ اس قدر صحیح مذہب آچکا ہے کہ دُکان پر تمام دن بیٹھ کر ڈکار لینے والے لالہ جی بھی جن کو اپنے بہی کھاتے کے سوا کچھ کام نہ تھا اور جن کو حساب میں ایک پائی کی کسر گھنٹوں تک بے چین کر دیتی تھی، آج خود کہہ رہے ہیں "مہاراج دُکانیں بند کرو مہاتما کا حکم ہے"۔ پس جب صحیح سیاست کا یہ اثر ہے تو صحیح مذہب اور صحیح سیاست مل کر نہ جانے کیا

کر دینگے۔ وہ شئے جس میں خدا خوش اور دنیا بھی درست ہو کس قدر مزیدار ہوگی مسلمان کو کسی بہی کھاتے کی فکر نہیں، اُس کا پیٹ ہی اُس کا روزانہ بہی کھاتہ ہے، اسی کے اندر اُسکی کمائی کا سارا حساب موجود ہے، اُسکا اوڑھنا بچھونا صرف مذہب ہے اور مذہب کے صدقے میں ہی سب سیاست ہے، وہ پہلے ہی قربانی اور تکلیف کا پتلا ہے اور اصلاحِ نفس کی تحریک میں اُس کے لئے کوئی نئی قربانی اور بڑی تکلیف نہیں۔ پس مذہب کی صحیح منطق جس وقت مسلمان نے سمجھ لی اور یقین ہو گیا کہ اسی میں خدا راضی اور اسی میں دنیا بھی درست ہے، اُسی وقت اللہ اکبر کہتا ہوا میدان میں کود پڑے گا۔ ایسی تکلیف میں پلی ہوئی اور سر فروش قوم کو کیا ضرورت ہے کہ اور دلچسپی ڈھونڈتی پھرے۔ رہنماؤں کے متعلق جو کچھ میں کہہ چکا ہوں عام طور پر درست اور تحقیق شدہ ہے۔ رہنما لامحالہ قوم کا ایک جزو ہیں اور مسلمانوں کے اندر جو احساسِ تکلیف برداری کا مادہ اور اضطراب اس وقت موجود ہے اُس کا عکس ان میں ضرور ہونا چاہیئے۔ اگر باوجود ان تمام باتوں کے قوم ان سے بدظن ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں صحیح نشر و اشاعت اور اخباروں کے کارکنوں میں قوم کو بڑا بنانے کی سیاست موجود نہیں۔ اخبارات کے مالک اشتہاری دوا فروشوں کی طرح صرف اپنے اخبار کی نکاسی کو بڑھانے کی فکر میں رہتے ہیں مگر نہیں بڑھتی۔ ایڈیٹروں کو جو تنخواہیں اس حالت میں اِن سے ملتی ہیں نہایت قلیل بلکہ مضحکہ انگیز ہیں اور اس کے باوجود مالکوں کا رویہ اِن سے ایسا ہے کہ دشنام پر خلعت دینا تو خیر، جب چاہیں سلام پر رنجیدہ ہو کر رخصت کر دیں، آگے کو دس دن ملازمت کا اطمینان نہیں۔ ایسی حالت میں جو سیاست اور قومی عظمت یہ اخبار پیدا کر سکتے ہیں ظاہر ہے۔ ایڈیٹر کو قوم کی آئندہ عظمت کا بنانے والا اور مختارِ کار سمجھ کر مالک اگر ان سے سلوک کرے تو ان کے دماغ روٹی کی فکر سے کیوں خالی نہ ہوں، ان میں صحیح سیاست کیوں پیدا نہ ہو، قومی اچھائیوں کا صحیح اشتہار

کیوں نہ ہو، شخصی اور انفرادی برائیوں سے کیوں درگذر نہ ہو۔ ایڈیٹر اور حکومت کے وزیر اعظم کا مقام دراصل ایک ہی ہے اگرچہ اُنکے عمل کے میدان مختلف بلکہ ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔ وزیرِ اعظم رعیّت کے بالمقابل حکومت کا وکیل ہے تو ایڈیٹر حکومت کے مقابلے میں رعیّت کی وکالت کے لئے ہے۔ دونوں کی پالیسی اور طرزِ عمل ایک ہے۔ وزیرِ اعظم حکومت کے افعال کو خوش آیند الفاظ میں پیش کر کے حکومت کی طاقت اور رعایا پروری کا خیال لوگوں پر بٹھائے رکھتا ہے، جو خامیاں یا غلطیاں سلطنت میں ہوں اُن پر حتی الوسع پردہ ڈالتا ہے اور کسی رنگ میں حکومت کی ہوا اُکھڑنے نہیں دیتا۔ ایڈیٹر کا مقام بھی اپنی قوم کے حق میں یہی ہونا چاہیئے۔ قوم کی عزت شرف اور طاقت کی ہوا بنی رہے تو قوم بن سکتی ہے۔ مذاق ضد یا حسد کے طور پر اپنے ہی گھر کا مضحکہ اڑاتے رہنا قومی وقار کو کھو دیتا ہے۔ اس مقام اور اس تدبیر کو حاصل کرنے کے لئے بڑا وزن، بڑی ثقاہت بلکہ بڑا دماغ درکار ہے اور یہی وجہ ہے کہ یورپ میں ایڈیٹروں کے وزیرِ اعظم بننے کی مثالیں کثرت سے ہیں۔ اسی تدبّر اور دُور اندیشی کے باعث ایڈیٹر کے ایک ظاہراً عمدہ سے عمدہ مضمون شائع نہ کرنے کی "ناشائستہ حکمت" اور "بخل" پر مضمون نویس ہمیشہ سے روتے رہے ہیں۔ اخبار کے ایڈیٹر کو قوم اور حکومت کا بڑا نباض ہونا چاہیئے۔ بعینہٖ وہی شئے اُس کے کالموں میں نکلے جس سے حکومت مرعوب ہو کر جھکے اور قوم مضطرب ہو کر بڑھے۔ مجھے ایک اسلامی اخبار کے غریب ایڈیٹر نے مدّت ہوئی کہا صاحب! یہ شائع نہ کریں تو کیا کریں، خریدار کیونکر پیدا ہوں، ہم کو اپنی روٹی کی فکر بھی ضرور ہے، مالک کیونکر خوش ہو، وہ تو آج بھی مجھ سے اُلجھ رہے تھے کہ سنسنی پیدا کرنیوالے مضمون کم ہو گئے ہیں۔ مالکوں سے پرسش کیجئے، ہمارا کچھ قصور نہیں۔ کمزور اور بے مذاق قوم میں اخبار کو دکان بنانا بڑا خطرناک پیشہ ہے بلکہ قوم کی تمام آئندہ کمزوری کا راز

اسمیں مضمر ہے۔ بڑی بڑی قوموں میں جب جب اخبارات اوّل مرتبہ جاری ہوئے، اُن لوگوں سے ہوئے جو مصلح اور ریفارمر تھے، ان کو دکانداری اور اشاعت کا خیال کبھی نہ تھا۔ وہ جو کچھ اپنے خریداروں کو کہہ گئے پتھر پر نقش رہا اور اسی سے قوم سُدھر گئی ہے۔ الغرض مالک اور ایڈیٹر دونوں اس طرف دھیان کریں تو خوشگوار ہوا جلد یقیناً پیدا ہو سکتی ہے۔ لیکن اخبارات کے رویّہ کو درست کرنے کی بہترین تجویز یہ ہے کہ کوئی مسلمان لازماً ان اخبارات کو نہ خریدے جس میں کسی مسلمان کی صحیح یا غلط برائی لکھی ہو۔ اس سے ہندوؤں کا یا نیم سرکاری اخبار پڑھ لینا بدرجہا اچھا ہے۔ مطلب حل ہو جاتا ہے اور دل میں حرکت ہوتی ہے کہ اور قومیں کیا کر رہی ہیں۔

اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ (۸۶: ۱۳-۱۴)

یہ فی الحقیقت ایک قطعی اور فیصلہ کن قول ہے، ہنسی مخول اور سرسری بات نہیں۔

یعنی

قوموں کا زوال اور اُس کا علاج

حضرت علامہ مشرقی

چودھواں باب
اصل اسلام کیا ہے اور مسلمانوں کو کس تعلیم سے زوال ہوا

ہمدرد - جناب والا! اس تشریح کے بعد مشکلات حل ہو چکیں۔ اب اطمینان کی یہ حالت ہے کہ ادنیٰ سا اختلاف باقی نہیں رہا۔ آپ نے ہمارے دلوں کے اندر روشنی پیدا کر دی ہے اور اس روشنی میں اُمید کی جانفزا کرنیں اور عزم و عمل کی متحرک تصویریں یک بیک نظر آ رہی ہیں۔ اب جناب سے "مذہب کے مڑے ہوئے سرے اور سیاست کی مڑی ہوئی دھار" کے متعلق تفصیل سے پوچھنا ہے کہ یہ کیا ہیں اور کیونکر درست ہو سکتے ہیں۔ یہ مسئلے طے ہو گئے تو راہ صاف ہے۔ معاملات اس قدر کھل گئے ہیں کہ آئندہ جو کچھ معلوم کرنا ہے صرف اصلاحِ نفس کی تحریک کے متعلق ہو گا، مرض کی تشخیص اور علاج کی نوعیت کے متعلق میرے نزدیک کچھ پوچھنا باقی نہیں رہا۔ اصلاحِ نفس کی تحریک کے متعلق دو بلکہ تین نکتے ایسے ہیں جو جناب کی تشریح کے محتاج ہیں۔ اوّل جناب نے کہا تھا "آگے چل کر میں بتلاؤں گا کہ اس تحریک میں منطق کیا ہو گی کہ سب مسلمان مذہباً بالآخر مجبور ہو جائیں گے، اس کا لباس کیا ہو گا کہ ہر ایک میدان میں ناچار کود پڑے گا۔" اس منطق اور لباس کی پوری تفصیل کے لئے بے چین ہوں اور اُس وقت سے یہی خیال برابر کاوش کر رہا ہے۔ دوئم جناب نے ابھی فرمایا تھا کہ مسلمانوں کی سب تحریکیں ناکام اس لئے گئیں کہ اور وجوہات کے علاوہ ان میں مسلمانوں کی ہندوؤں سے دلوں میں دشمنی تھی۔ ہندوؤں سے دل میں دشمنی نہ کرنا تو خیر ٹھیک ہے مگر انگریزوں سے دلوں میں دشمنی نہ کرنا عجب معمہ ہے۔ اس کی تشریح درکار ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ اصلاحِ نفس کی تحریک

کو سمجھنے میں مَیں نے اصولی غلطی کہیں ضرور کی ہے۔

مصنّف۔ میں نہایت خوش ہوں کہ آپ مطمئن ہو گئے۔ اطمینان، یقین اور ایمان ایک شئے ہیں، اور یہی دراصل دنیا کے تمام سعی و عمل کے محرک ہیں۔ کوئی شخص کسی امر کے متعلق دس قدم چلنا گوارا نہیں کرتا جب تک کہ اُس دس قدم چلنے کی منطق یقین نہ ہو اور اگر منطق واضح نہ ہو تو حرکت محال یا کم از کم سعیٔ بے حاصل ہے مسلمانوں کو جب تک خدا اور قرآن کی تعلیم کے متعلق منطقی یقین تھا وہ حرکت اور صحیح حرکت میں رہے، نتائج سے مالا مال رہے اور خدا خوش رہا۔ جب خدا اور قرآن کا علم نگاہوں سے اوجھل ہو گیا ساکن ہو گئے لیکن اب جو کچھ بھی روایتی درد سے اور قانونِ خدا کو سمجھنے کے بغیر کر رہے ہیں اندھیرے میں بھٹکنا اور اپنی قوتوں کو ضائع کرنا ہے۔ اسلام کے مذہب کا سرا توحید تھا، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تھا، اللہ کو ایک جاننا تھا اور مذہب کی بیخ و بنیاد، بلکہ جیسا کہ آگے چل کر خود بخود واضح ہو جائے گا تمام کائنات کی بہتری کی بنیاد "اُعبُدُ اللّٰہَ" کے دو مختصر الفاظ تھے۔ ان الفاظ کے معنی یہ تھے کہ "اللہ کی عبادت کرو" اور یہ لفظی معنی آج کل بھی ہیں۔ عبادت' کے معنی غلام بننا اور 'عبد' کے معنی غلام کے ہیں۔ غلامی اور نوکری ایک شئے ہیں بلکہ غلامی میں نوکری سے کئی درجے زیادہ بندش ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہوشمند عالموں نے عبادت کے معنی کسی زمانے میں 'بندگی' رکھے تھے اور مقصود یہ تھا کہ ان سے اپنے آقا کے ساتھ 'بستگی' اور اس کی لگاتار 'نوکری' کا اظہار ہوتا رہے۔ الغرض اِعبُدُ و اللّٰہَ کے الفاظ کا مفہوم یہ تھا کہ خدا کے غلام بن جاؤ، اُس کی چوبیس گھنٹے کی ملازمت اختیار کرو اور جس طرح ایک نوکر اپنی خواہشوں اور ضرورتوں کو اپنے مالک کی مرضی کے بالمقابل فنا کر دیتا ہے، اور کسی دوسرے آقا کے حکموں کی پروا نہ کر کے اُسی کا بندہ بنا رہتا ہے۔ اِسی طرح کی نوکری اُس آقائے نامدار کی اختیار کرنا " اِعبُدُ و اللّٰہَ " کے صحیح

معنی تھے۔ قرآن حکیم میں اللہ صاحب نے بابار کہا تھا کہ اگر تم اس طرح پر میری غلامی کرو گے تو تم کو اس دُنیا میں بڑی دیر تک قائم اور خوش حال رکھوں گا،٭ قوت اور نعمت کا موسلادھار مینہ تم پر ہر دم برستا رہے گا، تم کو بیحد مالا مال کر دوں گا، تمہاری آبادی اور اولاد کی کثرت ہوگی، تمہارے لئے سر سبز ملکوں کی بادشاہت اور دریاؤں پر حکومت ہوگی ٭ تمہارے واسطے دنیا کی بہترین نعمتیں اور متاعِ حسنہ ہوگا میری وسیع زمین کی بادشاہت ہوگی۔ زمین کے وارث اور بادشاہ بننا چاہتے ہو تو میرے بندے بنو، میری نوکری اختیار کرو،٭ میری غلامی میں رہو، میرے سوا کسی کا حکم نہ مانو، نفس کے حکموں کو نہ مانو، شیطان کے حکموں کو نہ مانو، غیرِ خدا کے حکموں کو نہ مانو، ماسوا کے حکموں پر نہ چلو، مجھے ایک مانو، ایک جانو اور ایک کہو۔ کسی دوسری شئے کے حکموں کو نہ ماننا ہی مجھے ایک کہنے، ایک ماننے اور ایک جاننے کے برابر ہے۔ یہی توحید ہے، یہی لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ کا صحیح مطلب ہے۔ یہ آیتیں قرآن میں صاف لکھی ہیں، ہر شخص جو تلاوت کرتا ہے اِن کو روزانہ پڑھتا ہے اور بغیر سوچے سمجھے گزر جاتا ہے۔ الغرض یہ وُہ

٭ قرآن حکیم میں ہے: اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۝ (سورۂ نوح) یعنی اللہ کی غلامی کرو، اُس سے نوکروں کی طرح ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خدا تمہارے قصوروں پر پردہ ڈال دے گا اور تمہاری قوم کو ایک مدت تک جو مقرر ہے قائم رکھے گا۔

٭ اسی آیت کے بعد ہے: يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝ ط یعنی اللہ کی غلامی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خدا تم پر نعمت اور رحمت کا موسلادھار مینہ بھیجے گا، تم کو دولت اور اولاد کی کثرت سے مدد دے گا اور تمہارے قبضے میں سر سبز باغ اور دریا کر دے گا۔ (قریب قریب یہی مضمون دو دفعہ سورۂ ہُود میں ہے، جہاں متاعِ حسنہ کا بھی ذکر ہے)

٭ اِنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ (۲۱: ۱۰۵) یعنی زمین کے وارث میرے وہ نوکر ہیں جو اچھے کام کر رہے ہیں۔

قانون تھا جو انسان کے بنانے والے خدا نے اپنی پیدا کی ہوئی مخلوق کو دیا تھا اور ایسے ہی قانون کو دینا اصولاً اور انصافاً اُس کا حق بھی تھا۔ جب سب شئے اور ساری کائنات اُسی کی بنائی ہوئی ہے اور کسی دوسرے کو اس بنانے میں ذرہ بھر دخل نہیں تو بنانے والے کا صاف حق ہے کہ مخلوق کی بنیاد اپنی ہی تابعداری پر رکھے، کسی دوسری شئے کو اپنی مخلوق پر حاکم نہ بننے دے، صاف کہے کہ جس قوم نے میرے سوا کسی دوسرے کا حکم مانا اُس کو غرق کر دوں گا، اُن سے سب نعمتیں چھین لوں گا، اُن کو ذلت اور مسکنت دوں گا، اُن کو غریب اور خستہ حال کر دوں گا، اُن سے بادشاہت چھین لوں گا وغیرہ وغیرہ۔ بہتری کی بنیاد اپنی اطاعت پر رکھنی تھی تو لازم تھا کہ بربادی کی بنیاد غیر کی اطاعت پر رکھتا اور اپنی اطاعت کا انعام اس قدر بیمثال تھا تو لازم تھا کہ اپنی اطاعت کو بے حد مشکل اور غیر دلچسپ اور غیر کی اطاعت کو نہایت آسان بلکہ نہایت دلفریب کر دیتا۔ الغرض اُدھر یہ قانون دیا اور اِدھر اُس بے نیاز خدا نے انسان کا امتحان لینے کی خاطر ہزارہا دل لبھانے والے حاکم اور خوبصورت آقا اس دنیا کے اندر آپ بنا کر اپنے مقابل کھلے چھوڑ دیئے اور خود پسِ پردہ چھپ کر بیٹھ رہا کہ اپنے ہونے میں بھی لاکھ شک پیدا ہوں۔ سب سے پہلے خود انسان کے اندر بڑا شیطان نفسِ امارہ لگا دیا جو ہر لحظہ اُلٹے اور نہایت آرام دہ حکم دیتا رہے، شہوتوں اور لذتوں کی طرف رغبت دلائے، بدیاں کرواتا رہے اور تن کے آرام کو سب حکموں پر ترجیح دے کر انسان کی صحت، طاقت، ہمت اور شجاعت کی بیخ اکھیڑ دے۔ پھر دوسری قطع کے بُت مثلاً خوبصورت بیٹے، نیک سیرت بیٹیاں، نازنین جوروئیں، عمدہ مکان، اونچے محل، مال، دولت، اسباب، گھوڑے، باغیچے، بنگلے، تنخواہیں زمینیں، پیر، فقیر، اولیاء، امیر، کبیر، حاکم وغیرہ وغیرہ پیدا کر دیئے کہ اپنا اپنا آرام دہ اور دل پسند حکم دے کر انسان کی تمام قوتوں کو بے کار اور خالق سے پورے طور پر برگشتہ کر دیں۔ اپنی غلامی ہر وقت کرا کر اللہ کی نوکری اور عبادت کے لئے ایک لمحہ نہ چھوڑیں۔ الغرض اِس

اُعْبُدُ و اللّٰہ" کے قانون کی تعمیل کے بدلے میں خدا کی طرف سے مسلمانوں کو دنیا کی تمام نعمتوں اور بادشاہتِ زمین کا وعدہ تھا، وہاں اس صحیح راہ اور اس صراطِ مستقیم سے جس کی تعریف سورۂ فاتحہ میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ ؏ اور صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ؏ کے الفاظ میں تھی ورغلانے کے سامان قدم قدم پر تھے۔ پیغمبرِ آخر الزمانؐ نے عرب کو اللہ کی غلامی اور اس کے انعام میں زمین کی بادشاہت کا راز دلنشین کرنے کے لئے وَمَالِیَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ ؏ کہہ کر اعلان کر دیا کہ خدا تو وہی ایک ہی ہے، جب بنانے والا ایک ہے تو نوکری بھی اُسی کی ہونی چاہیئے، آقائی بھی اُسی کو سجتی ہے، اور حاکم جو حکم کر رہے ہیں انسان کو پیدا کرنیوالے نہیں، نفع و ضرر کے مالک نہیں، آپ محتاج یا بے جان ہیں، پھر اُن کا حکم وا جب اور غالب کیا اُنکو حکم دینے کا سرے سے حق ہی نہیں۔ مردمی اور مردانگی یہ ہے کہ اشرف الخلق انسان خالق کے سوا کسی کا محکوم نہ بنے۔ ان سب اشیاء سے جو اُسکے ساتھ لگی ہیں فائدہ اٹھائے اُنکو مسخر کرے، اُن پر حکم چلائے، لیکن اُن کا مطیع بننا، اُنکے حکموں سے مغلوب ہو جانا اور اُن کا بندہ بننا انسان کے لئے جائے ہزار شرم ہے۔ یہ سیدھی سادی دلیل سیدھے سادے لیکن غیرت مند اور جواں مرد عربوں کے دلوں میں کھُب گئی۔ وہ ماسوا سے باغی ہو گئے اور خدا کی نوکری قبول کر لی۔ اس ملازمت میں رات دن بڑی تکلیف تھی۔ اول تو آنکھوں سے نظر آنیوالے اور ہر دم سامنے رہنے والے خوبصورت بُتوں کے مزیدار اور دل پسند حکموں کو چھوڑ کر نہ نظر آنیوالے خدا سے دل لگانا تھا۔ آقا غائب، مزدوریوں میں شک، تنخواہیں اُدھار حکم مشکوک۔ الغرض تمام ملازمت یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کا مصداق تھی، پھر یہ تھا، کہ اللہ کے سب حکم وہ تھے، جن کی کوئی نقد اجرت نہ تھی، اُن سے کوئی فوری نفع نہ تھا، شیطان اور باقی مزدوری نقد انقد تھی۔ اللہ کا حکم تھا کہ ایک دوسرے کی بُرائی نہ کرو، آپس میں یکدل ہو کر

؏ ہم تیری ہی غلامی کرینگے ؏ اُن لوگوں کا رستہ جن پر تو نے اپنی نعمتیں بھیجی ہیں ؏ اور مجھے کیا ہو گیا ہے کہ اسکا غلام نہیں بنتا جسنے مجھے پیدا کیا۔

رہو، جماعت میں تفریق نہ کرو، ایک امیر کا حکم مانو، اپنی جماعت کو غالب کرنیکے لئے جان کی قربانی کرو، مال کا ایثار کرو، اسلام کو بلند کرنیکے لئے وطن کو ترک کرو، اولاد کی پرواہ نہ کرو، مال و متاع کو حقیر سمجھو، دشمن سے پیٹھ نہ پھیرو، دُنیا کی لذّتوں کو چھوڑ دو، شہوتوں کو مطیع کرو، اللہ کی بنائی ہوئی فطرت کا علم حاصل کرو، سمع (کان) و بصر (آنکھ) اور اَفئِدہ (ذہن) کا صحیح استعمال کرو، الصّلوٰۃ پر قائم رہو، ایک مرکز پر جمع ہو جاؤ، نفس کو بھوکا رکھو، غیبت نہ کرو، وعدوں کو پورا کرو، دنیا میں غالب بنکر رہو، وغیرہ وغیرہ۔ ان احکام کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ عرب جو غیر خدا کی غلامی میں رہنے کے باعث ایک مدت سے اپنی اخلاقی اور مادی قوتوں کو کھو چکے تھے اپنے اپنے بتوں میں مست رہنے اور کُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ کے باعث بکھرے ہوئے تھے، خدا کی غلامی اور "اِعْبُدُ وا اللّٰہَ" کے تحت میں آکر تکلیف پسند، صاحب عمل اور پابرکاب ہو گئے۔ سب کے سب ایک رشتے میں پرو دیئے گئے، ایک خدا، ایک رسولؐ ایک جماعت، ایک امیر، ایک حکم کا سماں ہر طرف نظر آنے لگا، کسی کی کسی سے کچھ لاگ نہ رہی، سب حکم دینے والے اور حکم منوا کر بیکار کر دینے والے بُت توڑ دیئے گئے، سب طرف خدا کی حکومت دلوں پر قائم ہو گئی۔ قوّت اور اتحاد کا یہ شاندار منظر دیکھ کر عرب نے تلوار ہاتھ میں پکڑ لی، خدا کی حکومت نہ ماننے والوں کو خدا کے ماننے کی کھلی دعوت دیکر چھتیس ہزار قلعے اور شہر بارہ برس کے اندر اندر سر کر لئے! الغرض اس "اِعْبُدُ وا اللّٰہَ" کی عظیم الشان حکمت کا لازمی نتیجہ بادشاہت زمین ہوا، قوت اور نعمت کا موسلا دھار مینہ برسا، دنیا کی بہترین نعمتیں ملیں، قیصر و کسریٰ کے تاج روندے گئے، دنیا کے بہترین باغ ملے، بہترین دریاؤں پر حکومت ملی مختصر الفاظ میں اصلی اور نبویؐ اسلام یہ تھا۔ جبتک اللہ کی "عبادت" کے یہ معنی رہے اسلام ہر جگہ کامیاب رہا، اُمّت پابرکاب رہی، ہر طرف سعی و عمل رہا، ہر طرف خدا کے ایک ہونے کا اقرار رہا، خدا خوش رہا۔ چاہیئے تو تھا کہ بادشاہت حاصل کرنیکے بعد بھی مسلمان "اِعْبُدُ وا اللّٰہَ" کی

نفع مند حکمت اور خدا کو خوش رکھنے کے اس بیمثال طریقے پر عمل پیرا رہتے، بادشاہت کو خدا کی غلامی کا لازمی نتیجہ سمجھ کر ماسوا کے غلام نہ بنتے، لیکن جب بادشاہت اور اسکے لازمات حاصل ہو گئے، جہانگیری اور جہانبانی کا ڈنکہ بج چکا اور بہتوں نے سمجھ لیا کہ خدا اب ہمیشہ کیلئے خوش ہے بلکہ ہم ہی اِس دنیا کے اندر اُسکے چاہیتے ہیں تو مسلمانوں نے آہستہ آہستہ غیر خدا اور ماسوا سے پھر لگاؤ شروع کیا، حکم دینے والے بُتوں اور نفس امّارہ کے پھر بندے بننے لگے، لذّات اور خواہشات کو جائز قرار دینے کیلئے نہایت مکّاری سے اسلام کی توڑ مروڑ شروع کی ، اُعْبُدُوا اللّٰہَ" کے الفاظ کو لیکر نہایت ہوشیاری سے اِس کا بادا آدم بدل دیا۔ اعلان کر دیا کہ "اِعْبُدُوا اللّٰہَ" اور عبادتِ خدا کے معنی یہ ہیں کہ خدا کی نمازیں پڑھو، اُس کا نام تسبیحوں پر لو، اُس کو ایک ایک کہتے رہو، کلمۂ شہادت کو رَٹو، پتھر کی دیویوں اور بُتوں کے آگے جو ہندوستان میں ہوا کرتی ہیں ماتھا نہ ٹیکو، ہندوؤں کی طرح بُت پرست نہ بنو عیسائیوں کی سے مسیحؑ پرست نہ بنو، وغیرہ وغیرہ۔ الغرض یہ پنجوقتہ سجدے اور کلمے جو زیادہ سے زیادہ چند لمحوں میں ہو سکتے تھے خدا کے لئے وقف کر کے باقی تمام وقت اپنے اُن پرانے معبودوں کی غلامی اختیار کر لی جو نبی کریمؐ کے ظہور کے وقت مسلّط تھے اور جو ہر مردہ قوم پر ہر وقت مسلّط رہتے ہیں۔ اس مکر و ریا کا لازمی اور منطقی نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے اندر سے وہ تمام خوبیاں نکلتی گئیں جو خدا کی عبادت کے صحیح مفہوم اور اللّٰہ کی دن رات کی نوکری میں مضمر تھیں۔ اُدھر مولویوں اور 'عُلمائے دین' نے اسلام کی بگڑتی ہوئی حالت کے باوجود قانونِ خدا کی ان حیرت انگیز تحریفوں کی تائید کی۔ اللّٰہ کے ناقابلِ بدل قانون کو مکّاری سے چند قرنوں کے اندر تحریراً بدل دیا۔ آیاتِ خدا کو چھپا کر اپنے نفس اور باقی مسلمانوں کیلئے آسانیاں پیدا کیں اور اپنے پیٹ آگ سے بھر دیئے۔* 'عبادت' کو وہی نماز اور تسبیح وغیرہ قرار دیا،

---

* اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

حالانکہ قرآنِ حکیم میں کئی موقعے ایسے ہیں جہاں ایک ہی آیت میں "عبادت" کے لفظ کو الصّلوٰۃ کے لفظ سے علیحدہ کر دیا ہے، ایمان کو مُنہ سے خُدا کا اقرار قرار دیکر سب اُمت کو اور سب سے پہلے اپنے آپ کو مسلمان بنائے رکھا۔ پتھر کے بُتوں، ہندوؤں کی دیویوں اور مورتوں کو "خدا کے شریک" ظاہر کر کے مسلمانوں کی پیٹھ ٹھونکی کہ وہ مشرک نہیں، مومن ہیں، جنّت کے حقدار ہیں، اللہ کے لاڈلے ہیں، خدا اُنکے انتظار میں جنّت کی کُنجیاں لیکر بیٹھا ہے! سلطنتوں کو ہاتھ سے نکلتا دیکھکر دنیا سے بیزار کر دیا کہ یہ رہنے کے لائق نہیں، یہ دنیا مُردار ہے اسکی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھنا بھی "مومن" کا کام نہیں۔ پھر کیا تھا خدا کی قرآنی دھمکیاں یک بیک پوری ہونے لگیں، بادشاہت چھین لی گئی، ذلّت اور غریبی لیس دی گئی، نظم و نسق ٹوٹ گیا، تفرقے انتہا تک پہنچ گئے، شکستیں نمایاں ہو گئیں اتحاد باقی نہ رہا، زور آور امیر نہ رہا، زمین تنگ ہوتی گئی، مسکنت اور محتاجی ماتھوں پر جم گئی۔ یہ سب ہوا لیکن عام مسلمانوں نے قرآن سامنے ہو کر اور آنکھیں ہوا کر اس تین سَو برس کی خُدا کی مار اور مُنہ کے بنائے ہوئے کافروں اور مشرکوں کی لگاتار سَنوار کے باوجود ہرگز نہ سمجھا کہ آخر ان دردناک سزاؤں کی وجہ کیا ہے۔ وہ اسی تحریف شدہ اسلام کو جو اُن کو اپنے باپ دادا سے ورثے میں ملا تھا صحیح اسلام سمجھتے رہے اور آجتک اُسی پر ضد سے قائم ہیں۔ الغرض مسلمانوں کے زوال کی منطق قطعاً عیاں ہے۔ اُنکے دلوں میں شیطان کی حکومت اور خدا صرف زبان پر ہے۔ اُمّت کا کمال تجاہل مگر نہایت نادُور اندیشی سے اللہ کی عبادت کے مفہوم کو یکسر بگاڑ کر سجدوں، کلموں اور شرعی منقولوں کو خدا کے وقف کر دینا، زمین پر قوی اور بادشاہ بنکر رہنے کے خدائی انعام کو پاؤں سے ٹھکرا کر دُنیا کو مُردار اور

٭ بقیہ حاشیہ :- مَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ ۰ (البقرہ)

ترجمہ :- جو لوگ قرآنی آیتوں کے صحیح معنوں کو چھپاتے اور اس جرم کے بدلے اپنی قلیل روزی کماتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔

ناقابلِ توجہ سمجھنا مذہب کا وہ مُڑا ہوا سرا اور سیاست کی وہ مُڑی ہوئی دھار ہے جس کو پھر درست کرنا ہر ہوشمند شخص کا فرض ہے۔ اور مذہبوں میں جب جب یہ تبدیلیاں واقع ہوئیں وہ رسم ورواج کی لکیر میں پڑ کر بے اثر ہو گئے، اُنکے پیرووُں میں مذہبی حمیّت اور مذہب کی بنا پر سیاست دونوں جلد معدوم ہو گئیں۔ قوت چھن گئی تو لوگوں نے خدا کا تخیّل بھی سرے سے چھوڑ دیا، پتھر کے بتوں یا مذہبی مشاہیر کو خدا کا اوتار فرض کر کے اُن سے لَو لگا لی، یا خدا کا تعلق صرف انفرادی زندگی سے رکھ کر مذہب کو دنیا کے لئے بیکار ثابت کر دیا۔ لیکن مسلمانوں میں خدا کی حکومت عملاً اگرچہ نمایاں نہیں رہی، اُن کے اُن طبقوں میں بھی جن کا تعلّق رات دن ہاتھ پاؤں کی محنت، حلال روزی اور سعی و عمل سے ہے کوئی قابلِ ذکر منظم حرکت خدا کی ملازمت کی بنا پر باقی نہیں رہی۔ لیکن خدا کا تخیّل ابتک قطعاً زندہ ہے، مذہب کا تخیّل قطعاً زندہ ہے، مذہب کی بنا پر سیاست قطعاً زندہ ہے، بادشاہت اور قوت کا نصب العین قطعاً زندہ ہے، اُنکا آج بھی سب سے بڑا فخر توخدا کی توحید پر ہے، وہ آج بھی اس بات کے بڑے دعویدار ہیں کہ خدا کو ایک ماننے والے صرف وہی ہیں، اللّٰہ کے نام لیوا اور اس کی وحدت کے علمبردار صرف وہی ہیں، وہ مشرک کے نام سے کوسوں دور بھاگتے ہیں، کفر کے کلموں سے لرز جاتے ہیں، بُت پرستی سے دلی نفرت ہے، خدا کی راہ میں اُن کی مالی اور جانی قربانیاں وہ ہیں جن کا ذکر ہوا۔ پس جس قوم میں رسمی شرک سے یہ نفرت اور رسمی توحید سے یہ عشق ہے، جس کا ہر فرد عام طور پر اس قرآنی حکم سے واقف ہے کہ خدا سب گناہوں کو بخش دیتا ہے مگر شرک کو قطعاً نہیں بخشتا، اُس قوم میں جو حوصلہ اور وثوق سے اور کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت کے خوف کے بغیر، اللّٰہ کی عبادت، اس کی توحید، اُس کے شرک اور اُس کے کفر کے سچے اور اصلی مفہوم کو پھر رائج کرنا بڑا مشکل نہیں۔ (باقی)

پندرھواں باب

قوّت کا راز توحید کو صحیح سمجھنا ہے اور مسلمان پھر کیونکر قوی بن سکتے ہیں

مصنّف ۔ اُن کو یہ کہنا ہے کہ اس تمام مذہبی حمیت، اسلامی جوش اور مالی اور جانی قربانیوں کے باوجود اگر اللہ کے ہاں تمہاری کوششیں مقبول نہیں ہوتیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ تم میں اللہ کی بندگی صحیح معنوں میں قطعاً نہیں رہی، تم شرک میں صحیح معنوں میں گرفتار ہو، توحید کے علمبردار ہرگز نہیں ہو سکتے۔ ان کو قرآنی شہادت دیکر بتلانا ہے کہ اللہ کی عبادت کا لازمی اور منطقی نتیجہ بادشاہتِ زمین ہے بلکہ جو قوم بھی خدا کی زمین کی وارث ہے یا وارث بننے کی کوشش کر رہی ہے وہ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ ٭ کے خدائی قول کے مطابق صحیح معنوں میں عابد اور ملازم خدا ہے، وُہی صالح ہے اور خدا بھی اسی سے خوش ہے۔ اُن پر واضح کرنا ہے کہ تم بیمثال مالی اور جانی قربانیاں کرتے ہو، دردناک تکلیفیں جھیلتے ہو، لاکھوں روپیہ اپنی مفلسی کے باوجود اپنے رہنماؤں کے قدموں پر ڈال دیتے ہو، ہزاروں کی تعداد میں ہجرت کر جاتے ہو، لیکن باوجود ان تمام باتوں کے تمہاری کوششیں بارآور اسلئے نہیں ہوتیں کہ تم میں نظم و نسق نہیں، تم میں اتحاد اور وحدتِ اُمّت نہیں، تم میں ایک مرکز سے بستگی نہیں، تم میں ایک امیر نہیں، تم میں اطاعتِ امیر نہیں، تم میں کوشش کرنے کے بعد اس کوشش پر استقامت نہیں۔ لیمنڈ کے اُبال کی طرح جوش میں اگر کچھ کر جاتے ہو لیکن پھر پانی کی طرح ناتواں ہو کر بہہ جاتے ہو۔ یہ سب عظیم الشّان نقص اس لئے ہیں کہ تم میں چوبیس گھنٹے کی خدا کی نوکری نہیں، صرف چند لمحے خدا سے

٭ (ترجمہ) زمین کے وارث تو اصل میں ہمارے عمدہ بندے ہی ہیں۔

ڈر کر کچھ کر لیتے ہو لیکن فوراً خدا سے سچی بغاوت کر کے ایک دوسرے سے بگڑ جاتے ہو۔ اگر خدا کی پوری غلامی اور ماسوا سے پوری بغاوت صحیح معنوں میں ہوتی تو ہمیشہ متحد رہتے ہمیشہ ایک امیر کے ماتحت اور ایک مرکز پر جمع رہتے، تم میں چھوٹائی، بڑائی ہرگز نہ ہوتی۔ یہ صرف نفسی اور ذاتی اغراض بلکہ شیطان کی صحیح معنوں میں بندگی ہے جو تم کو تسبیح کے دانوں کی طرح بکھیر رہی ہے، تم کو ایک مرکز پر جمع نہیں ہونے دیتی، ایک امیر کے ماتحت کام کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ اُن پر اچھی طرح اور نہایت وثوق سے ذہن نشین کرنا ہے کہ خدا کی دوستی اور بادشاہت کا انعام اس وجہ سے نہیں ملتا کہ تمہارے نزدیک توحید یہ ہے کہ صرف پتھر کے بتوں یا دیوتاؤں کے آگے ماتھا نہ ٹیکا جائے، یا اپنا نام کمال الدین اور عبداللہ رکھکر مسلمانی کا اقرار کر لیا جائے، تمہیں نہایت ٹھنڈے دل سے اور ہوشمند بن کر غور کرنا چاہیئے کہ اس پروردگارِ عالم اور رب العالمین کی اصلی دوستی آج ہنری سمتھ اور رام داس، کی جماعتوں سے ہے، راز و نیاز کی چشمکیں اگر ہیں انہی سے ہیں، رحمت کی موسلا دھار بارشیں تو انہی پر ہیں، مہربانی کا بادل انہی پر چھا رہا ہے۔ یہ سب اس لئے کہ خدا کے نزدیک اصلی "عبداللہ" اور سچا بندۂ خدا ہونا یہ ہے کہ پتھر کے بتوں کے ساتھ ساتھ نفس کے خوفناک بتوں کو توڑا جائے، دل کے اُن زندہ حکمرانوں کا کہنا نہ مانا جائے جو ہر آن اور ہر لحظہ خدا کے حکموں میں دخل دیتے رہتے ہیں، جو ہر وقت خدائے ذوالجلال کی پوری نافرمانی کرا کر رہتے ہیں۔ کمالِ دین اور اصلِ اسلام یہ ہے کہ انسان کو مال سے محبت نہ ہو، جان پیاری نہ رہے، اولاد کی پروا نہ ہو، باغ، مکان طویلے، تنخواہ، گھر کا اسباب، زن، زر، زمین، گھوڑے، مویشی، سب ہیچ نظر آئیں اور ہر دم نظر آتے رہیں۔ سب کے حکموں کو ربِّ ذوالجلال کے حکموں کے بالمقابل بے حقیقت سمجھا جائے۔ یہی وہ بت ہیں جو ہر وقت انسان کے ساتھ لگے رہتے ہیں۔ رات دن انہی کی پرستش فی الحقیقت ہو رہی ہے۔ انہی کے حکموں کو خدا کے حکموں پر ترجیح دی جاتی ہے، انہی

کی شے پر خدا سے ہر دم بغاوت ہے، انہی کو خدا کا شریک بلکہ سچ پوچھو تو خدا سے بہتر سمجھا جاتا ہے اور اسی لئے اس مالکِ زمین و آسمان کی غیرت یہ گوارا نہیں کرتی کہ انسان اپنے خالق کو چھوڑ اس کی پیدا کی ہوئی بے حقیقت چیزوں کا حکم مانتا رہے۔ پتھر کے بتوں یا مسیح کی مورت کی عُبادت، ہندوؤں اور عیسائیوں میں اوّل تو رہی نہیں یا اگر ہے تو صرف چند لفظوں کے بڑبڑا لینے تک محدود ہے بلکہ پتھر کے بت اگر کچھ حکم دے سکتے ہیں تو صرف چند لمحوں تک، مگر نفس کے بت چوبیس گھنٹے حکم دیکر انسان کو خدا سے پورا باغی کر دیتے ہیں۔ آدمی صرف اپنے نفس میں مست رہتا ہے، صرف اپنی ذات سے متعلق کاموں میں لگا رہتا ہے، قوم اور جماعت کی بہتری کی باتوں سے اس کا کچھ سروکار نہیں رہتا۔ مسلمان آج صرف منہ سے خدا کو ایک کہتا ہے اور دن میں چند لمحوں کے لئے اُس کا کلمہ پڑھ کر، باقی وقت اِن بتوں کی بندگی میں نہایت شوق سے بلکہ اطمینان سے گزارتا ہے اور عملاً ایک نہیں ہزار خداؤں کا بندہ بنا رہتا ہے لیکن اور قومیں اگرچہ منہ سے خدا کو ایک نہیں کہتیں مگر اپنا اکثر وقت خدا کے حکموں کی تعمیل اور نفسانی بتوں سے بغاوت میں صرف کر کے اصل میں یہ ثابت کر رہی ہیں کہ اُن کا حاکم وہی خدائے واحد ہے۔ پس جب توحید یہ ہے کہ دل میں کوئی بت نہ رہے اور جب خدا کو ماننے کے کوئی دوسرے معنی لینا ناممکن ہے تو مسلمان یقیناً اس وقت ایک خدا کے ماننے والے نہیں، اس حالت میں مسلمان کا ہر وقت لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتے رہنا بے نتیجہ ہے، اللہ سے انعام کی اُمید فضول ہے، خدا کو دھوکا دینا کیا اپنے نفس کو دھوکا دینا ہے۔ اور قومیں جو خدا سے انعام لے رہی ہیں نسبتاً زیادہ فرمانبردار ہیں۔ اُن میں اتحاد ہے تو اس لئے کہ اُن کے اکثر افراد میں ذاتی غرضوں، ایک دوسرے سے حسد اور دشمنی خود رائی اور کبر، یا ایک دوسرے کی پگڑی اچھالنے کے پیارے بت فنا ہو چکے ہیں، اُن میں ایک رہنما اور باقی سب سپاہی ہیں تو اسلئے کہ سب نے نفس پسندی اور جاہ پرستی کے بت کو فنا کر کے اپنا تن من دھن قوم کی بہتری کے لئے وقف کر دیا ہے، اُن میں ایک امیر کی اطاعت ہے تو

اس لئے کہ لیڈر بننے کے پیارے بُت کو توڑ کر، ہر شخص ایک امیر کی آواز پر ہر ممکن قربانی کرنے کے لئے تیار ہے، اُن میں جیلخانوں سے عشق ہے تو اس لئے کہ نفس کے بُت کو مارنا اُن کی نظروں میں آزادی اور بادشاہت کی پہلی منزل ہے، اُن میں ستر ستر دن کا مسلسل روزہ اور اس کے بعد تمنّائے موت ہے تو اسلئے کہ عیش پسندی کے بُت کو چکنا چور کر کے اکثر لوگ بھوک کے خوفناک دیو کو قوم کی بہتری کی خاطر قتل کرنے پر تیار ہیں، اُن میں اپنے امیر کی عزت کی پوری حفاظت اور کم بخت اعرابی کی طرح اپنے سردار پر بلا وجہ کیچڑ پھینکنا اس لئے نہیں کہ قوم کے دلوں سے منافقت اور شرارت کا بُت قطعاً نکل چکا ہے، اب ہر شخص امیر کی عزت کو اپنی عزت سمجھ کر جان لڑانے کے لئے آمادہ ہے، اُن میں چھوٹوں کو بڑا بنا دینے کا ڈھنگ اس لئے ہے کہ ہر شخص اپنی بڑائی اور اپنی کبریائی کے بُت کو فنا کر کے قوم کو بڑا بنانے کی فکر میں ہے، اُن میں ہڑتالوں کے موقع پر کروڑوں روپیہ کی مالی قربانیاں اس لئے ہیں کہ کاروباری قوم ہونے کے باوجود مال کے بُت کی پرستش نہیں رہی، اُن میں فضول خرچی اس لئے نہیں کہ نفس کی خواہشوں پر پورا جبر ہے، اُن میں دولت اس لئے ہے کہ فضول خرچی کے آرام دہ بُت سے تعلق کٹ چکا ہے، اُن میں غیبت اور بدگوئی اس لئے مفقود ہے کہ پیٹھ پیچھے کسی کو بُرا کہنے کے دلچسپ اور خوبصورت بُت سے کچھ لگاؤ نہیں رہا بلکہ بھائی کے گوشت کھانے میں کراہت آتی ہے اُن میں وعدہ خلافی اس لئے نہیں کہ وعدہ کی مشکل خود پیدا کر کے آسان پسندی کے بُت کی عبادت کرنا مردانگی کے خلاف نظر آتا ہے، وہ اپنوں پر بڑے رحم کرنیوالے اور غیروں کے بڑے دشمن اس لئے ہیں کہ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ کے اسلامی اصول کو سمجھ چکے ہیں، اُن میں تیس کروڑ دیوتاؤں کی "پرستش" کے باوجود سب کا طریقِ عمل ایک ہے تو اس لئے کہ اُن کے تیس کروڑ بُت در اصل بُت نہیں رہے، اگر ہر دیوتا اپنا حکم منواتا تو اتحاد ممکن نہ تھا، بلکہ ایک کے سوا دوسرا خدا ہوتا تو قوم کیا زمین و آسمان بگڑ جاتے، اُن

پیروں اور اماموں یا مہنتوں اور پنڈتوں کے نام پر فرقہ بندیاں اس لئے نہیں کہ پیر اور امام اُن کے بُت نہیں رہے، اُن میں ہاتھ اٹھانے اور آمین کہنے پر سر پھٹول اس لئے نہیں کہ لفظوں اور عقیدوں کو بُت بنا کر اپنی خودکشی کرنا نہیں چاہتے، اُن کے اخباروں میں گالی گلوچ اور ایک دوسرے کی پگڑی اُچھالنا اس لئے نہیں کہ چٹ پٹے مضامین لکھنے اور بھائی سے خدا واسطے کے بغض رکھنے کے بُت کی پرستش کر کے اپنی قوم کو کمزور کرنے کی شیطنت باقی نہیں رہی، اُن میں مختلف راؤں کے باوجود دشمن کے سامنے متحدہ محاذ پیش کرنے کی قابلیت اسلئے ہے کہ نفسانی اغراض اور ذاتی خواہشات کے سب بُت فنا ہو چکے ہیں اور صرف قوم کی بہتری پیشِ نظر ہے، فتح و ظفر پیشِ نظر ہے، دشمن کو نیچا دکھانا پیشِ نظر ہے، الغرض اُن کی راہ ایک، کام ایک منتہا ایک ہے۔ اس لئے اُن کا آقا اور حاکم ایک ہے، خدا ایک ہے، دین ایک ہے، اگر خدا مختلف یا کئی ہوتے تو ممکن نہ تھا کہ اس طرح متحد ہوتے۔ جس قوم میں بُت نہیں رہے اُس میں خدا ضرور ہے۔ جب شیطنت نہیں رہی تو نیکی کا موجود ہونا یقینی ہے اور نیکی کا مالک یا نیکی کا حکم دینے والا خدائے واحد کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ ایسی قوم توحید پر صحیح معنوں میں عامل ہے، وہ دینِ اسلام پر چل رہی ہے، اُس کو مشرک یا بُت پرست کہنا اندھا پن ہے، اپنے نفس کو دھوکا دینا ہے۔ قرآنِ حکیم نے مشرکوں کی تعریف صاف اور غیر مشکوک الفاظ میں یہ کی ہے کہ مشرک[1] وہ ہیں جنہوں نے اپنی جماعت میں تفرقہ ڈالا، یہ اسلئے کہ تفرقہ اسیوقت شروع ہو جاتا ہے جب ہر شخص خدائے واحد کو چھوڑ کر اپنے بتوں میں مست ہو جاتا ہے۔ یہ یہ خدا کا دلوں میں آجانا ہی وہ خوش قسمتی ہے جو دلوں کو جوڑ دیتی ہے[2]، شیطان کا حکم دل

---

(۱) وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۝ (سورۂ روم)
ترجمہ۔ اور لوگو! مشرک نہ بن جانا، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے دین میں فرقے پیدا کئے اور الگ الگ گروہ بن گئے۔ اب ہر گروہ اپنے اپنے بُت میں جو اُسکے سامنے ہے مست ہے۔ (۲) اَللّٰہُ اَلَّفَ بَیْنَہُمْ (۸ : ۶۳) ترجمہ۔ اللہ نے اُن کے دلوں کو جوڑ دیا۔

میں رہے تو اتحاد محال ہے۔ اسی لئے بُت پرستی اور شرک کی بخشش نہیں، اسی لئے کہا سب گناہوں کو بخشش دوں گا مگر شرک کو ہرگز نہ بخشوں گا۔ آخرت کا بخشنا تو درکنار، اسی دنیا میں کم سے کم مدّت کے اندر وہ دردناک سزا ازل جاتی ہے کہ قوم کے پرخچے اڑجاتے ہیں، علم، دولت، عزت، صحت، حکومت، آزادی سب یک بیک رخصت ہوجاتے ہیں، پھر دلوں[1] سے وہ آگ کے شعلے بلند ہوتے ہیں کہ مَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ مِنَ النَّارِ[2] کا سماں صاف نظر آجاتا ہے۔ پس قرآن کا آسمانی اعلان ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ یعنی کیا تفرقہ ڈالنے والے بہت سے رب اچھے ہیں یا وہ خدائے واحد جو سب پر غالب ہے وہ لازوال حقیقت ہے جس سے ابدالآباد تک کسی زندہ قوم کو انکار نہیں! وہی قوم كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ[3] کی مصداق بنکر اس حقیقت سے بھاگے گی جو مشرک ہوگی، جس کے دلوں کے اندر تین سو ساٹھ بُتوں کی انجمن ہر وقت لگی رہے گی۔ زندہ قوم کا توحید کے اصل اصول سے کسی وقت اور کسی لحظہ بھاگنا محال ہے! مسلمانوں کی توحید کا کسی زمانے میں یہ رنگ تھا کہ حضرت جنیدؒ ایک دفعہ صرف تکیہ اور مٹی کا پیالہ لیکر اسلام کے دشمنوں سے لڑائی کے لئے گھر سے نکلے، خدا کی راہ میں جان دینے کا جوش اِس قدر اور اسلام کو مدد اِس قدر درکار تھی کہ بُری خبر سُننے کے بعد گھر بار، خان ومان، فرزند و زن سب کو چند لمحوں کے اندر رخصت کر دیا۔ کچھ دیر سفر کرنے کے بعد پیالے کو دیکھ کر خدا کے اس سچے پرستار کو نظر آیا کہ ایسے آڑے وقت میں آرام پسندی کے اِس بُت کو ساتھ لگائے رکھنا توحید کے منافی ہے۔ وہیں توڑ دیا۔ آگے چلکر تکیہ کی طرف نظر کی۔ اِس میں بھی شرک کا وہی خوفناک بُت دکھائی دیا،

---

(۱) نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَةِ ۝ (۱۰۴ : ۶-۷) ترجمہ - اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہی ہے جو دلوں پر چڑھ جاتی ہے اور اُنکو کباب کر دیتی ہے (۲) ترجمہ - وہ اس آگ سے ہرگز نہ نکل سکیں گے۔

(۳) ترجمہ - اے محمدؐ! جس توحید کیطرف تو بلا رہا ہے وہ اُن لوگوں کیلئے جو دلوں کے اندر بُت پوجنے والے ہیں بہت بھاری مصیبت ہے

پھینک دیا اور بوجھ ہلکا ہونے پر دو منزلوں کی ایک منزل کر کے پہلی صف میں شریک ہو گئے!
حضرت عمرؓ نے اسی توحید کو بے لوث رکھنے کیلئے اپنی بڑھتی ہوئی فوج کو عام حکم دیا کہ سپاہی جس ملک کو فتح کریں اسمیں زمین نہ خریدیں، گھر نہ بنائیں، ہاتھ کا بنا ہوا کپڑا پہنیں، اس ملک کی عورتوں سے بیاہ شادی نہ کریں وغیرہ وغیرہ۔ مقصود یہ تھا کہ فتح کی رفتار تھمنے نہ پائے اور جبتک فوج کا یہ عمل رہا اسلام کو کوئی شئے نہ روک سکی۔ حضرت طارقؒ کے اندلس پر حملہ کرنے کے وقت جبل الطارق میں کشتیاں جلا دینے کا مشہور واقعہ اس قدر خون کو حرکت دینے والا ہے کہ بارہ سو برس کے بعد آج بھی ہر مسلمان کو گرما دیتا ہے لیکن اس کے اندر بھی توحید اور توکّل کی وہ حوصلوں کو لاکھ گنا بڑھانے والی اسلامی غیرت تھی جس کا منشا یہ تھا کہ اللہ کی رسّی کو پکڑ کر سب ماسوا کو ہیچ اور لاشئے عملاً ثابت کر دیا جائے۔ آج دوسری قومیں اس توحید کو مسلمانوں سے لیکر ترقی کے بلند میناروں پر چڑھ رہی ہیں اور مسلمانوں کی بے دماغی اور بدحواسی بلکہ بدنیّتی کا یہ عالم ہے کہ دنیا میں ہمیشہ کے لئے طاقتور رہنے کے اس اصل اصول کے موجد اور خدائے عزّوجلّ کی وحدت کے واحد علمبردار ہو کر توحید کو صرف پتھر کے بتوّں کی توحید سمجھتے ہیں اور جنّت کے سبز باغوں کے خواب میں مست ہیں، خدا کی دوستی کے گمان کے باوجود دُنیا کو چھوڑ دینا اور اسمیں دُکھ پانا دینداری کا جزو خیال کرتے ہیں۔ نہیں سمجھتے کہ اگر کعبہ کے تین سو ساٹھ پتھر کے بتوں کو توڑنا ہی رسولِ خدا کا سب سے بڑا کارنامہ اور قرآن کی سب سے بڑی توحید تھی تو حیرت ہے کہ اس عظیم الشان کارنامے کا ذکر تک قرآن میں موجود نہیں! مسلمانوں کو خدا نے ایک صف میں کھڑا ہونا سکھلایا، ایک امیر کی تابعداری اور اُسکے حکم میں "فوجی قواعد" کرنے کا دن میں پانچ وقت سبق دیا، ایک شخص کی آواز پر دن میں پانچ بار ایک جگہ پر اکٹھے ہونے کا طریقہ بتایا، مال کے چالیسویں حصّے کو قوم کی بہتری کے لئے فرض کر دیا، تیرہ سو برس تک سال میں تیس دن بھوکا رکھ کر نفسِ امّارہ کو رام کرنے کا طریقہ بتلایا، ہر برس ہزار در

ہزار خلق خدا کو دُنیا کے ہر گوشے سے ایک مرکز پر جمع ہونے کی حکمت دی اور سب سے بڑھ کر کسی ماسوا کے آگے نہ جھکنے کا بیمثال کلمہ مسلمان کے ماتھے پر لکھ دیا۔ اس سے زیادہ وہ پروردگار عالم کیا دے سکتا اور وہ رحمۃ اللعٰلمین کیا لا سکتا تھا مگر حیف! کہ اِس وقت تمام حکمت کے نچوڑ کو غیر قوموں نے جذب کر لیا ہے۔ وہی سیدھی صفوں میں ہر وقت سروقد کھڑے ہیں، اُنہی کا امیر اُن سے وہ فوجی قواعد کرا رہا ہے کہ ایک دنیا دنگ ہے، وہ آواز دیتا ہے اور سب دم بخود ہو کر یکجا اور بے چون و چرا جمع ہو جاتے ہیں، مالی قربانیاں وہ کرتے ہیں کہ عقل حیران ہے، جانوں کو ہاتھ پر رکھ کر جیلخانوں میں جاتے ہیں اور پھانسی کا حکم سنکر دلوں میں وہ کیفِ محبت ہے کہ وزن بڑھ جاتا ہے! اُنکے مردوں اور عورتوں، بچوں بلکہ بوڑھوں نے خدا کے حکموں کی وہ سربکف اطاعت پیش کی ہے کہ انگریزی حکومت کی سیاست کا دیوالہ نکل چکا ہے۔ کروڑ در کروڑ مسلمانوں نے تیرہ سو برس تک روزوں کی مشق کی، روزے کو تقدس کا وہ درجہ دیا کہ روزہ دار کے مُنہ کی بدبو کو خوشبو، اور آسمان کے فرشتوں کو اُسکے لعابِ دہن چاٹنے کے لئے کہا، ماہِ صیام کی وہ وہمی اور فرضی فضیلتیں دکھلائیں کہ آسمان کے کروڑ در کروڑ فرشتوں کو اس مہینے کی تعظیم کے لئے زمین پر اُتارا۔ قرآن بلکہ حدیث اور کلام میں ان من گھڑت باتوں کی کوئی سند نہیں، روزہ صرف اپنے نفس کو مطیع کرنے اور جہاد کے دن اسلام کے کام آنے کے لئے ہے، سپاسی کو طاقتور اور ناقابلِ شکست بنانے کے لئے ہے، خُدا کو کیا ضرورت ہے کہ اُس کے تقدس میں آسمان سے فرشتے اُتارتا پھرے۔ تاہم چاہیئے تھا کہ ان کہانیوں کا عام لوگوں کی زبان پر ہونا روزے کی اہمیت کو دس گُن بڑھا دیتا لیکن ان تمام دروغ بافیوں اور آٹھ کروڑ مسلمانوں کی عام فاقہ مستی کے باوجود ہندوؤں کی دولت مند اور فاقہ سے ناآشنا قوم کے فارغ البال شخص (جتیندرا ناتھ) داس (غلام) کا ستّر دن کا کڑاکے کی گرمیوں میں مسلسل روزہ اُس کی اپنی قوم کے لئے وہ کام کر گیا کہ اُس نے انگریزی حکومت کے عظیم الشان

محل کی بنیادیں ہلادیں۔ بدبخت آٹھ کروڑ مسلمانوں میں سے ایک نہ نکلا جو اس روزے کا مقابلہ کرتا اور اس "غیر آسمانی" اور "غیر شرعی روزے کو بے وقعت کر دیتا! پس میرے نزدیک یہ پچھلے کئی سو برس کی نمازیں اور روزے سب اکارت ہیں، اِن سے جنّت کیا دوزخ کا بہترین گوشہ بھی نہیں مِل سکتا۔ یہ روزے اور نمازیں نہیں پچھلوں کی ناخلفی اور شہوتوں کی پیروی ہے، ان کا نتیجہ ہلاکت ہے۔ اِن سے اُمّت کے دِل نہیں جُڑے۔ اِن سے اتحاد پیدا نہیں ہُوا۔ اِن سے ایک مرکز نہیں بنا۔ اِن سے اطاعت پیدا نہیں ہوئی۔ اِن سے ایک امیر نہیں بنا۔ اِن سے نفس رام نہیں ہوا۔ ذاتی اغراض اور نفسانی شہوات اُلٹی دس گنا بڑھ کر قوم اور بکھر گئی۔ اِن کا اوّلین نتیجہ شکست اور ہلاکت ہے، اور انجام دوزخ ہے، آگ کا گڑھا ہے فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا٭ پس مسلمان کی اوّل اور آخری پناہ توحید ہے۔ وہ جب تک اس توحید پر عامل نہ ہونگے اس دنیا میں ہرگز ہرگز پنپ نہیں سکتے۔ اگر اس منطق کے بعد ہر مسلمان اپنے گھر کی درستی اور اصلاحِ نفس کی تحریک کیطرف مذہبًا مجبور نہ ہو جائے تو پھر میرے پاس اِسکو مجبور کرنے کی اور کوئی تجویز ہرگز موجود نہیں۔

ہمدرد۔ جنابِ والا! اگر اس وضاحت کے بعد مجبور نہ ہو جائے تو فی الحقیقت کمال بدبختی ہے۔ توحید پر عمل کرنیکے نتائج اِسقدر روشن اور واضح ہونیکے باوجود مسلمان اگر توحید کو پھر اختیار نہ کریں تو یقینًا اصلاح کی کوئی دوسری تجویز ممکن نہیں۔ مذکرہ کے مطالعے کے بعد ہم نے اسی توحید کے موضوع پر کئی مخلصانہ صحبتیں آپس میں کیں۔ اکثر اوقات آدھی آدھی رات تک بیٹھ کر سوچا کہ کیا کیا جائے۔ دنیا اور آخرت کی بہتری کے اس واحد اصل اصول اور عالمگیر قانون کو کیونکر پھر مسلمانوں میں رائج کر دیا جائے۔ اسکے لئے

٭ ترجمہ: پھر اُنکے بعد ایسے ناخلف لوگ آئے جنہوں نے اپنی نمازیں ضائع کر دیں اور شہوتوں کی پیروی کی تو عنقریب انکو ہلاک کر دیا جائیگا۔

ایک بڑے پیمانے پر تبلیغ درکار سمجھی۔ کبھی سوچا کہ صحیح توحید کی اہمیت اور فطری صداقت کا ہر مسلمان کو فرداً فرداً قائل کر کے اُس سے عہد و پیمان لیا جائے، مختلف مرکزوں پر اس توحید کے مبلّغ ہوں، اخبارات میں اشاعت ہو، مختلف رسالے اس موضوع پر لکھوا کر مُفت تقسیم کئے جائیں، جناب کی تصنیف کی اشاعت عام کر دی جائے، مستقل سرمایہ کا انتظام ہو، وغیرہ وغیرہ۔ کئی تجویزیں پیش ہوئیں اور کئی دفعہ صفِ اوّل میں عمل کے لئے تیار ہوئے مگر جس منزل پر پہنچنے کے لئے آنکھیں ترس رہی ہیں وہ منزل ان تجویزوں سے طے ہوتی نظر نہ آئی۔ جناب کی تقریر سے اب بالکل واضح ہے کہ اصلاحِ نفس کی تحریک میں توحید کی منطق بذاتِ خود وہ چاشنی ہوگی جو ہر شخص کو مذہباً اس میں شامل ہونے پر مجبور کرے گی۔ یہ قوت حاصل ہو گئی تو قرونِ اولیٰ کا سماں پھر آنکھوں کے سامنے بندھ جائے گا، اسلام کے سپاہی عاجز اور غریب بندے بنکر اللہ کی مزدوریاں کرتے ہوئے پھر نظر آئیں گے، پھر اللہ کی گواہی دینے والے مجاہدوں کو اللہ کا رنگ اور اللہ کی چپڑاس پہنے ہوئے بازاروں میں مصروفِ عمل دیکھنا نصیب ہوگا۔ مسیح علیہ السّلام کے قول کے مطابق عاجز اور غریب دل لوگوں کی آسمانی بادشاہت پھر قائم ہو جائے گی۔ جناب والا سے اب صرف اس تحریک کے لباس کی تفصیل درکار ہے۔ خط و خال کا جو دلچسپ نقشہ جناب نے کھینچا اُس کے تصوّر نے ہم کو اور بھی بے چین کر دیا ہے۔

سولھواں باب

خاکساروں کی تحریک اصلاح نفس کا دستور العمل اور طریقہ

مصنّف - جناب والا کے اِن الفاظ سے ظاہر ہے کہ آپ نے نہ صرف توحید کے الٰہی فلسفے کو صحیح سمجھا ہے بلکہ اصلاحِ نفس کی تحریک کو سمجھنے میں پوری ہوشمندی سے کام لیا ہے۔ تشریح کی اس منزل پر جبکہ میں نے نفس تحریک کے متعلق کوئی تفصیل بیان نہیں کی اور ابتک صرف اصول قائم کئے ہیں۔ جناب کی یہ سخن شناسی قابلِ صد تعریف ہے۔ آپنے ثابت کر دیا ہے کہ مسلمان نکتہ فہم اور معاملہ سنج ضرور ہیں اور اب میرا خیال ہے کہ جو کہنا اور جس طرح پر اس حرکت کو چلانا ہے اس کے متعلق مختصر اشارات کر دوں۔ جہاں گنجائش ہوئی تشریح بھی کر دوں گا۔ آپ نے اس تمام تفصیل میں جو میں نے کی ہے ملاحظہ کیا ہو گا کہ اصلاحِ نفس کی تحریک فی الحقیقت توحید اور اللہ کی ملازمت کی عظیم الشان حکمت پر عمل پیدا کرنے کا ایک ادنیٰ جزو ہے۔ اس بنا پر اس تحریک کی پہلی کئی منزلوں میں صرف وہی لوگ شامل ہونے چاہئیں جنہوں نے توحید اور بُت شکنی کو صحیح سمجھا ہے۔ نفس کے بتوں کو توڑنا اکثر اوقات قومیت یا سیاست بلکہ ذاتی اور فوری نفع کی بنا پر بھی ہو سکتا ہے۔ ایک گروہ یا شخص اپنے ہم قوم گروہ یا شخص سے اختلاف اور تصادم اس لئے پیدا نہیں کرتا کہ اس میں قومیت کمزور ہوتی ہے، اُسکی اپنی بدنامی ہوتی ہے یا مُلکی سیاست کو نقصان پہنچتا ہے۔ یا دُکاندار سودا تولتے وقت سیدھی ڈنڈی اسلئے رکھتا ہے کہ اسمیں اُسکی تجارت کو فائدہ ہے، یا شرابی شراب اسلئے چھوڑ دیتا ہے کہ اُس مرض سے نجات پائے جس میں مبتلا ہے۔ یہ تینوں مثالیں نفس کُشی کی ضرور ہیں، خدا کے نزدیک ان کی قدر و قیمت ضرور ہے، نتائج

میں ظاہراً فرق نہیں مگر ان میں خدا کی ملازمت کا زندہ اور گرما دینے والا تخیّل موجود نہیں۔ اسی طرح پر عدمِ تشدد کا سیاسی حربہ جسکو کانگریس تقسیمِ ہند سے پہلے ایک مدت سے حکومت کیخلاف استعمال کر رہی ہے اصلاحِ نفس کا ایک ادنیٰ اجزء ہے۔ گولی یا لاٹھی مارنے والے کو کچھ نہ کہنا اور اینٹ کا جواب پتھر سے نہ دینا بلاشبہ ایک بُت شکنی ہے، نفس کے دیو کو مطیع کرنا ہے اسمیں وَ الْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَ الْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ + کے قرآنی حکم کی رُو سے خدا کی ملازمت اور اسکے احکام کی تعمیل بھی ہے، حکم کی تعمیل کے صلے میں خدا کے ہاں سے دنیاوی یا سیاسی بہتری کا سامان بھی ہے، اُخروی اجر بھی عاملوں کو اُنکے اعمال کے مطابق مل سکتا ہے۔ لیکن کانگریس نے چونکہ عدمِ تشدد کا اعلان انگریزوں سے انتقام لینے یا مسلّح حکومت کا خاموش مقابلہ کر کے اُسکا نظم و نسق بگاڑنے کی نیّت سے کیا اور خدا کی نوکری کا تخیّل اُن لوگوں میں نہیں جو اسپر عامل ہیں اسلئے اسمیں صحیح اصلاحِ نفس پیشِ نظر نہیں، نہ نفس کی اصلاح اِس سے لازماً پیدا ہو سکتی ہے۔ خدائے ذوالجلال کی ملازمت کے تخیّل سے دُنیا اور آخرت دونوں پیشِ نظر ہو جاتی ہیں، دُنیا میں جماعت کی بہتری اور آخرت میں انفرادی بہتری کا خیال انسان کو دس گنا حرکت اور عمل کے قابل بنا دیتا ہے۔ نیکی کو نیکی اور صحیح سمجھ کر کرنا، اُس کو دشمن سے انتقام لینے کیخاطر نہ کرنا، اسمیں زمین و آسمان کے حاکمِ اعلیٰ کی ملازمت اور مالکِ دو جہان کی خوشنودی کا سامان دیکھنا انسان کے اندر وہ حرکت اور وہ دورانِ خون پیدا کر دیتا ہے جو صرف سیاست یا قومیّت کے تخیّل سے ہرگز پیدا نہیں ہو سکتے۔ جس نیک کام کرنے والے کے پیشِ نظر خدا اور آخرت کا اجر نہیں، اسکی نیکی میں قیام اور ولولہ ہرگز نہیں، اسکا ہوا پر تکیہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ کانگریس کا عدمِ تشدد دیرپا ہرگز نہیں رہ سکا۔ کھدّر پہننے میں بُت شکنی ضرور ہے، نرم نرم کپڑوں کے آرام وہ بُتوں کو توڑنا ضرور ہے، اِس بُت شکنی کا

+ ترجمہ۔ غصّے کو روکنے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے (خدا کو پسند ہیں)۔

جو سیاسی فائدہ قوم کو مل رہا ہے ظاہر ہے لیکن کھدر کو انگریزوں کی تجارت کو نقصان پہنچانے کی نیت سے پہننا پہننے والے کے دل میں نہ اصلاحِ نفس کا تخیل پیدا کر سکتا ہے نہ نفس کو بے آرام کرنے سے خدا کی ملازمت اختیار کرنے کا حوصلہ افزا ہیجان اُسکے دل کو گرما سکتا ہے۔
الغرض اصلاحِ نفس کی تحریک کو صحیح طور پر چلانے کے لئے اسکی پہلی کئی منزلوں میں وہی لوگ شامل ہونے چاہئیں جن میں سیاسی مصلحت یا انتقام کے جذبہ کی بجائے اللہ کی ملازمت کا زندہ جذبہ موجود ہو اور جن کا آخرت پر پورا یقین ہو۔ عام اعلان ہو کہ اصلاحِ نفس کے عاملوں کا ملکی سیاست سے کوئی تعلق نہیں، انکے پیشِ نظر حکومت کی مخالفت نہیں، حکومت سے ترکِ موالات نہیں، سول نافرمانی نہیں، کسی سے انتقام لینے کا جذبہ نہیں، انکے سامنے خدا اور صرف خدا کی ملازمت ہے، ماسوا سے قطع تعلق ہے، پیہم بت شکنی ہے، نفس کی اصلاح ہے۔ عدم تشدد یا کھدر کا پہننا، ترکِ موالات، سول نافرمانی وغیرہ وغیرہ خاصکر اُنکے لائحہ عمل میں داخل نہیں، وہ عدم تشدد پر ہر حالت میں اور ہر موقع پر حتی الوسع عامل رہیں گے۔ اسمیں ان کی مدِمقابل خاص طور پر حکومت ہی نہ ہو گی بلکہ جو مقابل فریق بھی اُن پر تشدد کرے گا اللہ کی ملازمت پیشِ نظر رکھ کر اس کا جواب اُن کی طرف سے عفو و درگذر ہو گا۔ الّا یہ کہ تشدد اس قدر بڑھ جائے کہ حفظِ نفس کیلئے مقابلے کی ضرورت ہو۔ کھدر پہنیں گے تو صرف اپنے نفس کو مطیع کرنے کیلئے، ترکِ موالات کرینگے تو صرف اس نقطۂ نظر سے کہ خدا کی ملازمت میں خلل نہ آنے پائے۔ حکومت کے کسی قانون کی نافرمانی نہ کرینگے مگر اُسوقت کہ اُسکی اطاعت ملازمتِ خدا میں صریح طور پر مارج نہ ہو۔ اسلام کے اس اصول پر کہ عجز اور مجبوری میں کچھ گناہ نہیں عامل رہیں گے۔ اس بنا پر اصلاحِ نفس کے عاملوں کی حکومت سے نہ نفرت ہو سکتی ہے نہ دشمنی، ان کا لائحہ عمل قطعاً علیحدہ ہے اور کسی حکومت یا انجمن یا قوم کے اصولوں سے ٹکرانا اُسوقت تک ممکن نہیں جبتک کہ ٹکرانے کے اسباب خود پیدا نہ کئے جائیں۔ نہ تو خانیت

کو صحیح معنوں میں پیدا کرنے کا واحد اوزار خدا کی ملازمت ہے اور اگر اس بندگی میں خدا کی مخلوق کے کسی حصے حتیٰ کہ حکومت سے انتقام یا دشمنی کا جذبہ موجود ہو تو اس روحانیت کا مفقود ہو جانا اٹل ہے۔ پس اصلاحِ نفس کے ہر عامل میں سیاست کی بجائے روحانیت کا بدرجۂ اُتم ہونا ضروری ہے۔ اصلاحِ نفس میں صرف خدا سامنے ہے اور پروردگارِ عالم کی پیشی میں کسی سے لاگ رکھنا ہرگز درست نہیں۔ اصلاحِ نفس کے عامل کا سلوک ہر شخص سے بلاتفریقِ رنگ و مذہب یہ ہو کہ ہم خدا کے ہیں، خدا سے اُجرت مانگتے ہیں، اُس سے اُجرت مانگ کر خدا کے موجود ہونے کی صاف گواہی دے رہے ہیں، ہم اپنے خُلق، خاکساری اور عاجزی کے زور پر ہر شخص کو اپنا نوکر نہیں خدا کا نوکر بنا کر رہینگے، توپ، تلوار اور تفنگ کا زور ہمارے پاس قطعاً نہیں۔ تحریک کا چلن اس طرح پر ہونا چاہیئے۔ اعلان کرنیکے بعد ہندوستان کے مختلف شہروں، قصبوں اور گاؤں میں کم سے کم مدّت کے اندر ایسے دردمند اشخاص پیدا ہو جائیں جو مختلف مرکزوں میں سالار بنکر اس تحریک کو چلانے کا ارادہ کریں۔ ارادہ کرنیوالے لوگ صحتمند اور فارغ البال ہوں، پچیس[25] برس سے کم اور ساٹھ برس سے زیادہ عُمر کے نہ ہوں، اُنکی حاجتیں اسقدر کم ہوں کہ وہ اُن کو خود اپنی جیب یا اپنے دست و بازو سے پورا کر سکیں۔ سوال کرنے میں انہیں شرم آئے، افکار کم ہوں اور کسی سے نفع کی اُمید نہ ہو۔ یہ لوگ بلاتوقف تحریک کے مرکز میں جو میری رائے میں کسی مرکزی مقام کے قریب ہو اپنے ارادہ سے اطلاع دیں۔ اطلاع دینے کے بعد دس[10] روز انتظار کر کے اُس مرکز میں ٹھہرنے کے لئے چل پڑیں۔ مرکز میں ایک جگہ ٹھہرنے کا انتظام ہو لیکن ہر ایک کا اپنا اپنا خرچ ہو اور کسی پر بوجھ نہ ہو۔ اوّل اوّل تحریک اُسی جگہ پر شروع ہو۔ تحریک کو چلانے والے اصحاب سب سے پہلے خود سپاہی بن جائیں، سپاہیوں کی اطاعت، سپاہیوں کی وقت کی پابندی، سپاہیوں کی خاموشی اور سپاہیوں کا

بے چون و چرا عمل سیکھیں۔ تین ہفتے سے لیکر تین ماہ تک اُس مرکز میں اصلاحِ نفس کا علم و عمل حاصل کریں۔ دار الاقامۃ میں زندگی نہایت سادہ اور منظم ہو۔ لباس اسلامی ہو۔ کھانے مکلّف نہ ہوں، پیدل چلنا ہو، دل صاف ہو، کپڑے نہایت اُجلے ہوں، مکان ستھرا اور روشن ہو، مذہب پر خاموش اور اجتماعی عمل ہو، کسی کے "مذہبی عقیدے" کے متعلق ذکر نہ ہو، مذہب یا سیاست کے کسی اختلافی معاملے یا مسئلے پر بحث نہ ہو، عام خوشی ہو بلکہ عام خاموشی کے سوا خاموش ذکر کرو۔ فکر کا مقررہ آدھ گھنٹہ بھی صبح کے وقت ضرور ہو۔ ان سالار عاملوں کو صبح کی ضروری مصروفیت کے بعد تین گھنٹے تک ہفتہ میں چھ دن مزدوری کرنی ہوگی۔ مزدوری کے وقت سب کا لباس عام مزدوروں کا ہوگا۔ مٹی کھودنا، مٹی یا اینٹوں کی ٹوکری اُٹھانا، جنگل سے لکڑیاں چننا، پانی کی مشک یا گھڑے اُٹھانا، جوتوں اور کپڑوں کی مرمّت کرنا، سوت بُننا، ٹوپیاں کاڑھنا، قرآن لکھنا، بکریاں چرانا، ہل جوتنا، کپڑے سینا، مال بیچنا* یہ سب مزدوریاں افضل سمجھی جائیں گی لیکن ان کے سوا جو مزدوری یا دستکاری بھی چاہیں کر سکتے ہیں۔ ان مزدوریوں کے اوزار اور سامان عامل خود اپنے خرچ سے مہیا کرینگے۔ مزدوریاں دار الاقامۃ سے باہر عام لوگوں کے گھروں میں ہوگی۔ تین گھنٹے مزدوری کی اُجرت تین آنے سے کم اور آٹھ آنے سے زیادہ نہ ہونی چاہیئے۔ عامل اپنی اپنی مزدوریوں کے موقعے خود تلاش کرینگے اور اُجرت اپنے پاس رکھیں گے۔ انہی اُجرتوں میں سے اپنے کھانے پینے اور کرایہ مکان کا خرچ جو آٹھ آنے مہینے سے زیادہ نہ ہونا چاہیئے ادا کرینگے۔ اگر سالار اس قدر اُجرت پیدا نہ کر سکیں تو باقی خرچ بھی اپنی جیب سے ادا کرینگے۔ لیکن تین آنے روزانہ سے کم کمائی افضل نہ سمجھی جائے گی۔ کھانے پینے کا انتظام دار الاقامۃ میں یکجا ہوگا۔ خوراک سادہ مگر نہایت عمدہ اور صحت بخش ہونی چاہیئے۔

---

* یہ وہ مزدوریاں ہیں جو پیغمبرانِ دین اور بزرگانِ اسلام نے وقتاً فوقتاً کیں۔

انتظام اس قدر عمدہ اور اشیاء اسقدر کفایت سے لی جائیں کہ کرایہ مکان شامل کرکے دس روپیہ ماہوار سے زیادہ خرچ نہ بڑھے۔ دس گیارہ بجے کے بعد چار پانچ گھنٹے تک فراغت ہے۔ سالار آپس میں ملکر تبادلہ خیالات کر سکتے ہیں لیکن عام خاموشی مدِنظر ہو۔ عصر کے وقت سب سالار شہر کی جامع مسجد میں یکجا جمع ہوں اور آپس میں دو گھنٹہ تک کھلے طور پر مشاورت ہو، وعظ اور لکچر بھی ہوں، عام گفتگو زیادہ ہو، لوگوں سے تالیفِ قلوب ہو، اُسوقت لباس نہایت اُجلا ہو۔ لکڑیاں چُننے والے، سوت کاتنے والے، ٹوپیاں کاڑھنے والے، قرآن لکھنے والے وغیرہ وغیرہ اپنے اپنے گٹھوں اور دستکاریوں کو اگروہ صبح کے وقت فروخت نہ ہوئی ہوں مسجد میں یا مسجد سے باہر لے آئیں، وہاں پر خرید و فروخت کا انتظام ہو، تین آنہ ایک روز کی دستکاری کا عام نرخ ہو اور سب کو معلوم ہو، خریدار خاموشی سے رقم ہاتھ میں دیں اور اپنی چیز اُٹھالے جائیں۔ لیکن مرکز میں تعلیم حاصل کرنیوالے سالاروں کا سب سے زیادہ اہم وقت شام کا وقت ہے۔ مغرب کی نماز سے ٹھیک دو گھنٹہ پہلے سالار مٹی کے رنگ کا خاکی کُرتہ اور خاکی پاجامہ پہن کر دارالاقامتہ سے باہر نکلیں اور فوج کے سپاہیوں کی طرح قطاروں میں کھڑے ہو جائیں، پگڑی یا ٹوپی بھی اگر خاکی ہو تو اور اچھا ہے۔ صفیں بالکل سیدھی ہوں، جسم مستعد نظر آئیں، اُن میں سر سے پاؤں تک زندگی ہو، دائیں ہاتھ کو ناف تک اونچا کرکے اسمیں کندھے پر ٹکا ہوا زمین کھودنے والا "بیلچہ" ہو جس کا دستہ ہاتھ میں پھل آسمان کی طرف ہو۔ بیلچہ کا دستہ اور پھل دونوں نہایت صاف اور صیقل شدہ ہوں، صبح کی روزانہ خاموشی کے بعد نصف گھنٹہ تک سُرخ اینٹ اور ریت سے صاف کئے جائیں، تمام سالاروں کے چہروں میں اس خاکی ہتھیار اور خاکی لباس کو زیبِ تن کرکے خاکساری ہی خاکساری نظر آئے، خدا سامنے ہو، اللہ کا نام بلند کرنا اور قوم کو متحد کرنا سامنے ہو، خُلق سے دلوں کو مطیع کرنے کا دھیان سامنے

ہو، مٹی کی طرح عاجز بن کر اپنے مغرور نفسوں کو کمزور کرنا سامنے ہو، دلوں کے اندر اِس دو گھنٹے کی عبادت میں خدمتِ خلق کے سوا کوئی دھیان نہ ہو۔ سب سے پہلے آدھ گھنٹے تک اُردو یا فارسی زبان میں سپاہیانہ قواعد ہو، اس کے بعد سالاروں کا سردار فوج کو کوچ کا حکم دے۔ سالار بعینہٖ انگریزی فوج کی طرح قدم ملا کر چلیں، قد سیدھا ہو، نظریں عین سامنے ہوں، لیکن خاکساری کے نصب العین بلکہ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ۝ اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۝* کی قرآنی اور ربانی حکمت کو پیشِ نظر رکھکر انگریزی فوج کے سپاہیوں کی طرح چھاتی میں بے اندازہ ابھار اور قدم میں متکبرانہ آواز نہ ہو۔ سالار عاملوں کا سردار عاملوں کے ساتھ قدم ملا کر چلے، شہر کے ایک محلے میں جاکر اُن کو کھڑا ہونے کا حکم دے۔ کھڑا ہونے کے بعد سب سالار اپنے اپنے بیلچے کندھے پر اٹھا کر مختلف گھروں میں جائیں، دروازے پر جاکر دھیمی آواز سے گھر والوں کو خدمت کے لئے کہیں، بیمار کی بیمار پُرسی کریں، دوا دارو لائیں، ڈاکٹر یا حکیم بلانا ہو تو بلائیں، دوسری مناسب خدمت کریں، بوڑھی اور بے بس عورتوں کے گھروں کا سودا لائیں، لیکن اُنکے مکانوں کے اندر بلا اجازت قدم نہ رکھیں، اُن کا پانی بھریں، اُن کی دستکاریوں کو بازار میں فروخت کریں، اُن کی روٹیاں پکوا لائیں، اُن کی خانگی تکلیفوں کو رفع کریں، کسی کا مکان بن رہا ہو تو اجازت لے کر جہاں ضرورت ہو مٹی کھودیں، مٹی یا اینٹوں کی ٹوکریاں بھر کر موقع پر لے جائیں، پانی کی ضرورت ہو تو پانی مہیا کریں، دُرمٹ سے فرش پختہ کرنا یا اور آسان کام ہو تو اُس میں مدد دیں، مصالحہ لاد کر لانا ہو تو لے آئیں، آسودہ حال شخصوں کے پاس جاکر اُن سے خدمت پوچھیں، اُن کی خدمت

---

* (ترجمہ) اور اے بندے! یاد رکھ زمین پر اکڑ اکڑ کر مت چل کیونکہ ٹھمکا چلنے سے تو زمین کو پھاڑ نہیں سکے گا اور تن کر چلنے سے تو پہاڑ کے برابر نہ ہو سکے گا۔

پر نرمی سے اصرار کریں، بلکہ اُن کے نوکروں کی خدمت کریں، مسافر جارہا ہو اُسکا اسباب اُٹھائیں، بچہ کو گود میں لے لیں، مزدور بوجھ لے جا رہا ہو تو اُس کا ہاتھ بٹائیں، ہر بوجھ والے کا بوجھ ہلکا کر دیں، گداگر تکلیف میں ہو تو اُس کی تکلیف رفع کریں، اُس سے ہمدردی ظاہر کریں، شہر یا گاؤں کی سڑکیں خراب ہوں تو اُن کی مرمت کریں، جس جگہ پانی کھڑا رہتا ہو اُس کو اونچا کریں، نالی خراب ہو تو اُس کی صفائی کریں، گاؤں میں چوری کا خطرہ ہو تو اُس کے گرداگرد باڑ لگا دیں، کنوئیں خراب ہو جائیں تو اُن کو صاف کریں، کوئی مر گیا ہو تو نماز جنازہ میں شامل ہوں، شادی ہو تو انتظام میں مدد دیں، مہمانوں کو کھانا اور پانی دیں، شادی اور مرگ کے موقع پر خود کھانے میں شامل نہ ہوں بلکہ عام طور پر کسی کے ہاں سے کچھ لینا نہ ہو، جو خدمت ہو بے غرض اور بلا اُجرت ہو۔ لیکن ان تمام امور خاصکر عورتوں سے سلوک کرنے میں اسلامی شرم و حیا اور بے غرضی کا پورا لحاظ ہو۔ سالارِ عامل عورت سے کافی فاصلے پر کھڑا ہو۔ کسی صورت میں اُس کا ہاتھ عورت کے کپڑوں یا ہاتھ سے نہ چھوئے بلکہ عورت سے ضرورت سے زیادہ کوئی کلام ہی نہ ہو، الغرض دس بیس یا پچاس نہیں سینکڑوں کام موقع کو دیکھ کر ہو سکتے ہیں جو دلوں کو موہ سکتے ہیں۔ اس تمام خدمتِ خلق میں جس کی ایک ادنیٰ تصویر میں نے پیش کی ہے کسی ہندو، مسلمان، پارسی، سکھ، عیسائی، انگریز بلکہ دوست، دشمن یا حکومت کے ملازم یا غیر ملازم کی خصوصیت قطعاً نہ ہو۔ ہندو اور سکھوں وغیرہ کے محلّوں میں جا کر نہایت جوش اور خلوص سے خدمت کے لئے درخواست کی جائے، ہندو بھائیوں اور بہنوں کو نہایت عزت سے مخاطب کیا جائے، جن خدمتوں سے اُنکو مذہبی پرہیز نہ ہو بے دھڑک کیجائیں، انگریزوں اور عیسائیوں کے بنگلوں پر جا کر بے خوف و خطر خدمت کیلئے درخواست کیجائے، انگریز ملاقات کیلئے باہر نکلے تو بیلچے کو کندھے پر رکھکر اور دایٔں ہاتھ کو دھماکے سے بیلچے کے دستے پر پہنچا کر

فوجی سلام کیا جائے، کچھ پوچھے تو اس کا متانت اور ادب سے جواب ہو، جواب میں عاجزی نظر آئے، جناب کہکر خطاب ہو، جب رخصت ہونا ہو تو فوج کے سپاہی کیطرح رخصت کا فوجی سلام ہو۔ الغرض، انگریز کو ملک کا بادشاہ سمجھ کر اُس سے شاہانہ اور فیاضانہ سلوک کیا جائے۔ یاد رکھا جائے کہ زمین کی بادشاہت دینے والا خدا ہے جس کو مناسب سمجھتا ہے دیتا ہے۔ کسی خدمت کے لئے انگریز کہے تو نہایت مستعد ہو کر اور خلوص سے کی جائے۔ حتی الوسع انگریزوں کے مجلسی آداب کا لحاظ کیا جائے، سالارِ عامل اتوار کے روز اُن کے پاس نہ جائیں، یہ اُن کے آرام کا دن ہے۔ لیڈیوں سے چند قدم دور رہ کر باتیں کیجائیں، اُن کو جناب کہکر خطاب کریں۔ انگریزوں کی خدمتیں نہ بھی ہوں تو بھی عاملوں کو اپنی خاکساری اور دوستی کے اظہار کے لئے انگریزوں کے پاس ضرور جانا چاہیئے، اُنکے خانساموں اور بیروں کے گھروں کی خدمت نہایت خلوص سے ہو، انگریز افسر دورہ کرتے ہوئے کیمپ میں شہر سے باہر اُتریں تو سالاروں کو اُن کی خدمت کے لئے مقررہ وقت پر جانا چاہیئے، خانساموں کی وساطت سے اُنکے کھانے پینے کا سامان فراہم کریں، اُنکے لئے مرغیاں، انڈے مناسب داموں پر پیدا کریں، پانی کا سامان فراہم کریں، خیموں کو گاڑنے یا اکھیڑنے میں مدد دیں، اُنکے گھوڑوں کی خدمت کریں، گھوڑوں کے لئے گھاس سستے نرخ پر پیدا کریں، خدمت کے بعد صاحب سے بے خطر خود ملیں، اُنکو اپنی تحریک کی اہمیت اور ضرورت جتلائیں، اُنپر واضح کریں کہ اللہ کی غلامی کیا ہے، بُت شکنی اور اصلاحِ نفس کیا ہے، خدا کی عبادت کے کیا معنی ہیں۔ یہ لوگ ان باتوں سے اکثر ناآشنا ہیں، روحانیت کا تخیّل ان میں اکثر نہیں اور ایسی باتیں اُنکے لئے باعثِ تعجب ہیں۔ سعدی علیہ الرحمۃ کا مشہور شعر "عبادت بجز خدمت خلق نیست .:. بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست" پڑھکر یہ سمجھائیں کہ اسلام کے بڑے سے بڑے داناؤں نے خلقت کی خدمت کرنا ہی اللہ کی صحیح معنوں میں عبادت کہا ہے۔ نمازیں

جو ہم پنجوقتہ پڑھتے ہیں صرف نوکر کا پنجوقتہ سلام ہیں۔ نوکری اور ملازمت الگ شئے ہے، وہ صرف ہاتھ پاؤں کا عمل ہے۔ جو شخص خلقت کی خدمت کر رہا ہے اور خلقت سے اُجرت کی اُمید نہیں رکھتا وہ خدا کا نوکر ہے، اللہ کا غلام ہے، اللہ کا غلام اور اللہ کا عابد بننا ایک شئے ہیں اسلئے خلقت کی خدمت اور عبادت بھی ایک شئے ہیں۔ انکو بے خطر کہیں کہ جب سے مسلمانوں نے خدمتِ خلق کو چھوڑ دیا دنیا میں ذلیل ہو گئے، اُن میں اخلاقی اور معاشرتی کمزوریاں آگئیں، اُن میں مساوات نہ رہی، اُن میں بڑے اور چھوٹے الگ ہو گئے، اُن کی فرقہ بندیاں بڑھ گئیں، انہوں نے غلط طور پر صرف نماز اور تسبیح اور گدڑی پہن کر فقیر بننے کو اللہ کی عبادت سمجھ لیا جیسا کہ اس شعر سے واضح ہے۔ وہ گوشوں میں الگ بیٹھ کر اور اللہ کے دیئے ہوئے ہاتھ پاؤں کو بیکار سمجھ کر کاہل ہو گئے، کاہل ہو کر دنیا کو لات مارنا شروع کیا، پھر اُن میں تجارت اور علم نہ رہا، دولت اور حکومت نہ رہی، خدا کی نعمتوں کی صحیح قدردانی نہ رہی، وہ دُنیا سے نفرت کرتے رہے لیکن دُنیا اُن سے بیزار ہو کر خود بھاگ گئی۔ الغرض! اس طرح کی باتوں اور بے خطر تبلیغ سے دلوں کے اندر حوصلے پیدا ہوتے ہیں، دلیریاں بڑھتی ہیں، سچ بات کہنے کا خوف نہیں رہتا، اپنے کاموں پر یقین اور دلوں میں بڑھتا ہے۔ یہی سلوک حکومت کے ہر دیسی و غیر دیسی افسر بلکہ فوج، پولیس یا دفتر کے ہر ملازم سے بلا لحاظ مذہب کیا جائے۔ خلوصِ دل سے اُن کی خدمت کر کے اُن پر واضح کر دیا جائے کہ

اصلاحِ نفس کی حرکت میں سیاست سے کچھ لگاؤ نہیں، اسمیں

حکومت کے کسی قانون کی نافرمانی نہیں، جیلخانوں میں جانا نہیں، کھدّر کا انتقام کی غرض سے پہننا نہیں، بلکہ صرف نفس کو مارنا اور اللہ کی نوکری اختیار کرنا مقصود ہے، صرف مسلمانوں کی ہولناک فرقہ بندیوں اور اُن کی آپس میں دردناک دشمنیوں کا اللہ کی عبادت کے نرم مگر مؤثر ہتھیار سے قلع قمع کرنا ہے، صرف اللہ کو دل میں لا کر بکھرے ہوئے دلوں

کو پھر جوڑنا ہے، مغرور اور متکبّر دلوں کو پھر رام کرنا ہے، بحثوں اور لکچروں، جلسوں اور انجمنوں، رسالوں اور اخباروں، اشتہاروں اور مذہبی مناظروں سے جو کام ہرگز نہ ہو سکا۔ بلکہ تفرقہ اُلٹا اور بڑھتا گیا، اُس کام کو ہم مٹی کی طرح عاجز اور خاکسار بنکر مٹی کے رنگ کا لباس پہن کر اور مٹی کو کھودنے والا ہتھیار زیبِ تن کر کے کم سے کم مدت کے اندر درُست کرنیکے دعویدار ہیں۔ میرے نزدیک اگر اصلاحِ نفس کے سب عاملوں کو "خاکسار" کہا جائے اور لوگ اُن کو اسی نام سے پکاریں تو موزوں ہوگا۔ اُن کو اپنی عاجزی اور خدمتِ خلق کا خیال ہر وقت رہیگا۔ خاکساری اور عاجزی اُن کی طینت میں گندھ جائے گی، وہ اپنی روز افزوں طاقت کے اندر خاکساری کا خمیر دیکھیں گے اور بڑی سے بڑی کامیابی کے وقت بھی اُن کی گردنیں اس لفظ کی گونج سے نیچی رہیں گی۔ اللہ صاحب نے انسان کا خمیر مٹی سے پیدا کر کے بلکہ اس کا انجام بھی مٹی میں ملکر مٹی ہو جانا کر کے فی الحقیقت یہ جتلا دیا ہے کہ کبریائی صرف اُسی بے عیب اور یکتا ذات کو سجتی ہے۔ انسان اگر اس دنیا میں سرفراز اور بلند ہونا چاہتا ہے تو اُسکو چاہیئے کہ صرف خاکساری اختیار کرے۔

ہمدرد - جناب والا! مایوسوں کو اُمیدوار اور مُردوں کو زندہ کرنے کا یہ مسیحائی عُلاج ہر حیثیت اور ہر مقامِ نظر سے ایک بیمثال معجزہ ہے۔ اس میں ہر قدم پر سربلندی، طاقت اور صحت کی لازوال حکمت ہے، اس میں قُم بِاذنی کا عالم انگیز افسون اور ہمیشہ کی زندگی کا اکسیرِ اعظم موجود ہے۔ آپ نے اس بیان سے ہر دردمند شخص کے اعضا میں زندگی کی پکار اور اُس کے دل میں مطلوب کی تڑپ پیدا کر دی ہے۔ میں اپنی کمال بے دماغی سمجھتا ہوں کہ علم کے اس بلند مرتبے اور تدبیر کے اس اُفقِ اعلیٰ پر پہنچ کر اعتراض کروں۔ شرم سے پسینہ پسینہ ہوا جاتا ہوں لیکن شرمندہ ہونے سے زیادہ اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ دل میں خلش کہیں نہ رہنے دوں۔ جناب کی تدبیر حرف بحرف

صحیح ہے، اس کا ایک ایک حرف قوم کی گہری توجہ کے قابل ہے، میرے دماغ میں اُسکی
اہمیت واضح ہو چکی ہے لیکن میرے خیال میں جناب کا یہ فرمانا کہ اصلاحِ نفس کے عامل جنکو
جناب نے خاکسار کا نہایت موزوں اور معنی خیز نام دیا ہے، خدمتِ خلق کے موقع پر بیلچہ جیسے
نہایت اوپرے اور شرم دلانے والے ہتھیار کو اٹھائیں اور اُٹھا کر سپاہیوں کیطرح قواعد کریں
عملی نقطۂ نظر سے کانگریس کے چرخہ کاتنے کے حکم سے بدرجہا مشکل تر مسئلہ ہے اور مجھے ڈر ہے
کہ اس عزیز اور مفید حرکت کو صرف اس وجہ سے زک نہ پہنچے کہ اسمیں بیلچہ کو اُٹھانا شامل ہے۔
مزید برآں کانگریس کا حکم چرخہ کو صرف اپنے گھروں کے اندر چھپ کر کاتنے کا تھا، اِس کے
زیرِ اثر کچھ لوگ چاروناچار کاتتے تھے، اکثر لوگ چرخہ کو یونہی گھروں میں رکھتے اور لہو لگا کر شہیدوں
میں داخل ہو جاتے مگر اب مسلمانوں جیسی تیس مار خاں اور مغرور قوم کے لئے آپ نے نہایت
دلیری سے حکم دیا ہے کہ بیلچے کو کندھے پر اٹھا کر سر بازار چلیں۔ جناب کے دردِ دل اور
اس عمل کی عظیم الشان حکمت سے انکار کیا ہو سکتا ہے مگر جو ڈر ہے من وعن عرض کر دیا۔
مسلمان کا خمیر اکڑ اور خودداری سے بنا ہے تاہم مجھے اُمید ہے کہ وہ خاکی رنگ کے لباس کو
قبول کرے گا، خدا اور اسلام کو پیشِ نظر رکھ کر خدمتِ خلق میں بھی شوق سے حصہ لے گا۔
ہندو اور انگریز کی مخلصانہ خدمت بھی شاید عبادت خدا کے خیال سے کرے گا لیکن بیلچہ کو اٹھانا
اُس کی غلط عزتِ نفس اور غلط خودداری پر آخری اور کاری ضرب ہے جو جناب یکدم لگانا چاہتے
ہیں۔ اسکو دیہات کے مزدور لوگ شوق سے قبول کرلیں تو اور بات ہے مگر شہروں میں یہ حرکت
نہایت تمسخر سے دیکھی جائے گی۔ گاندھی جی کے چرخے سے زیادہ اس کا مضحکہ اسلئے اڑیگا
کہ وہ ہر وقت پیشِ نظر ہو گا۔ وہ لوگ بڑے ہی جگرے والے ہونگے جو تمام شرم اور تخول کو
بالائے طاق رکھ کر اسکو قبول کریں گے۔ ان دلائل کی بنا پر ممکن ہے کہ جناب میری اس
نازیبا وکالت کو پیشِ نظر رکھ کر بیلچے کو اس تجویز سے بالکل حذف کر دیں۔

سترھواں باب

بیلچہ اصلاح نفس کی تحریک کا نہایت ضروری جزاور مسلمانوں کا مذہبی نشان ہے

مصنّف ۔ بیلچے کے نام کو سن کر آپ کی یا اور مسلمانوں کی بغاوت مجھے کچھ متعجب نہیں کرتی ۔ مجھے اعتراف ہے کہ دس سال کی لگاتار سوچ بچار اور گرم خیالی کے بعد بالآخر جب مسلمانوں کی اصلاح کا یہ واحد نسخہ ہاتھ آیا اور یقین ہو گیا کہ یہی نسخہ فی الحقیقت بیمثال ہے اور اسی کے اندر تمام مشکلات کا حل ہے ۔ تو میں نے اصلاح اور ترقی کے اس عجیب و غریب ہتھیار کو بازار سے خریدا، پہلے دکاندار سے بہانے سے لیا کہ مالی کو ضرورت ہے، ایک دن تک اپنی بیوی سے چھپایا، دو روز تک اپنے بچوں کے دلچسپ اور تکلیف دہ سوالات کو ٹالتا رہا، دو دن تک مکان کے زنانہ صحن میں پھولوں کو بہتر بنانے کے بہانے سے شرم کے مارے استعمال کرتا رہا، لیکن چونکہ بیلچے کی حیرت انگیز کرامتوں اور اعجاز نما قوتوں کا قائل ہو چکا تھا اِسکو اُٹھانے کی شرم کو پانچ دن کے اندر اندر اُتار دیا، اب حیران ہوں کہ اس شرم کی بھی کیا ضرورت تھی، ہر جگہ اپنے ساتھ رکھتا ہوں، لوگوں کو فخر سے دکھاتا ہوں، بلا توقف جب مسلمانوں کی بہتری کا دھیان اور دل میں جوش آتا ہے سرِ راہ زمین کھودتا ہوں، لوگ جمع ہو جاتے ہیں مگر ذرا بھر نہیں شرماتا۔ تو اس نقطۂ نظر سے کہ میں بیلچہ سے نسبتاً زیادہ مانوس ہو گیا ہوں، ممکن ہے کہ اسکے متعلق مسلمانوں کے ابتدائی حِس کا پورا اندازہ اب نہ لگا سکوں مگر میں آپکو یقین دلاتا ہوں کہ جب سے یہ غیر مردانہ شرم اُتار پھینک دی ہے حوصلے بلند ہیں، خون میں صاف حرکت ہے، صحت نہایت بہتر ہے، ملازمت کی جانکاہ زندگی میں روٹی کی کم فکر ہے، بے نیازی کا وہ کیف ہے کہ کبھی اسقدر تنومند نہ ہوا تھا، مسلمانوں کی اصلاح پر کامل یقین ہے

اب قوت اتحاد اور اخوت کی پری کو ان آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ مجھے بیلچے کے اندر زمین کو تہ و بالا کر دینے کی حکمت صاف نظر آ رہی ہے، مجھے یقین ہے کہ مشکلات کے پہاڑ اس کے آگے پانی کی طرح بہ جائینگے، دلوں میں وہ اٹھان اور حوصلوں میں وہ ابھار پیدا ہو گا کہ سب زندہ ہو کر رہیں گے۔ مجھے اسکی نوک سے جو اندر گھس کر زمین کی کایا پلٹ دیتی ہے پیار ہے، اسکے کتابی پھل سے عشق ہے۔ ایک دن جوشِ محبت میں آفریدیوں کی اپنی بندوق سے محبت کے اظہار کی تقلید کر کے اسکے دستے پر ریشمی رومال باندھ دیا تھا، پھر خیال آیا کہ جہالت بلکہ بت پرستی ہے، بیلچہ اپنے جگر کو مضبوط کرنے کے لئے ہے، ارادوں کو قوی اور استقلال کو دس گنا کرنے کے لئے ہے، کبریائی کے بت کو توڑنے اور خاکساری سیکھنے کے لئے ہے، ایسے بڑے بت شکن کو بت بنا دینا ٹھیک نہیں۔ آپ نے کہا ہے کہ مسلمان کا خمیر اکڑ سے ہے۔ ایک نقطۂ نظر سے یہ درست ہے۔ یہی اکڑ تمام فساد کی جڑ ہے، اسی نے مسلمانوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ یہ خودداری نہیں، خودی اور خودپسندی ہے۔ اس اکڑ کو توڑنا بیلچے اور صرف بیلچے کا کام ہے، مٹی کا کام کر کے مٹی بن جانے سے ہی یہ شیطانی آگ بجھ سکتی ہے۔ میرے ذہن میں اگر اس سے بھی زیادہ انکساری پیدا کرنیوالا مگر شریف اور مردانہ ہتھیار ہوتا تو میں اسکو بلا تامل اختیار کرنے کے لئے کہتا لیکن اسوقت صرف یہی ہے۔ اسکو اس تحریک سے حذف کر دیا جائے تو گویا حرکت کی روح کو ہم نے کچل دیا، اس کی پوری جان شروع میں بے لی اسکو قطعاً غیر دلچسپ اور بے تواں کر دیا، اسکی باطنی تربیت اور طاقت، اصلاح بلکہ استعداد ونظم ونسق کو نظر انداز کر دیا، اس عصا اور اس لکڑی کو کھو دیا جس کے سہارے یہ تمام حرکت چل کر رہے گی۔ جس قدر آسودہ حال لوگ اور قوم کے بڑے چوہدری حوصلے

سے اس ہتھیار کو اُٹھالیں گے جسقدر اطمینان اور ولولے سے مسلمان بیلچہ اُٹھانے کی شرم کو توڑ کر خاکساری کو لوگوں کے سامنے مجسّم کھڑا کر دینگے اُسیقدر یہ حرکت آگ کی طرح پھیلے گی تھیٹر کے تماشے کیطرح لوگ اس میں شامل ہونگے، عید کے میلوں کا مزا اِسمیں ہوگا، خاکساری کے تماشے کو دیکھنے کے لئے وہ رونق لگے گی کہ تل دھرنے کو جگہ باقی نہ رہے گی، صرف حوصلہ، استقلال، خاموشی اور خدا کا دھیان شرط ہے۔ میں نے بیلچہ کو سنسنی پیدا کرنے یا تماشہ پسند کرنے والے مسلمانوں کو تماشہ دکھلانے، یا کانگریس کے چرخہ کے بالمقابل ایک نیا سیاسی ہتھیار کھڑا کرنے کے لئے ہرگز پیش نہیں کیا۔ بیلچہ اور چرخہ سے زیادہ سنسنی پیدا کرنیوالی ایک نہیں کئی تجویزیں ہو سکتی ہیں۔ بیلچہ میرے پیشِ نظر اُس وقت تھا جبکہ میں آج سے تئیس برس پہلے بیس برس کی عمر میں انگلستان میں تعلیم حاصل کر رہا تھا اور چرخہ کی تحریک کا نام و نشان بھی اُسوقت نہ تھا۔ میں اُسوقت بھی دیکھ رہا تھا کہ انگلستان کی عظمت کی جان بیلچہ ہے۔ لوگ کوئلے اور لوہے کو انگلستان کی بڑائی کا باعث کہتے تھے، تاریخوں میں لکھا دیکھا تھا کہ انگلستان کے وزیرِ اعظم یا چانسلر کو پارلیمنٹ میں اب اُون کے بورے (وُول سیک) کی بجائے کوئلے کے بورے (کول سیک) یا لوہے کے بورے (آئرن سیک) پر بیٹھنا چاہیئے مگر میں کہتا تھا کہ چانسلر کے ہاتھ میں صرف بیلچہ ہونا چاہیئے، اُسکو کھڑا رہنا چاہیئے، بیٹھنا ہرگز نہیں چاہیئے۔ بیلچہ اور بیلچے کو اُٹھانے والے نہ ہوتے تو کوئلہ اور لوہا بلکہ بڑائی کے تمام باقی نشان کیونکر پیدا ہوتے۔ یورپ میں مائیں اپنے بچوں کو ہمت اور محنت کا پہلا سبق اسی بیلچے کو پکڑا کر دیتی ہیں اور بیلچہ ہی درحقیقت وہ شئے ہے جس کو ہاتھ میں لے کر زمین پر قبضہ کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ میں بیلچے کی شکل کو ریاضی کی کتابوں پر بناتا اُسکے پھل کا رقبہ اور نوک کے زاویوں کو مختلف کر کے دیکھتا کہ کس شکل کا بیلچہ مفید ہے،

زمین میں گڑے ہوئے بیلچے کی شکل کھینچ کر اور زمین کی صلاوت اور سختی کو پیش نظر رکھ کر حساب لگاتا کہ اس عجیب وغریب بیرم (لیور) میں زمین کو توڑنے کے لئے ہاتھ کی کسقدر قوت بکار ہے، ہاتھ کی قوت سے دن بھر کی انسانی قوت کا اندازہ لگاتا، زمین کے سطحی رقبہ پر مزدوروں کو دو دو گز کے فاصلے پر کھڑا کر کے حساب لگاتا کہ تمام زمین کو تین تین فٹ تک کھودنے کے لئے کتنے آدمی درکار ہوں گے۔ یونانی حکیم فیثاغورس نے کھڑا ہونے کی جگہ مانگی تھی اور دعویٰ کیا تھا کہ اگر جگہ مل جائے تو بیرم یعنی لیور وہ زبردست اوزار ہے کہ میں اس سے تمام دُنیا کو دھکیل دوں گا۔ میں کہتا تھا کہ یونانی حکیم نے وہ شرط پیش کی جو ممکن نہ تھی، نہ زمین سے باہر جگہ مل سکتی ہے نہ اس کا بیرم چل سکتا ہے۔ مجھے کھڑا ہونے کی جگہ درکار نہیں، صرف ریاضی کے حساب سے اگر زمین کی تمام آبادی کے ہاتھ بیلچہ دے دیا جائے تو چار سو برس کے اندر اندر ایک ایک میل کی گہرائی تک زمین کے سب خزانے باہر آسکتے ہیں، روئے زمین کی کایا اس طرح پلٹی جا سکتی ہے کہ اس کو پہچاننے والا ہی کوئی نہ رہے اور ہر مزدور کے پاس سالانہ بارہ لاکھ روپیہ کی مستقل آمدنی ماہوار ہو بلکہ اللہ میاں کو چار سو برس کے بعد تمام انسانی مخلوق کو کسی اور ستارے میں بسانا پڑے گا۔ میں اُسوقت رینگلر کا امتحان پاس کر چکا تھا۔ اسلئے کسی ہم جماعت یا دوسرے شخص کو میری حسابی تحقیق کے بالمقابل دم مارنے کی مجال نہ تھی، وہ اس تخیّل کو سُن کر کہتے کہ تمہارا بیلچہ بہشت کی تصویر ہے! آزادی کی ہوائیں جو انگلستان میں تھی یہ جنون تھا لیکن ملازمت کی غلامی میں یہ سب خیالات کافور ہو گئے اور بیلچہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ بڑی مدت اور کاوش کے بعد کوئی دس برس ہوئے اس حقیقت کا طلوع ہوا کہ ہندوستان میں بیلچہ اُٹھانے والے زیادہ تر مسلمان ہیں اور اسی کے اندر اُن کی زندگی کا راز پوشیدہ ہے شاعر لوگ

مسلمانوں کو لاکھ مُردہ کہیں، اخبارات کی پیشانیوں پر روزانہ مرثیئے لکھتے رہیں، ایک ایک مرثیئے سے ایک ایک ہزار مسلمانوں کی ہمتیں روزانہ توڑیں لیکن قوم کے اندر پوری جان موجود ہے بلکہ اور قومیں زندگی اور طاقتِ عمل کے لحاظ سے اُن کا پاسنگ بھی نہیں۔ اگر کچھ بگڑا ہے تو صرف مذہب اور عمل کا تخیّل اُن لوگوں میں بگڑا ہے جو مسلمانوں کے سردار ہیں۔ صرف اُوپر کی سطح خراب ہوئی ہے اندر سے سب کچھ درست ہے۔ تذکرہ کے لکھنے کی بنا یہ تھی۔ مشکل سے مشکل اُردو اور عربی میں اس لئے لکھا کہ صرف ہوشمند اور صاحبِ نظر پڑھ کر حقیقت کو دیکھ سکیں، جاہل کی اسکو نظر نہ لگے، دلیل اسقدر روشن اور ناقابلِ رَد ہو کہ ہر معقول شخص اسکو قبول کرے۔ الغرض مجھے یقین ہے کہ ایسی قوم بیلچہ اُٹھانے میں کبھی عار نہ کرے گی۔ ان میں سے ایک بہت تعداد روزانہ بیلچہ اُٹھا رہی ہے یا اور قطع کی محنت اور مزدوری سے پیٹ پال رہی ہے۔ سیدھی قطاروں میں کھڑا ہو کر ایک مقررہ وقت پر بیلچہ اُٹھانا ایسی قوم کے لئے خون میں ایک نئی حرکت ہے، زندگی اور قوت کا بنا سامان ہے، منظم ہونے کا آسان اور پُر اثر طریقہ ہے۔ میرا یقین ہے کہ شرم کرنیوالے شہری مسلمان بھی جن کی ہمتوں، حوصلوں اور اخلاق کی بیخ و بنیاد انگریزی تعلیم نے قطعًا اکھیڑ دی ہے اور جن کو اس تعلیم کے نقصان دہ نتیجوں کا کافی تجربہ ہو چکا ہے۔ اس حرکت میں نہایت شوق سے شامل ہو جائیں گے۔ آگے چل کر میں بتاؤں گا کہ اس تحریک میں مرکز کے سالاروں کے تین آنہ سے آٹھ آنہ روزانہ مزدوری کے ماسوا عام عاملوں کیلئے جو مختلف شہروں، قصبوں اور دیہات میں ہوں گے معقول کمائی روزانہ حاصل کرنے کا کس قدر سامان موجود ہو گا، وہ لوگ جو اس حرکت میں شامل ہونگے اور پیشہ ور لوگوں کے بالمقابل کس قدر آسانی سے اپنی مزدوریاں پیدا کر سکیں گے اور پیٹ کے فکر سے خلاصی پانا بھی اس تحریک کا اہم جُز ہو گا۔ لیکن ان سب باتوں سے قطع نظر شہری

مسلمان بھی فطرتاً اور عادتاً شرم کرنیوالے پیدا نہیں ہوئے وہ موقع پر سب کچھ کر گزرتے ہیں اور اسی کر گزرنے کے باعث ہنسی مخول تو درکنار کسی مقابل قوت کی پروا نہیں کرتے ابھی چند برس کا واقعہ ہے کہ ایک مسجد کی زمین پر جو شہر میں تھی زور سے قبضہ کرنا تھا سب نے بلالحاظ مرتبہ ٹوکریاں اور بیلچے اٹھا لئے، راتوں رات دو منزلہ مسجد تیار کر دی اور اگلے دن کی نمازیں اسمیں پڑھیں۔ لیکن مسلمان کے لئے بیلچے کو نہ صرف عزیز بلکہ جان سے زیادہ عزیز رکھنے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ انسانی بہتری کے اس بہترین ہتھیار کو دنیا کے سب سے بڑے اور آخری پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود استعمال کیا، اپنے ہاتھ میں پکڑ کر محنت اور مزدوری کو ہمیشہ کے لئے اسلام میں داخل کر دیا۔ غزوۂ خندق کے موقع پر دس ہزار مسلح دشمن کے حملے کی خبر تھی۔ مسلمان لڑنے والے صرف ڈھائی ہزار تھے۔ مسلمانوں کی قلت تعداد بلکہ بعد میں مدینہ کے حلیفوں کی بدعہدیوں کے باعث خوف و ہراس ہر طرف طاری ہونا چاہیئے تھا مگر مسلمان مستعد تھے، اُن کا سردار بھی مستعد تھا اور چہرے پر مایوسی اور ملال کا نشان تک نہ تھا۔ تجویز یہ تھی کہ شہر کے غیر محفوظ حصوں کے سامنے ایک گہری خندق کھودی جائے۔ کئی دنوں میں یہ خندق تین ہزار صحابہ کرامؓ کی دن رات محنت سے تیار ہوئی۔ اس خندق کو کھودنے اور اندر سے ٹوکری بھر بھر کر مٹی لیجانے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام برابر شریک رہے، کبھی بیلچے سے زمین کو کھودتے، کبھی ٹوکری بھر کر اٹھا لے جاتے۔ تیاری اور حوصلوں کا یہ عالم تھا کہ دشمن کی کثرت کی پروا تک نہ تھی۔ مسلمان خدا کی دوستی کی خواہش اور موت کی تمنا میں خندق کھودتے اور کافی ہتھیار نہ ہونے کے باعث دشمن پر پھینکنے کے لئے پتھروں کے ڈھیر اُس کی بغل میں جمع کرتے۔ کھودتے کھودتے ایک بڑا پتھر جو ایک چھوٹی سی پہاڑی کی مانند تھا ظاہر ہوا۔ صحابہ کرامؓ نے جس میں غالباً حیدرِ کرارؓ اور حضرت عمرؓ جیسے

بہادر بھی شامل تھے اس پتھر کو توڑنے کی بیحد کوشش کی۔ کوشش کے بعد صحابہ کرامؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے۔ سرورِ عالم خود موقع پر پہنچے۔ ایک بڑے بھاری بیلچہ کو ہاتھ میں لیا اور اس زور سے پتھر پر مارا کہ دو۲ اُنگلی کے برابر ٹکڑا الگ ہو گیا۔ اس ضرب سے شرارہ پیدا ہوا اور ان شراروں کی روشنی میں حضرتؐ نے فرمایا کہ میری اُمت کو روم کی سلطنت کی کنجیاں مل گئیں۔ دوسری ضرب پر پتھر اور ٹوٹا اور شرارہ کی چمک میں فرمایا کہ ایران کی سلطنت اور کسریٰ کے محلات میری اُمت کے قبضے میں آگئے۔ تیسری ضرب پر پتھر دو ٹکڑے ہو گیا اور فرمایا کہ مجھے یمن دکھلایا گیا اور وہ فتح ہو جائیگا۔ رُوم، ایران اور یمن پر قبضہ اُسوقت فی الحقیقت دنیا کے بڑے سے بڑے حصے پر قبضہ تھا، یہ سب ملک بالآخر مسلمانوں کے ہاتھ آئے اور یقیناً اسی بیلچہ کی ضرب اور محنت سے ہاتھ آئے۔ محمدؒ فاتح کا قسطنطنیہ کی فتح کے موقع پر جہازوں کو خشکی پر چلا کر کئی میل پرے سمندر میں ڈالنے کا واقعہ مشہور تاریخی واقعہ ہے اور یقیناً بیلچے نے اس حیرت انگیز مہم میں سب سے بڑا کام کیا ہو گا۔ الغرض بیلچے کو اُٹھانے کی سند مسلمان کے پاس پیغمبرؐ خدا کی طرف سے ہے، اسمیں فتح و ظفر کے موجود ہونے کی شہادت ہادیٔ اسلام کیطرف سے ہے۔ اِس کا تقدس اسقدر بس ہے کہ دُنیا کے بڑے سے بڑے اولوالعزم پیغمبرؐ نے بیلچے کو مسلمانوں کی نہایت کمزوری اور دشمن کی انتہائی قوّت کے وقت خود استعمال کیا اور نہ صرف اُس خاص موقع پر دشمن پر غالب آکر دکھایا بلکہ اسکو زمین پر مار کر مسلمانوں کی آئندہ عالمگیر بادشاہت کا راز کھول دیا۔ بیلچے کی حمایت اور اس کی قدر و قیمت کے متعلق اِس سے بڑی اور یقین دلانے والی دلیل میرے پاس نہیں اور یہی وجہ ہے کہ میں بیلچے کو اس حرکت کی جان بلکہ مسلمانوں کا متروکِ مذہبی اور قومی نشان یقین کرتا ہوں۔ اس وقت سیاسی حالات کو پیشِ نظر رکھکر ہندوستان میں سب سے بڑا سوال ہندوؤں

اور مسلمانوں کے آپس کے تعلقات کا ہے - اس مضمون کے سمجھنے کے لئے بحث کا ایک بڑا دفتر چاہیئے لیکن مختصر یہ کہ انگریزوں نے اس خیال سے کہ ہندو اور مسلمان آپس میں لڑتے رہیں گے تو ہمارے لئے حکومت کرنا آسان ہو جائے گا۔ اس مخالفت کو نیست سے ہست کیا، خاموش مگر نہایت مکارانہ تبلیغ و اشاعت سے جو مدرسوں میں پڑھائی ہوئی تاریخوں میں ہوتی تھی نوعمر بچوں کے دلوں میں یہ ڈالا کہ مسلمان برے تھے، انہوں نے بادشاہت کے زمانے میں ہندوؤں کو بری طرح روندا، انکی چوٹیاں (بودیاں) کاٹ دیں، انکے جنیئو توڑ ڈالے، ان پر مذہبی تشدد کے باعث کھانا پینا حرام کر دیا۔ مسلمانوں کی حکومت میں امن کبھی نہ تھا، آسائش تہذیب قطعاً نہ تھی، نہریں اور سڑکیں نہ تھیں، مدرسے اور ہسپتال نہ تھے، الغرض وحشیوں کی مفسدانہ حکومت تھی جو ایک لمحہ رہنے کے قابل نہ تھی۔ قدرت کو صرف انگریزوں کا انتظار تھا اسلئے آٹھ ۸۰۰ سو برس سے زیادہ تنگ رہی۔ اس جھوٹ کی اصلیت اب ہندوؤں پر ظاہر ہو رہی ہے وہ سمجھ گئے ہیں کہ چوٹیاں کاٹنے والے اور جنیئو توڑنے والے دراصل یہی انگریز ہیں جنہوں نے اپنی دکان کو چلانے کے لئے پچاس ۵۰ برس کے اندر اندر مذہب کی بیخ و بنیاد اکھیڑ دی۔ مسلمانوں نے آٹھ سو برس کے بعد بھی ہماری چوٹیاں، ہمارے جنیئوں اور ہماری دھوتیاں امانت کے طور پر سلامت رکھکر ہمارے سپرد کر دیں، آج انگریزوں کی بندہ پروری اور ہمارے گھروں میں مصالحانہ دخل کا یہ عالم ہے کہ ہم خود اپنی چوٹیاں اور جنیئو اپنے ہاتھ سے کاٹ رہے ہیں۔ انگریزوں نے ہندوستان میں در اصل حکومت کبھی نہیں کی وہ صرف تجارت کرتے رہے۔ بادشاہت صرف مسلمانوں نے کی اور یہی وجہ تھی کہ مسلمانوں کے عہد میں صرف رعیت کی بہتری مدنظر رہی۔ سوا سو ۱۲۵ برس کی کل حکومت کے بعد ہندوؤں کی انگریزوں سے عام نفرت اور کانگریس کا انکے خلاف عام پروپاگنڈا اس امر کا روشن

ثبوت ہے کہ مسلمانوں نے جو حکومت کی قطعاً بے مثال تھی، اسمیں رعیت کی صحیح پرورش تھی، اسمیں صرف جسموں پر نہیں دلوں پر حکومت تھی، کمال امن اور بے فکری تھی، ہر شئے سستی تھی، حکومت صرف رعیت کی بہتری کی خاطر تھی، رعیت کو شکایت کا کبھی موقع نہ ملا۔ سنہ ستاون ۵۷ء کے فوجی غدر رآجکل کے عام غدر کیطرح ایک حرکت اُس ہزار برس میں ہرگز پیدا نہ ہوئی، مسلمانوں کا کامل اعتبار ہندوؤں پر رہا اور ہندوؤں نے مسلمانوں سے وہ وفا کی کہ ابتک اس محبت کے نشان صحیح تاریخوں میں باقی ہیں۔ انبالہ کے ایک مدرس نے ۱۸۶۷ء کے قریب یعنی غدر کے دس سال بعد ایک تاریخِ ہند لکھی تھی۔ میں اُسکی دُور بینی اور عاقبت اندیشی پر آجتک دنگ ہوں۔ دیباچہ میں لکھا تھا کہ انگریز ہندوؤں اور مسلمانوں کو علیحدہ رکھنے، اُنکی مدت کی دوستی کو دشمنی میں بدلنے اور اُنکو آپس میں لڑوانے کی نیت سے ہر جگہ ایسے کام کر رہے ہیں جو صحیح سیاست کے منافی ہیں۔ میں نے اس تاریخ میں مسلمانوں کے عہد کے سچے حالات پیش کئے ہیں اور اُس غلط فہمی کو دُور کرنے کی کوشش کی ہے جو غلط تاریخوں اور مدرسوں میں جھوٹ کے پڑھائے جانے کے باعث ان دونوں قوموں میں روز بروز بڑھ رہی ہے۔ اسی دیباچہ میں لکھا تھا کہ رعیت کو آپس میں لڑوا کر حکومت کرنے کی سیاست کسی طرح درست نہیں۔ اور میرا یقین ہے کہ اس کا نتیجہ کسی دن ضرور یہ ہوگا کہ مسلمان اور ہندو دونوں حکومت کے سخت دشمن ہو جائیں گے، جس اُلجھن میں حکومت اُسوقت پھنسے گی ایسی ہوگی کہ اُس سے نکلنا سخت دشوار ہو جائے گا۔ مجھے حیرت ہے کہ آج چونسٹھ برس کے بعد اُسکی پیشگوئی کسقدر درست ہے، وہ شخص کسقدر دُور بین تھا اور حکومت کو کیا مفید مشورہ دے گیا۔ بہر نوع مقصود یہ ہے کہ آج ہندوؤں اور مسلمانوں کی آپس میں خوفناک اُلجھن جو غالباً کانگریس کی روز افزوں طاقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی گئی ہے ہندوستان کی

سیاست کا سب سے اہم اور خطرناک مسئلہ ہے اور نیلےچے کی حرکت اور خدمتِ خلق کی تحریک کے اندر اس کا پورا حل موجود ہے۔ مسلمان جب ہندوؤں کی خدمت کے لئے خود آگے بڑھیں گے تو ہندوؤں کے دلوں میں اُن کی محبت کا پیدا ہونا اٹل ہے۔ چرخہ نے ہندو مسلم سوال کو ہرگز حل نہیں کیا بلکہ چرخہ کے اندر اس سوال کے حل کرنے کی اہلیت ہی نہیں۔ چرخہ صرف اس بات کے احساس کا نشان ہے کہ انگریزوں کی یکطرفہ تجارت نے ہندوستان کی مالی اور اقتصادی حالت کو سخت نقصان پہنچایا، انہوں نے تمام دولت کا رُخ اپنے ملک کی طرف پھیر کر محکوم ملک کو کنگال کر دیا۔ یہ درست ہے کہ اگر ہندو سرمایہ دار ولایتی مال نہ خریدتے تو ہندوستان ہرگز مفلس نہ ہوتا، اس جُرم کے پہلے مجرم صرف ہندو ہی ہیں، لیکن اب جو کچھ چرخہ سے ہو رہا ہے اُسی جُرم کی تلافی ہے۔ پس چرخہ کے چلانے میں لامحالہ انتقام کا جذبہ ہے، اُسکی حرکت میں حکومت سے نفرت کا اظہار ہے، اسمیں مذہب اور خدا کا تخیّل ہرگز نہیں۔ یہ ایک بیکس مگر سرمایہ دار اور تاجر قوم کی دوسری تاجر اور سرمایہ دار قوم کے خلاف اقتصادی توپ ہے جارحانہ اور معاندانہ ہتھیار ہے، جیلخانوں، سول نافرمانیوں اور پکٹنگ کی انتقام لینے والی تدبیروں کا پیش خیمہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چرخہ کی تحریک سے حکومت کے ایک کارندے نے اپنی تنخواہ اور ملازمت نہیں چھوڑی۔ خطاب والوں نے اپنے خطابوں کو خیرباد نہیں کہا، وکیلوں نے وکالت ترک نہیں کی، عدالتیں جو قومی اخلاق کی بیخ و بنیاد اکھیڑ رہی ہیں اُسی طرح پُر رونق ہیں، سکول اور کالج برابر چلتے رہے، پولیس پر ذرا بھر اثر نہیں ہوا، فوج کا ایک سپاہی نہیں بگڑا۔ الغرض اگر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو ڈیڑھ برس کی حیرت انگیز حرکت اور اضطراب کے باوجود حکومت کی مشین کا صحیح معنوں میں کوئی پُرزہ خراب نہیں ہوا، چرخہ سے حکومت کا چرخہ کچھ ڈھیلا نہ ہو سکا۔ چرخہ کو سرگرمی

سے چلانے والے اور بطور نتیجہ کھدّر کو پہننے والے لوگ بھی عام طور پر پیدا نہ ہو سکے۔ چرخہ ایک زنانہ ہتھیار تھا، عورتیں ہی اُسکو ہمیشہ سے چلاتی رہیں اسلئے مردوں نے اُسکو قبول کرنے میں عار کیا۔ اسی وجہ سے یہ گھروں میں چھپے رہنے اور بوجھل اور بد نما ہونیکے باعث عام قومی نشان نہ بن سکا۔ چرخہ کی حرکت صرف ایک شخص کی شدّتِ یقین اور صدقِ اعتقاد کے بل قائم ہے ورنہ صحیح معنوں میں چرخہ کے شیدائی کانگریس کے بلند ترین حلقوں میں بھی موجود نہیں۔ یہ وجوہ ہیں جنکے باعث میں چرخہ میں آزادی حاصل کرنے کی اہلیت قطعاً نہیں دیکھتا اور ایک بیکس اور نہتّی قوم کا انتقام کے ہتھیار سے اور اپنے گھر میں نفاق ڈال کر آزادی لے لینا میرے نزدیک قطعاً ناممکن ہے، بیلچہ حرکت اور عمل کا نشان ہے، اسمیں انتقام کا جذبہ موجود نہیں، اسکے اندر ہر قوم کی بہتری کا راز ہے۔ یہ مسلمانوں کو کھُلی تنبیہہ ہے کہ اُن میں عمل باقی نہیں رہا۔ یہ اُمت کو یاد دہانی ہے کہ اُنکی تمام طاقت کا راز محنت اور مزدوری پر ہے، یہ نبیؐ کی سنّت ہے کہ تین دفعہ مار کر عالمگیر بادشاہت کی تاکید کر دی۔ اسمیں حکومت سے چھیڑ کا عنصر نہیں، ترکِ موالات کا عنصر نہیں، کسی قانون کی نافرمانی نہیں، کوئی جیلخانے نہیں۔ یہ ایک خالص مردانہ ہتھیار ہے، صرف مرد اور مردانہ اخلاق والی قوم اس کو اُٹھانے کی خواہش کرے گی، اسمیں ہر قوم کی طرف محبت سے پیش قدمی ہے، برسوں کے رُوٹھے اور بگڑے ہوؤں کو خدمت اور خلق سے منانا ہے، آپ مطیع ہو کر دوسروں کو مطیع کرنا ہے، اسمیں نفس کا ڈسپلن ہے، ظاہر کا نظم ونسق ہے، باطن کی تنظیم ہے، خدا اور مذہب ہے، خُذُوا حِذْرَکُم کی ربانی حکمت ہے، روزی پیدا کرنے کا عمدہ طریقہ بھی ہے۔ الغرض اسمیں خدمتِ خلق ہے، عبادتِ خدا ہے، سنّتِ رسولؐ ہے، قوت اور بادشاہت کا راز ہے، اس حرکت میں روپیہ کا لین دین نہیں، چندوں سے واسطہ نہیں، پلاؤ کھلانے اور

چائے پلانے سے کام نہیں۔ ہر شخص اپنے بوجھ اور خرچ کا خود حامل ہے۔ جو لوگ اس حرکت میں کام کرینگے اُن کی اُجرت خدا کے پاس ہے، اُن کی شان لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ کی شان ہے۔ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ کی شان ہے، وہ بادشاہ زمین و آسمان کے نوکر ہیں، اتنے بڑے بادشاہ کا نوکر ضرور ہے کہ روپیہ پیسہ کی حرص سے بے نیاز ہو۔ قومیں جب جب زندہ ہوئی ہیں انہی بے اجر خدا کے مزدوروں سے زندہ ہوئی ہیں، کرائے کے نوکروں سے ہرگز نہیں ہوئیں۔ روپیہ کی ضرورت اُسوقت ہوگی جب قوم متحد ہو جائے گی، جب اس کا نظم و نسق درست ہو گا، منتہا اور طرزِ عمل ایک ہو گا۔ نظم و نسق کی درستی کے لئے صرف خدا کے دلوں میں آنے کی ضرورت ہے، لاکھوں اور کروڑوں روپیہ کی ضرورت ہرگز نہیں۔ ممکن ہے کہ بعض جزوی ضروریات کے لئے جو اِسوقت سامنے نہیں اور جو قوم کے افراد پر تقسیم نہ کی جاسکیں روپیہ کی ضرورت بعد میں ہو مگر وہ ضرورتیں مقامی اور رسمی ہیں، اُنکے متحمل بھی اُسی جگہ کے لوگ ہو سکتے ہیں جہاں ضرورتیں واقع ہوں لیکن روپیہ کو پیشِ نظر رکھ کر اس حرکت کو شروع کرنا قطعاً درست نہیں، نہ خدا کے کام کبھی کرایہ پر چل سکتے ہیں۔ اسلامی فقہ کا مشہور مسئلہ ہے کہ درہم کے برابر چھینٹ پڑی ہو تو کپڑا ناپاک ہے۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ جس مقدس حرکت کا حصر روپیہ کے لین دین پر ہو وہ حرکت بھی پلید ہے اور اس کا کسی قوم میں پنپنا قطعاً دشوار ہے۔

اٹھارہواں باب

خاکساروں کا بقیہ دستور العمل اور حرکت کا اعلان

ہمدرد - جناب والا بیلچہ کی عظیم الشان حکمت کا میں پورے طور پر قائل ہو گیا ہوں۔ بلاعذر سر تسلیم خم کرتا ہوں بلکہ شکر گزار ہوں کہ جناب نے بیلچہ کے ساتھ اس قدر دلی محبت اور مذہبی عقیدت یکدم پیدا کر دی۔ مجھے اندازہ نہ تھا کہ بیلچے کو اٹھانے کی حکمت کے اندر قوم کی اصلاح کی یہ عظیم الشان استعداد موجود ہے۔ گستاخی کی دست بستہ معافی مانگتا ہوں لیکن اگر اعتراض کرنے کی گستاخی نہ کرتا تو یہ حیرت انگیز راز کبھی نہ کھلتے۔ بنی اسرائیل کو بقرہ ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا تو قوم نے تفصیل مانگی تھی۔ مجھے بھی اب اس مقدس نشان کے متعلق پوری تفصیل درکار ہے کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ ایک رنگ اور ایک وضع بیلچے کا تمام ہندوستان کے خاکساروں کے ہاتھ میں ہونا نہایت ضروری ہے۔ یہ طے ہو گیا تو گذارش ہے کہ اس تحریک کی باقی خصوصیات کے متعلق اشارے کر دیں تاکہ ہم جناب والا کی اس نتیجہ خیز صحبت کے بعد سرخرو ہو کر رخصت ہوں اور جناب کا یہ پیغام ہندوستان کے ہر گوشے میں پہنچا دیں۔ ڈاکٹر صاحب کو جناب نے ملاحظہ کیا ہو گا کہ جب سے ہم آئے ہیں میز پر الگ بیٹھے لکھ رہے ہیں۔ وہ اردو مختصر نویسی میں ماہر ہیں اور یقین ہے کہ اس صحبت کا ایک ایک حرف انہوں نے لکھ لیا ہو گا۔ ہمارا خیال تھا کہ "تذکرہ" کی دوسری جلد کی اشاعت کے متعلق جناب کے خیالات کو قلمبند کر کے قوم تک پہنچائیں کہ اطمینان کی ایک صورت پیدا ہو۔ مگر یہ صورت جواب پیدا ہو گئی ہے اُس اطمینان سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ جناب کا احسان ہے کہ اس توجہ سے میرے سوالات کا جواب دیا اور ہزار در ہزار احسان ہے کہ بظاہر

لاعلاج مرض کا وہ قطعی اور آخری علاج تجویز کیا جو کسی کو ہرگز ہرگز نہ سوجھا تھا۔

مصنّف ۔ جناب کے محبت آمیز الفاظ کے لئے سپاس گذار ہوں اور اس سے زیادہ کیا کہہ سکتا ہوں کہ کسی تحسین و آفرین کا اہل نہیں ہوں۔ ایک مدت مدید سے اس تجویز کی پختت و پز کر رہا تھا اور ابھی ابھی کامل غور و خوض کے بعد اس کی تکمیل ہوئی اسلئے ظاہر کرنے میں عذر نہ تھا۔ اب ارادہ ہے کہ جس شئے کے صحیح ہونے میں کامل یقین ہو چکا ہے اُس پر کم سے کم مدت کے اندر اس شرط پر عمل شروع کردوں کہ مرکز کے کام کو شروع کرنے کیلئے ہندوستان کے مختلف حصوں سے ایسے مناسب عامل پیدا ہو جائیں جو اس لائحہ عمل کو حرف بحرف پورا کر سکیں۔ افراد میں درد اسقدر اور دوا کی طلب بھی اسقدر ہے کہ سچے عاملوں کا جلد از جلد پیدا ہو جانا کچھ بڑی بات نہیں۔ اس حرکت کو صحیح طور پر چلانے کے لئے بہت سی زبانی تبلیغ بلکہ عملی طور پر اسکو چلتا ہوا دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ ہر جگہ کے مختلف عامل ایک ہی طریقہ پر اور ایک ہی رنگ میں اس حرکت کو شروع کر دیں، سب عاملوں کا ایک جگہ نہ صرف آپس میں تبادلۂ خیال ہوتا رہے بلکہ سب کے سب آخر تک متحد اور بے غرض رہیں۔ کسی کو رہنما بننے کی حرص نہ ہو، سب ہم مرتبہ سپاہی اور مجاہد بنے رہیں۔ قوم کی سرداری کا بالآخر وہی مستحق ہو جس کا اثر اپنی قوتِ عمل اور زورِ بازو کے باعث عام ہو جائے اور جس کو قوم یک آواز ہو کر مانے۔ مرکزی دارالاقامۃ کے پروگرام کے متعلق تفصیل کردی تھی اس پر اضافہ یہ ہے کہ مرکز میں بیک وقت پچاس سے زیادہ سالار نہ رہنے پائیں، سالاروں کی تعداد زیادہ ہو تو داخلہ کی گنجائش ہونے تک انتظار ضروری ہے۔ سالار عامل کو تعلیم کی تکمیل کے بعد اپنے شہر یا گاؤں یا قصبے میں کام کرنا ہوگا لیکن خاص وجوہات ہوں تو جہاں چاہیں کام کر سکتے ہیں بشرطیکہ اس

نئے مقام میں مستقل طور پر رہنے کا اقرار ہو۔ مرکز میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد سالار کا
پروگرام یہ ہے۔ سالارِ عامل اپنے علاقہ میں جاکر دس روز کے اندر اندر اصلاحِ نفس کا
اعلان ڈھنڈورے سے کرے۔ تمام جزوی اخراجات کا جو اس تحریک سے متعلق ہوں
خود متحمل ہو۔ اپنے گھر یا مناسب مسجد یا مکتب میں خاکساروں کی بھرتی کا دفتر کھولے۔
بھرتی کے لئے ایک گھنٹہ روزانہ مقرر کرے اور اُسوقت اپنی جگہ پر پابندی سے حاضر ہو۔
بیلچوں کو نہایت کم قیمت پر خریدنے کا انتظام کرے۔ خاکی رنگ ایک قسم کا فراہم کرے۔
چند دن کے اندر اندر ہر خاکسار کو خاکی کپڑوں اور بیلچہ سے مسلّح ہو کر قواعد میں شامل ہو جانا
لازمی ہے۔ بیلچہ اور رنگ کی قیمت خاکسار خود ادا کریں، سالاروں پر کوئی بوجھ نہ ہو۔
میرے اندازے میں مستعمل بیلچوں کی قیمت جو انگریزی فوج ہزاروں کی تعداد میں نیلام
کر دیتی ہے مختلف جگہوں پر چار یا پانچ آنہ سے لے کر دس آنہ تک ہے۔ میں نے پشاور
میں یہی مستعمل بیلچہ دس آنے پر خریدا تھا مگر لاہور میں اس سے ذرا بڑے پھل والا پانچ
آنے کو ملا۔ درجن کے حساب سے ایک بیلچہ صرف چار آنے میں پڑتا ہے اور سَو کے حساب سے
شاید صرف تین آنے میں، لیکن بیلچے کو تمام ہندوستان میں یکساں اور یک وضع بنانے
کی تجویز جو جناب والا نے نہایت ہوشمندی سے پیش کی ہے اسکی ترکیب یہ ہے کہ صرف
مستعمل فوجی بیلچے خریدے جائیں۔ یہ بیلچہ نوک سے سرے تک تین فٹ ہے،
نہایت مضبوط ہے، اسکے پھل کی لمبائی نوک تک ساڑھے دس انچ اور چوڑائی
دس انچ ہے لیکن ساڑھے سات انچ چوڑے اور نو انچ لمبے پھل والے بیلچے
زیادہ خوبصورت اور ہلکے ہیں اور جہاں مل جائیں اچھے رہیں گے۔ جھنڈے کے نشان
والا امریکن خاکی رنگ تینوں کپڑوں کے لئے صرف نصف تولہ یعنی ڈیڑھ پیسہ کا کافی
ہے اور اگر صرف کرتہ اور پائجامہ رنگا جائے تو ایک پیسہ کا رنگ بس ہے۔ سالار کو چاہئے

کہ رنگ کا نمونہ اور مفصّل ہدایتیں مرکز سے ساتھ لائے، پانی کی مقدار اور رنگنے کی ترکیب ہر خاکسار کے ذہن نشین کرے ✤ تا کہ سب کے کپڑوں کا رنگ یکساں ہو اور رنگ کے پھیلاؤ میں بھی یکسانی ہو۔ رنگ کی یکسانی نہایت ضروری ہے بلکہ یہ بھی نہایت ضروری ہے کہ رنگ حتی الوسع فوجی سپاہیوں کی وردیوں کا سا ہو اور اس کی بہترین تجویز یہ ہے کہ سالار سب کپڑوں کے رنگنے کا انتظام یکجا کریں، برابر مقدار میں رنگ ڈالیں اور برابر کا پانی ہو۔ خاکساروں کی عُمر اٹھارہ برس سے کم اور ساٹھ برس سے زیادہ نہ ہونی چاہیئے۔ طالبعلم خواہ وہ اٹھارہ[۱۸] برس سے زیادہ ہوں خاکساروں کی تحریک میں شامل نہ ہونے چاہیئیں۔ اٹھارہ[۱۸] برس سے کم عُمر کے مزدور پیشہ بچوں کے لئے عامل اپنے حلقہ میں علیحدہ جماعت بنائے، اُن کا الگ سردار مقرر اور اُنکے سردار کی عمر پچیس[۲۵] برس سے کم نہ ہو۔ ہندو، سکھ پارسی، عیسائی خاکساروں کی جماعت میں بھرتی ہونا چاہیں تو اس شرط پر کہ پرماتا یعنی خدا کے ایک ہونے کا عام مجمع میں اقرار کریں، خدمتِ خلق کو پرماتا کی سیوا یقین کریں، پرلو یعنی روزِ آخرت پر کامل یقین کا اقرار عام مجمع میں ہو۔ اسلامی رسالت کا اقرار اُن سے نہ لیا جائے اور سب سے اہم یہ کہ اوّل سے آخر تک خاکساروں کے تمام پروگرام میں شامل ہونے کا اقرار ہو۔ سالار اپنے دفتروں کا حساب کتاب خود رکھیں۔ دفتر کا خرچ نہایت معمولی ہو، آٹھ گھنٹے مزدوری یا اور پیشہ کے لئے نکال کر باقی تمام وقت اس تحریک میں صرف ہو۔ سالار دفتر کے کاغذ، قلم، دوات، سیاہی کا خرچ اپنی جیب سے دیں، ڈاک کے محصول وغیرہ کا خرچ بھی حتی الوسع اپنے پاس سے دیں یا دست و بازو سے پیدا کریں، لیکن اگر یہ ممکن نہ ہو تو ڈاک کیلئے ایک پیسہ ماہانہ خاکساروں سے اکٹھا کر سکتے ہیں بشرطیکہ ڈاک کا تمام خرچ نکالکر عامل کے پاس دس[۱۰] روپیہ سے زیادہ بچت کبھی نہ ہونے پائے

✤ نصف تولہ رنگ میں چار سیر پانی اور نصف تولہ سوڈا تین کپڑوں کے لئے کافی ہے۔

ورنہ اُسی نسبت سے چندہ کم کر دیں۔ سالار جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا ہے آسودہ حال بلکہ غنی ہونے چاہئیں، وہ اس حرکت کا اکثر بوجھ اپنے سر پر لیں اور اوّل سے آخر تک کفایت شعاری، خاکساری اور غریبی مدِ نظر رہے۔ ایک سالار کے حلقے میں دس ہزار مسلمان آبادی ہونی چاہیئے۔ اور سالار کا فرض ہے کہ اس دس ہزار آبادی میں سے ایک برس کے اندر اندر دو ہزار خاکسار پیدا کرے، جو سالار اس فرض کو پورا نہ کر سکے اُس کا عمل افضل نہ سمجھا جائے گا۔ اِلّا یہ کہ سالار کا حلقۂ اثر دس ہزار نفوس پر مشتمل نہ ہو۔ اس صورت میں آبادی کے پانچویں حصّے کو اس حرکت میں عملاً شامل کرنا اُسکا فرض ہے۔ ہر سالار کو پچاس میل کے اندر اندر باقی سب سالاروں کے ساتھ ذاتی تعلقات قائم کرنے چاہئیں، کثرت سے ایک دوسرے کیساتھ ملاقات قائم رہے، اکثر سفر پیدل ہو، ایک دوسرے کے پاس جا کر کوئی کسی پر بوجھ نہ ہو اور تمام حرکت کا حتی الوسع یکساں رنگ اور چلن ہو۔ مرکز کے احکام کی پوری اطاعت ہر سالار پر واجب ہے بلکہ اپنے عمل کی مفصّل اطلاع اکثر دینا بھی اُسکے فرائض میں داخل ہے۔ خاکساروں کے فرائض یہ ہیں: نمازِ مغرب سے پونے دو گھنٹے پہلے مقررہ وقت پر سب خاکسار خاکی لباس پہنے اور بیلچوں کو گھروں میں آدھ گھنٹہ تک خوب صیقل کر کے جمع ہوں۔ آدھ گھنٹہ تک میدان میں عام قواعد ہو۔ بیس خاکساروں پر ایک ناظم مقرر ہو اور سب ناظم اپنی اپنی جماعتوں کے ساتھ قواعد کے بعد سالار کے حکم پر مارچ کریں۔ مختلف محلّوں میں خدمتِ خلق کیلئے جائیں۔ بعینہٖ اُسی طرح پر خدمت کریں جسطرح کہ مرکزی دار الاقامۃ میں سالاروں کے لئے تجویز کی تھی۔ سالار اس تمام اثنا میں مختلف محلوں میں جائے اور ناظموں کو خدمتِ خلق کے متعلق ہدایات دے۔ تمام عمل پورے نظم و نسق سے ہو۔ خاکساروں کی روزانہ ہدایت اور تلقین کے لئے عامل کو چند منٹ روزانہ وقف کرنا چاہئیں۔ جمعہ کے دن نصف گھنٹہ کی بجائے ایک گھنٹہ عام قواعد ہو۔ بازاروں یا

شہر کے مختلف حصوں میں مارچ ہو۔ خاکساروں کو سردست صرف یہ پونے دو گھنٹے خدمت روزانہ کرنا ہے لیکن اس کے بعد نمازِ مغرب ایک میدان میں کھڑے ہو کر ادا کرنا اس تحریک کا سب سے ضروری جز ہے۔ مختلف اسلامی فرقوں کے لوگ اگر اپنے اپنے طریق پر نماز ادا کریں تو کم از کم اُنکا ایک صف میں کھڑے ہو کر نمازیں پڑھنا ضروری ہے۔ ان تمام امور کے علاوہ جو احکام خاکساروں اور سالاروں کیلئے مرکز سے نافذ ہوں اُن کی پابندی بہر نوع لازمی ہے لیکن اگر شہر میں یا شہر کے نزدیک ان دو گھنٹوں کے علاوہ خدمتِ خلق کا کوئی موقع یا حادثہ مثلاً آگ لگنی، مکان کا گر جانا وغیرہ وغیرہ ہو تو سالار جس وقت چاہے خاکساروں کو مدد کے لئے بلا سکتا ہے، اُسوقت خاکساروں کا بلا چون و چرا حاضر ہونا فرض ہے۔ الغرض خاکساروں کی تنظیم ایک مستقل فن ہوگا جسکی تعلیم مرکزی دار الاقامۃ میں ہونی چاہیئے اسکی مزید تفصیل یہاں پر کرنا ضروری نہیں۔ سالار اس تعلیم کو پورے طور پر حاصل کر کے اپنے حلقوں میں جائیں گے۔ تاہم جو نہایت اہم بات سالار کے پیشِ نظر ہر وقت رہنی چاہیئے یہ ہے کہ منتہائے نظر تمام قوم کو منظم کرنا ہے، سب کو ایک نقطے پر متحد کرنا ہے، سب سے جہد و عمل کا مناسب حصہ اور سب کو ایک آواز پر مجبور کر دینا ہے، ایک شخص کو جو مسلمانی کا دعویدار ہے چھوڑنا نہیں۔ اس اہم مقصد کو سامنے رکھ کر سالار کی تمام کوشش اس بات میں صرف ہونی چاہیئے کہ حتی الوسع ایک مسلمان بھی اس تحریک کا مخالف نہ رہنے پائے، جو شخص اپنی عُمر یا کسی اور تقاضے سے اسمیں عملی مدد نہیں دے سکتا وہ صرف خاکی رنگ کے کپڑے پہنے، بیلچے کو ہر وقت اپنے پاس رکھے اور دل سے اِسکی خوبیوں کا مقر ہو کر اخلاقی مدد دے۔ جو عملی مدد دینے کے قابل ہے اُسکو عمل کے لئے تیار کیا جائے۔ اس حرکت کو درجۂ کمال پر پہنچانے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ خاکساروں کیلئے روزانہ روٹی کمانے کے لئے آسانیاں پیدا کی جائیں۔ ہر گاؤں یا قصبہ میں جہاں تحریک قائم ہو جائے،

سالار چھوٹے پیمانے پر ایسی دستکاریاں شروع کرے جن سے روزانہ ہر بیکار خاکسار کو کوئی نہ کوئی مزدوری ملتی رہے، سَن اور مونجھ سے بان اور رسّے بٹنا، سرکنڈے کے مونڈے (موڑھے) بنانا، سرکنڈے کی چکوں کا تیار کرنا، نواڑ اور رسیّوں کی چٹائیوں کا بُننا، کھدّر بُننا، تیل نکالنا تولیہ بافی قالین سازی وغیرہ ایسی دستکاریاں ہیں جن کے تیار کرنے کا مصالحہ خود گاؤں میں موجود ہوتا ہے اور اکثر نہایت سستے داموں مل جاتا ہے۔ سالارِ عامل اگر ہوشمند اور کفایت شعار ہو تو اس تجویز پر عمل کرنے سے تھوڑے سے سرمایہ سے ایک خاکسار بھی بیکار نہیں رہ سکتا۔ مسلمانوں کی تجارت کو عظیم الشان فروغ حاصل ہو سکتا ہے اور اسکے علاوہ ایک معقول رقم سالانہ اس حرکت کی مدد کیلئے مستقل طور پر جمع کی جا سکتی ہے، سالار اگر اس منافع کا تیسرا یا زیادہ سے زیادہ نصف حصہ اپنی اُجرت کے طور پر رکھے تو جائز ہے لیکن ایک ایک پیسے کا حساب موجود ہونا چاہیئے اور باقی منافع کو صرف اس حرکت کی مدد کیلئے محفوظ رکھنا چاہیئے۔

خاکساروں کو بیکاری سے قطعی طور پر محفوظ رکھنے کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ علاقہ کے سرمایہ داروں میں اس حرکت کے متعلق ہمدردی کی ہوا پیدا کی جائے۔ سالار کیطرف سے عام اعلان ہو کہ مسلم اور غیر مسلم ملازمت کیوقت سب سے پہلے اس شخص کو ترجیح دیں جو خاکی لباس میں ہو، روزانہ مزدوری میں ایسے شخص کا خاص خیال کیا جائے، عام دکاندار بھی ایسے شخص سے باقی لوگوں کی نسبت عمدہ سلوک کریں، چیز دیتے وقت اُن سے نفع کم لیں، چیز بہتر دیں، الغرض اگر کچھ رعایت ہو سکتی ہے کریں۔ سالار کیلئے اپنے حلقۂ اثر میں ایسی ہوا پیدا کرنے کے لئے تمام ممکن سعی کرنی چاہیئے اور یہی باہمی سلوک اور رواداری مسلم اور غیر مسلم کو آپس میں متحد کرنے کا باعث ہو گی۔ اسی میں اس حرکت کی ترقی کا راز ہے۔ تحریک کے سب علمبرداروں کو قوم کے ساتھ متحد رکھکر قوم کی قوت کو بڑھانا مقصود ہے، الگ پارٹی یا الگ جماعت پیدا کرنا پیشِ نظر نہیں۔ اس بنا پر یہ امر از بس ضروری ہے کہ قوم کے ہر

طبقے اور فرقے کے لوگ اس حرکت میں شامل ہوں۔ حکومت کے ملازم، پولیس والے، فوجی سپاہی، ملازمین کے رشتہ دار، پولیس اور فوج والوں کے رشتہ دار، فوجی سپاہیوں کے عزیز و اقارب، دکاندار، تاجر، معلّم، طالب علم، مزدور پیشہ، زمیندار، عالم، جاہل، مولوی، غیر مولوی دین دار، دنیا دار الغرض کوئی طرف خالی نہ رہ جائے۔ ہر طرف سے عملی اور اخلاقی مدد پہنچتی رہے۔ الحاصل اس حرکت کو صحیح معنوں میں قوم کی حرکت بنا کر ثابت کر دیا جائے کہ قوم زندہ ہے مری نہیں۔ ایسی حرکت صحیح معنوں میں سوراج کی پہلی منزل ہے۔ مسلمانوں کو اکثر اوقات یہ امر نہایت شکستہ دل کر دیتا ہے کہ وہ اقلیت میں ہیں۔ اور اسی اقلیت کی وجہ سے کمزور ہیں۔ ریاضیات اور علمِ تعداد کی بنا پر یہ فلسفہ اور قاعدہ درست ہے۔ جمادات اور اُن اشیاء میں جن کے اندر زندگی نہیں ممکن ہے کہ یہ قاعدہ عام طور پر درست نظر آئے مگر فطرت کی اُن اشیاء میں جو زندہ ہیں، یہ قاعدہ ہر جگہ درست نہیں۔ فطرت کا اوّلین اور اصولی تقاضا یہ ہے کہ ہر چھوٹی اور تھوڑی شے کے اندر بڑھاؤ اور نمو کی برقی قوت اور ہر بڑی اور پھیلی ہوئی شے کے اندر تکمیل کا ضعف اور زوال کی ناتوانی کے سامان پیدا ہوں۔ اسلامی فلسفہ بھی اسی قانونِ فطرت کے مطابق ہے اور مسلمانوں کی اقلیت اور حسابی ضعف کے اندر قوت اور غلبہ کا صحیح راز دیکھتا ہے۔ مسلمان کی تعریف قرآنِ حکیم نے یہ کی ہے کہ اگر بیس ہونگے تو دو سو پر غالب آ کر رہیں گے۔ اور اگر سو ہونگے تو ایک ہزار کو پچھاڑ دینگے۔ انتہائی ضعف کی حالت میں بھی اسلام ایک مسلمان کو دو دشمن کے برابر سمجھتا ہے۔ پس اگر قوم کو پھر قوی کرنا ہے تو سالار کے لئے مسلمانوں کی قلّت کے اندر قوت کا صحیح راز دیکھنا اور قوم کے ہر گوشے کے اندر بالش اور نمو کی برقی قوت بھر دینا فرضِ عین ہے۔ سالار کا منتہا یہ ہو کہ اُمت کا کوئی عضو بیکار نہ رہے، فقرا اور بھک منگوں تک منظم ہو جائیں، بیکاروں

میں پھر قوت آجائے، کارندوں کی طاقت المضاعف ہو، قوت والوں میں اور بجلی بھر دیجائے۔ مسلمانوں کو اگر ایسے صحیح کارکن پھر مل گئے تو میری فکر یہ ہے کہ پانچ برس کے اندر کروڑوں مسلمانوں کا بیڑا پار ہے۔

ہمدرد۔ ہم سب جناب والا کے شکر گذار ہیں اور یقین ہے کہ اس تاریخی صحبت کو ہرگز دلوں سے محو نہ کر سکیں گے۔ جناب کے چہرے پر تکان دیر سے ظاہر ہے۔ اسلئے ہم صرف رخصت کے طلبگار ہیں۔ اللہ عزّ و جلّ جناب والا کو اس تکلیف کی جزائے خیر دے۔ ہمارا منہ نہیں کہ جناب کو کچھ پیش کر سکیں۔ مگر ڈاکٹر صاحب نے ابھی ابھی جو کچھ میرے کان میں کہا ہے اگرچہ برگِ سبز ہے مگر میرے نزدیک قابلِ قبول شئے ہے۔ انہوں نے تجویز کی ہے کہ اس صحبت کی تمام روئداد کو جو اُنہوں نے حرف بحرف لکھ لی ہے جناب والا اپنے طور پر شائع کر دیں۔

مصنّف۔ میں آپکے اس عزیز القدر تحفے کے لئے نہایت احسان مند ہوں۔ ڈاکٹر صاحب نے اس مکالمے کو ساتھ ساتھ لکھنے میں نہایت ہوشمندی اور محبت سے کام لیا۔ اُنکی برق نویسی پر سخت متعجب ہوں۔ میں اگر اُسکو لکھنے پھر بیٹھتا تو غالباً کئی مہینے صرف ہوتے اور بایں ہمہ ہرگز ایسا نہ لکھ سکتا۔ میں ضرور اسکو شائع کر دوں گا اور ڈاکٹر صاحب کا ہمیشہ کیلئے شکر گذار رہوں گا کہ چھ گھنٹے تک جانکاہ محنت کی اور بالآخر میری محنت اسقدر کم کر دی۔ اللہ جلّ شانہٗ ہم سب کا مددگار ہے اور آپ کا واپسی سفر خیریت سے ہو۔ خدا حافظ ۔:

۸ ؍ جولائی ۱۹۳۱ء

نظریات المشرقیؒ

اصلاح نفس کے بغیر اسلام کا "سیاسی" استعمال ملت کے لیے تباہ کن ہے

○ مسلمانوں کے ایک بڑے حصے کے اندر مذہبی حس موجود ہے۔ صنعت و حرفت ہے بے مثال شجاعت اور محنت ہے۔ غریبی کے باوجود حیرت انگیز ایثار مال بھی ہے۔ وقت اور موقع پر سیاست بھی ہے۔ جانی قربانی بھی ہے۔ دین کو بڑا بتانے کے لیے وطن سے ہجرت بھی ہے۔ آزادی کی سب تحریکوں سے دلچسپی اور لگاؤ بھی ہے۔ لیکن یہ سب حرکتیں بے کار اس لیے گئیں۔ کہ قوم میں اصلاح نفس نہ تھی۔ اصلاح نفس سے بنا ہوا مذہب نہ تھا۔ اصلاح نفس والی نتیجہ خیز ہجرت نہ تھی۔ اصلاح نفس والا جہاد نہ تھا۔ اصلاح نفس والی سیاست نہ تھی۔ اصلاح نفس کے پیدا کئے ہوئے کارکن نہ تھے۔ اصلاح کا پیدا کیا ہوا راہنما نہ تھا۔ اصلاح نفس سے نکلا ہوا اتحاد نہ تھا۔ ایک امیر کی اطاعت نہ تھی۔ ایک مرکز سے بستگی نہ تھی۔ ایک بات پر اجماع نہ تھا۔ ایک غرض اور ادارے کی طرف رخ نہ تھا۔ شیرازے کی درستگی نہ تھی۔ اصلاح نفس کا بنایا ہوا نظم و نسق نہ تھا۔ نظم و نسق کا پیدا کیا استقلال نہ تھا۔

(اشارات ☆ ص ۵۷)

○ اس تین سو برس کی خدا کی مار اور منہ کے بتائے ہوئے

کافروں اور مشرکوں کی لگاتار سنوار کے باوجود ہرگز نہ سمجھا کہ آخر ان دردناک سزاؤں کی وجہ کیا ہے۔ وہ اسی تحریف شدہ اسلام کو جو ان کو اپنے باپ دادا سے ورثتہ" ملا تھا۔ صحیح اسلام سمجھتے رہے۔ اور آج تک اسی پر ضد سے قائم ہیں۔ الغرض مسلمانوں کے زوال کی منطق قطعا" عیاں ہے۔ ان کے دلوں میں شیطان کی حکومت اور خدا صرف زبان پر ہے۔ امت کا کمال تجاہل مگر نہایت نادار اندیشی سے اللہ کی عبادت کے مفہوم کو یکسر بگاڑ کر سجدوں۔ کلموں اور شرعی مقولوں کو خدا کے لیے وقف کر دینا زمین پر قوی اور بادشاہ بن کر رہنے کے خدائی انعام کو پاؤں سے ٹھکرا کر دنیا کو مردار اور ناقابل توجہ سمجھنا مذہب کا وہ مڑا ہوا سرا اور سیاست کی وہ مڑی ہوئی دھار ہے جس کو پھر درست کرنا ہر ہوشمند شخص کا فرض ہے۔

(اشارات ☆ ص ٦٥)

لیکن کانگریس نے چونکہ عدم تشدد کا اعلان انگریزوں سے انتقام لینے یا مسلح حکومت کا خاموش مقابلہ کر کے اس کا نظم و نسق بگاڑنے کی نیت سے کیا اور خدا کی نوکری کا تخیل ان لوگوں میں نہیں جو اس پر عامل ہیں اس لیے اس میں صحیح اصلاح پیش نظر نہیں نہ نفس کی اصلاح اس سے لازما" پیدا ہو سکتی ہے۔ خدائے ذوالجلال کی ملازمت کے تخیل سے دنیا اور آخرت دونوں پیش نظر ہو جاتی ہیں۔ دنیا میں جو جماعت کی بہتری اور آخرت میں انفرادی بہتری کا خیال انسان کو دس گنا حرکت اور عمل کے قابل بنا دیتا

ہے۔ نیکی کو نیکی اور صحیح سمجھ کر کرنا اس کو دشمن سے انتقام لینے کی خاطر نہ کرنا اس میں زمین و آسمان کے حاکم اعلیٰ کی ملازمت اور مالک دو جہاں کی خوشنودی کا سامان دیکھنا انسان کے اندر وہ حرکت اور وہ دوران خون پیدا کر دیتا ہے جو صرف سیاست یا قومیت کے تخیل سے ہرگز پیدا نہیں ہو سکتے ------- کھدر پہننے میں بت شکنی ضرور ہے۔ نرم نرم کپڑوں کے آرام وہ بتوں کو توڑنا ضرور ہے۔ اس بت شکنی کا جو سیاسی فائدہ قوم کو مل رہا ہے۔ ظاہر ہے لیکن کھدر کو انگریزوں کی تجارت کو نقصان پہنچانے کی نیت سے پہننا پہننے والے کے دل میں نہ اصلاح نفس کا تخیل پیدا کر سکتا ہے۔ نہ نفس کو بے آرام کرنے سے خدا کی ملازمت اختیار کرنے کا حوصلہ افزا ہیجان اس کے دل کو گرما سکتا ہے۔ الغرض اصلاح نفس کی تحریک کو صحیح طور پر چلانے کے لیے اس کی پہلی کئی منزلوں میں ایسے لوگ شامل ہونے چاہئیں۔ جن میں سیاسی مصلحت یا انتقام کے جذبہ کی بجائے اللہ کی ملازمت کا زندہ جذبہ موجود ہو۔ اور جن کا آخرت پر پورا یقین ہو۔ عام اعلان ہو کہ اصلاح نفس کے عاملوں کا ملکی سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔

(اشارات ☆ ص ۔۳۷)

○ میں نے بیلچہ کو سنسنی پیدا کرنے یا تماشہ پسند کرنے والے مسلمانوں کو تماشہ دکھلانے یا کانگریس کے چرخہ کے بالمقابل ایک نیا سیاسی ہتھیار کھڑا کرنے کے لیے ہرگز پیش نہیں کیا۔ بیلچہ اور چرخہ سے زیادہ سنسنی پیدا کرنے والی ایک نہیں کئی تجویزیں ہو

سکتی ہیں۔ بیلچہ میرے پیش نظر اس وقت تھا۔ جبکہ میں نے آج سے تیس برس پہلے بیس برس کی عمر میں انگلستان میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ اور چرخہ کی تعلیم کا نام و نشان بھی اس وقت تک نہ تھا۔ میں اس وقت بھی دیکھ رہا تھا کہ انگلستان کی عظمت کی جان بیلچہ ہے۔ لوگ کوئلے اور لوہے کو انگلستان کی بڑائی کا باعث کہتے ہیں ------ صرف ریاضی کے حساب سے اگر زمین کی تمام آبادی کے ہاتھ میں بیلچہ دے دیا جائے تو چار سو برس کے اندر اندر ایک میل کی گہرائی تک زمین کے سب خزانے باہر آ سکتے ہیں۔

(اشارات ☆ ص - ۸۱)

(حضرت علامہ مشرقیؒ)

مشرقیؒ، ماؤ اور محسن الملک

سیاسی جماعتیں انقلاب نہیں لاتیں
صرف اصلاحی جماعتیں انقلاب پیدا کرتی ہیں

چین ایک آزاد ملک تھا۔ اس پر اس کے اپنے ہی حکمران تھے۔ لیکن اہل چین ایک آزاد ملک اور آزاد قوم سے متعلق ہوتے ہوئے بھی جبر و استحصال کا شکار بنے ہوئے تھے۔ جدید چین کے جلیل القدر راہنماوں نے اس جبر و استحصال کے خاتمہ کے لیے اپنے ہی حکمرانوں کو سامراج قرار دے کر ان کے خلاف تگ و دو کا آغاز کر دیا۔ اس طرح سے سیاسی راہنما انقلاب لانے میں کامیاب تو ہو گئے۔ مگر مطلوبہ نتائج پیدا نہ ہوئے۔ ڈاکٹر سن یات سین کی سعی مسلسل نے چینیوں کو آمریت کے سامراج سے نجات دلا کر جمہوریت کے سامراج کے حوالہ کر دیا۔ دوسری بار پھر اس سامراج کو ختم کرنے کے لیے چین کی موجودہ قیادت کو اتنی ہی جدوجہد اور اتنی ہی قربانیوں کے ساتھ میدان میں آنا پڑا۔ تب جا کر وہ صراط مستقیم اختیار کرنے کے قابل ہوئے۔

اسی طرح جنت نشان ہندوستان میں جو قوم آباد تھی وہ اعلیٰ حضرت اورنگ زیب عالمگیرؒ کے بعد نہایت سرعت سے زوال پذیر ہوتی چلی گئی۔ یہ زوال بحیثیت مسلمان تھا یا بحیثیت ہندوستانی اس وقت بھی جاری رہا جب

اس کے اپنے حکمران تھے۔ اس وقت بھی جاری رہا۔ جب حضرت شاہ ولی اللہؒ کی اصلاحی کاوش اور اعلیٰ حضرت غازی سلطان احمد شاہ ابدالیؒ کے ہاتھوں مرہٹہ سامراج کا مکمل استحصال کر دیا گیا۔ یہ اس وقت بھی جاری رہا جب برطانوی بحری قزاق نئی تہذیب اور نئی روشنی لے کر ہندوستان آ کر اس کے مالک بن گئے یہ زوال اس وقت بھی جاری رہا جب انگریز نے ملک سے حریت کی روح کو بزور ختم کر کے اپنے نامزد کردہ دانشوروں کی وساطت سے ہندوستانیوں کو آئین پرست۔ پر امن اور انگریز کا وفادار بنا دیا۔ یہ اس وقت بھی جاری رہا جب پرتھوی راج۔ چوہان۔ رانا سانگا جیسے تیغ زن بہادروں۔ غازی سلطان شہاب الدین غوریؒ۔ غازی سلطان ظہیر الدین محمد بابرؒ جیسے فاتحین اور سلطان التمشؒ و اکبر اعظمؒ جیسے مدبروں کی اولاد کو مغربیت کا پرستار بنا کر ان کے لیے انڈین نیشنل کانگریس اور مسلم لیگ کے نام سے دو فرقہ وارانہ پارٹیاں بنا کر انہیں مہذب بنانا اور ان کے اندر سیاسی شعور پیدا کرنا شروع کیا۔ جب ایسے دانشوروں کو شرف ملاقات بخش کر انہیں اچھالا گیا انہیں برصغیر کے امن و امان کو تہ و بالا کرنے کی تربیت دی۔ جب ان نامزد دانشوروں کی کوششوں سے برصغیر پر انگریز نے اپنی بالادستی ختم کر کے امریکن مہاجنوں کے آگے گروی رکھ دیا۔ جب مسلمان آزاد مملکت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے جب برصغیر کا تیسرا حصہ کی بجائے ساتواں حصہ مسلمانوں کو دے دیا گیا۔ جب میوزیکل چیئرز کے اس سیاسی کھیل کا نام آزادی رکھا گیا۔ جب لیگ حکمران تھی۔ ری پبلیکن پارٹی حکمران تھی۔ جب کنونشن لیگ کا اقتدار تھا جب اسے آمریت قرار دیا گیا۔ جب بنگال الگ ہو گیا۔ جب استحصال کا خاتمہ کر دیا گیا۔ جب سوشلزم آ

گیا۔ زوال اور انحطاط اسی شرح سے جاری رہا۔ اور جاری ہے۔ اور انقلاب پر انقلاب کسی عنوان سے بھی بہتر ثابت نہیں ہوا سامراج کا سامراج سے تبادلہ بھی مفید مطلب نہ ہوا۔

"لینن کہتا ہے۔" انقلاب کے لیے ان لوگوں کی ضرورت ہے جو جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان عمل میں اتریں۔ "ماؤ کہتا ہے" انقلاب کا راستہ بندوق کی نالی سے ہو کر گزرتا ہے "ہٹلر کہتا ہے کسی عالمگیر تحریک کو کامیاب طور پر چلانے کے لیے ان بہادروں کی ضرورت ہوتی ہے جو ملک اور قوم کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر سکیں۔ "المشرقیؒ کہتا ہے"۔ پہلے دشمن کی طرح مضبوط ہو جاؤ۔ پھر دشمن سے ٹکرا جاؤ "لینن کہتا ہے۔" انقلاب کے لئے اعلیٰ کردار کے حامل لوگ چاہئیں۔" ماؤ کہتا ہے" ہتھیار جنگ میں اہم ضرور ہیں۔ لیکن فیصلہ کن کردار عوام کی منظم قوت سر انجام دیتی ہے۔ "ہٹلر کہتا ہے" کہ کسی قوم کا بلند اخلاق اور اس کی نسل کا علو مرتبت ہونا قومی تعمیر کے لیے مقدم ہے۔ اقتصادیات کا نمبر دوسرا یا تیسرا ہے۔ "المشرقیؒ کہتا ہے" قوم کبھی سربلند نہیں ہو سکتی۔ جب تک اس کے افراد کا کردار بلند نہ ہو۔ اور وہی انقلاب کامیاب ہو سکتا ہے۔ جو بلند کردار عوام کی منظم قوت سے پیدا ہو۔"

لہٰذا اگر اس مقولے کو ملحوظ رکھ کر غور کیا جائے "تمام بڑے لوگ ایک ہی طرح سوچتے ہیں تو اندازہ ہوگا۔ کہ متذکرہ بڑے لوگ قوموں کی اٹھان کے لیے ایک ہی نتیجے پر پہنچے تھے۔ کہ اتحاد فی العمل' مکارم الاخلاق

کے حامل اور اصلاح یافتہ کارکن ہی حقیقی انقلاب کے بانی ہو سکتے ہیں۔ قوم کے اندر ہڑبونگ مچا کر اسے اتحاد و تنظیم قرار دے لینا یا انتقال اختیارات کو آزادی یا سامراج سے سامراج کے تبادلے کو انقلاب سمجھ لینے سے کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ چنانچہ لینن۔ ہٹلر۔ "ماؤ اور المشرقیؒ نے اپنے اپنے دائرہ کار کے اندر ایک ہی قسم کے فلسفے کو زیر عمل رکھا۔ روسی عوام نے اپنے بادشاہ اور اپنی حکومت کے باوجود آزادی کو غلامی سے بدتر پایا تو ٹراٹسکی اور سٹالن سے انقلاب و آزادی کا سبق سیکھا۔ چینی عوام نے چیانگ کی جمہوری آزادی کو غلامی سے بدتر پایا تو نئے سرے سے جدوجہد کا آغاز کیا۔ چار ہزار میل کے لانگ مارچ میں کیڑے مکوڑوں کی طرح مر کر انقلاب۔ آزادی کی مثال قائم کی۔ پہلی جنگ عظیم میں شکست کے بعد جرمنی کی یہ کیفیت تھی کہ حضرت علامہ المشرقیؒ ۱۹۲۶ء میں جرمنی گئے۔ تو استقبالیہ میزبان نے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ کہ آپ نے "تذکرہ" میں قوموں کی سربلندی کا قانون جہاد بالسیف لکھا ہے۔ اور آپ ایک ایسے ملک میں آئے ہیں۔ جہاں جنگ و جہاد کو دنیا کی سب سے بڑی لعنت کہا جاتا ہے۔ چنانچہ شروع شروع میں تو یہ کہہ کر المشرقیؒ کا مذاق اڑایا جاتا رہا کہ غلام قوم کا ایک پروفیسر جرمنی کو جنگ اور غلبے کی تعلیم دینے آیا ہے۔ لیکن چند ہی سالوں میں جرمنی کو ہٹلر نے عسکری لحاظ سے قابل ذکر طور پر منظم و مضبوط کر دیا۔

"ٹائرس" نے سوکل تحریک کے ذریعے چیک جوانوں میں جسمانی صحت اور چستی۔ تحمل اور استقامت اس طور پر پیدا کر دی کہ پورے چیکوسلوواکیہ کو فوجی کیمپ کی صورت میں ڈھال دیا ہے۔ علی ہذا ہنی بال نے

نیتقی جوانوں کے اندر وہ عسکری قوت اور وہ مضبوط کریکٹر بھر دیا۔ کہ انہوں نے ایلپس کی برفانی گھاٹیاں عبور کر کے قیصر روم کو گرفتار کر لیا۔ جارج واشنگٹن نے حصول آزادی کے لیے امریکی جوانوں کے ہاتھ میں تلوار دے کر انہیں آڑے آنے والے آباؤ اجداد کے ساتھ قتال پر آمادہ کر دیا۔ ٹوجو نے جاپانی بچوں میں وہ روح حیات پیدا کر دی۔ کہ وہ حیرت انگیز طور پر موت سے بے خوف ہو گئے۔ الغرض دنیا کے یہ بڑے آدمی جو اپنی اپنی قوم کے مصلح معمار اور انقلابی رہنما بھی تھے۔ ان کی سوچ تجویز اور عمل کو سامنے رکھ کر اہل ہند کے "بڑے لوگوں" کی سوچ۔ تجویز اور عمل سے موازنہ کیا جائے۔ تو یہ المناک صورت سامنے آئے گی۔ کہ اہل ہند کے "بڑے لوگوں" نے آگے بڑھ کر انگریز فاتحین کو خوش آمدید کہا۔ ان کی دلالی کے فرائض سر انجام دیئے۔ اور انگریزوں کی خایہ مالی میں اس طرح نام پیدا کیا کہ ان کے گلے میں انگریزوں نے بڑے بڑے خوشنما پٹے ڈال کر انہیں تاج برطانیہ کے کھونٹے سے باندھ دیا یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے دشمن کے ہاتھ مضبوط کرنے کے لیے جہاد کو منسوخ قرار دیا۔ اور مسلمانوں کو یہ یقین دلانے میں دن رات ایک کر دیا۔ کہ انگریزی حکومت کا استحکام مسلمان قوم کے تحفظ کا باعث ہوگا۔ یہی وہ نامور ہستیاں ہیں جن کی مساعی اور جن کے افکار کا ناطہ مطالبہ پاکستان سے جوڑا گیا۔ یہی لوگ اہل وطن کے دشمن لیکن انگریزوں کے وفادار اور آئین پسند بن کر انگریز ہی کی دی ہوئی ڈائریکشن کے مطابق اپنے آقا سے اپنے حقوق مانگنے کے لیے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر سیاسی کرتب دکھانے لگے۔

انقلاب کے لیے اصلاح شرط اول ہے

بات تو وہی ہے جو اوپر بیان کی جا چکی ہے۔ لیکن خالد بن ولیدؓ اور طارق بن زیادؒ کے بھائیوں کو سنانے کے لیے پھر دہرائی جاتی ہے۔ اور بار بار دہرائی جائے گی۔ کہ جب جزائر برطانیہ کے بحری قزاق پرتگیزی ڈاکو "البوکرک" اور فرانسیسی لٹیروں "ڈوپلے اور لالی" کو ہندوستان کے جنوبی ساحل سے پیچھے دھکیل کر آگے بڑھے تو زوال یافتہ قوم کے میر جعفر۔ اماچند۔ میر صادق۔ محمد علی والا جاہ۔ چندا صاحب۔ ملہار راؤ ہلکر۔ نظام الملک۔ آصف جاہ۔ حکیم احسن اللہ خاں۔ سر سید احمد خان۔ نواب عبداللطیف۔ پروفیسر صلاح الدین۔ خدا بخش اور تاویل بنئے جیسے جہنمی غدار ان کے استقبال کے لیے موجود تھے۔ متحدہ ہندوستان کی دولت۔ اس کی سونا اگلتی ہوئی زرخیزی۔ اس کے میلوں کی وسعتوں میں پھیلے ہوئے جنگلات' اس کے معدنی ذخائر اور اس کے قدرتی وسائل اس کی افرادی قوت اور اہل ہند کی سپاہیانہ صلاحیتوں سے استفادہ کر کے سر سید کے محافظین اسلام نے نہ صرف ایشیا اور افریقہ کے مسلم اور غیر مسلم ممالک پر ذلت اور محکومی کے ہل چلا دیئے۔ بلکہ مشرقی یورپ۔ آسٹریلیا۔ کینیڈا اور شمالی امریکہ تک اپنی بالا دستی قائم کر کے دنیا میں برطانیہ عظمیٰ کا ڈنکا بجوا دیا۔ ادھر غلط سوچ کی بنا پر مغل اعظم کا ہندوستان ہندو مسلم منافرت کی آگ میں جلتا رہا۔ کانگریس اور مسلم لیگ کے نیرو سیاسی بنسری بجا کر اس آگ کو بھڑکاتے چلے گئے۔ انہوں نے انگریز کی سکھائی ہوئی سروں کو الاپ الاپ کر اہل ہند کے اندر سے ہر ان اوصاف و اقدار کو مٹا دیا جو زندگی۔ حرکت۔ اٹھان اور آزادی کا لازمہ ہوتے ہیں۔ کیا امم عالم کی حریت کی تاریخ اس امر کی شاہد

نہیں کہ ہر اس رہنما اور ہر اس معمار قوم نے جس نے کسی قوم کو تعرمذلت سے نکال کر آزادی کی راہوں پر گامزن کیا۔ اس نے سب سے پہلے سیاسی تربیت نہیں کی۔ بلکہ متعلقہ قوم کے اندر اصلاح نفس پید اکی۔ اسے اعلیٰ ترین اخلاقی تربیت دی۔ وحدت فکر اور وحدت عمل کو رواج دیا۔ ہمسایہ طاقتوں سے رواداری سکھائی۔ حرکت مسلسل اور جسمانی صحت و مضبوطی کے لوازمات مہیا کیے۔ ہم آہنگی اور یک رنگی پید اکی۔ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرانا سکھایا جان دینے اور جان لینے کا حوصلہ پیدا کیا۔

لیکن کیا وہ لوگ کسی طور بڑے قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ جو اپنی قوم کو دشمن کی وفاداری سکھائیں۔ دشمن کی نقالی سکھائیں۔ خود غلام ہو کر اپنی غلام قوم کو دوسرے غلاموں سے لڑنا سکھائیں۔ ضبط و نظم کی بجائے ہنگامہ آرائی کی تعلیم دیں۔ دشمن کے ہر اطوار کو اپنا کر دشمن سے روشن خیالی اور ترقی پسندی کی سند حاصل کریں۔ نہیں نہیں یہ لوگ ہرگز بڑے نہیں ہو سکتے۔ نہ قوم کو کسی منزل مراد تک پہنچانا ان کے بس کا روگ ہوتا ہے۔

برصغیر ہند کے کانگریسی اور لیگی رہنماؤں کی یہی کیفیت تھی۔ وہ بڑے نہیں تھے وہ رہنما نہیں تھے۔ وہ کسی اصلاح کے مدعی نہیں تھے۔ وہ کسی مسلک کے حامی نہیں تھے۔ کسی نظریے کے بانی نہیں تھے۔ کسی طرز فکر کے مجوز نہیں تھے۔ کسی فلسفے کے مبلغ اور کسی طریقہ کار کے شارع نہیں تھے۔ انہوں نے جس سیاسی فکر اور جس طریقے کو اپنا رکھا تھا وہ بھی ان کا اپنا اور خود تجویز کردہ نہیں تھا۔ دشمن کا ہی بتایا اور سکھایا ہوا تھا۔

بلاشبہ یہ لوگ کچھ حاصل کرنے یا حاصل کرنے کی ممکنات پیدا کرنے کے اوصاف و جواہر سے کلیتہ" محروم تھے۔

یہ لوگ ساری زندگی رولٹ ایکٹ۔ سائمن کمیشن۔ راؤنڈ ٹیبل کانفرنسوں۔ منٹو مارلے اصلاحات اور انگریزی حکومت کے پھینکے ہوئے ہوم رول کے کھلونوں پر آپس میں گتھم گتھا ہوتے رہے۔ ساری زندگی ہندوؤں اور مسلمانوں کے آپس میں لڑنے کی وجہ جواز پیدا کرتے رہے۔ چنانچہ ہندو اور مسلمان لڑے۔ محرم اور دسہرے پر لڑے۔ عید اور ہولی پر لڑے۔ مسجد کے سامنے باجہ بجنے پر لڑے۔ گاؤ کشی پر لڑے۔ تقسیم ہند پر لڑے۔ کلکتے میں لڑے۔ نوا کھالی میں لڑے۔ گڑھ مکتشر میں لڑے۔ بہار میں لڑے۔ بمبئی میں لڑے۔ دہلی میں لڑے۔ انہوں نے شلوار پاجامے اتروا کر اور شرمگاہیں دیکھ دیکھ کر ایک دوسرے کو قتل کیا۔ بچوں کو چھرے گھونپے۔ عورتوں کی چھاتیاں کاٹیں۔ بوڑھوں کو ہلاک کیا۔ لاکھوں ہی قتل ہو گئے۔ کروڑوں کی املاک نذر آتش کر دی۔ مسجد اور مور جلائے۔ قرآن وگیتا کی بے حرمتی کی۔ کانگریس اور لیگ کے لیڈروں نے سیاسی بازی گری کے تحت امن کی مشترکہ اپلیں بھی کیں۔ لڑنے مرنے والوں کو مشترکہ طور پر غنڈے بھی قرار دیا۔ اور آگے چل کر اسی غنڈہ گردی۔ اسی خانہ جنگی اور قتل عام کو قربانی قرار دے کر آئندہ نسلوں سے داد بھی وصول کر لی۔ اب یہ آئندہ نسلوں کا کام ہے کہ وہ ہندی غلاموں کے اس بے طرح اور بے تحاشا بہنے والے خون میں کم از کم کسی ایک آدھ انگریز کے خون کے چند قطرے بھی تو تلاش کریں۔

اور اگر محترم عنایت اللہ کے مضامین اور جناب نسیم حجازی۔ ایم

اسلم اور رئیس احمد جعفری کے موٹے موٹے ناول بھی انگریز کے چند قطرہ خون کی نشاندہی نہ کر سکیں تو ان آئندہ نسلوں کو یقین کر لینا چاہیے۔ کہ کانگریس اور لیگ کی دانش۔ ان روایتی بلیوں کی دانش تھی۔ جنہوں نے روٹی کے ایک ٹکڑے پر نزع پیدا کر کے بندر کو ثالث تسلیم کر لیا تھا۔ اس ثالثی سے بلیوں کو جو کچھ حاصل ہوا۔ وہی کچھ کانگریس اور لیگ حل کر سکیں۔ اور سونے کی چڑیا کسی نہ کسی طور انگریز کی گرفت میں رہی۔ اور وہی بدستور اس کے بال و پر نوچ رہا ہے۔

سیاست کی بنیاد ہی فرقہ واریت پر ہے

مسٹر ہیوم کی کانگریس اور محسن الملک کی لیگ نے رام موہن رائے اور ہزہائی نس سر آغا خاں کی صدارت میں جو سیاسی کھیل ہندوستان میں شروع کیا تھا۔ اسے انگلستان سے انگریزی قانون کی ڈگریاں اور مشہور اطالوی سیاسی غنڈے "میکیاولی" کا فلسفہ سیاست پڑھ کر لوٹنے والے ہندوستانی دانشور ماڈرن ڈپلومیٹ کہلانے کے شوق میں مزید تقویت پہنچاتے رہے۔ ان کی قانونی موشگافیاں اور انگریزی الفاظ سے مرصع۔ تقریریں برصغیر کی سیاسی تاریخ کا حصہ بنتی چلی گئیں۔

قابل غور ہے یہ بات کہ سوامی رام تیرتھ کی اولاد انگریزی قانون اور میکیاولی فلسفہ پڑھ کر یورپ سے "ہندو" بن کر لوٹتی رہی۔ لیکن سر سید کی اولاد ولایت سے واپس آ کر مذہب کا بے طرح مذاق اڑاتی۔ مشرقی تہذیب و اقدار کی برملا نفی کر کے مغربی تمدن و کلچر کی نقالی پر فخر کرتی۔ اور یوں آہستہ آہستہ یہ بے خدا اور بے دین نقال۔ روشن خیال ترقی پسند۔

متمدن۔ اونچی سوسائٹی اور بڑے لوگ بنتے گئے۔ یہی وہ بڑے لوگ ہیں جنہوں نے آگے چل کر بنی بنائی ایڈمنسٹریشن کا چارج سنبھالا۔ تو اپنی نالائقی سے مغرب کی ناک بھی کٹوا ڈالی۔

بہرکیف جیسا کہ ذکر کیا جا رہا ہے کہ کانگریس کے دانشوروں کی دانش بس اتنی ہی تھی کہ وہ برصغیر کی مسلم اقلیت کے سیاسی حقوق کو زیادہ سے زیادہ زک پہنچائیں۔

اور لیگی دانشوروں کی دانش کی معراج یہ تھی کہ وہ ہندو اکثریت کے بھوت کی نشاندہی کر کے انگریزوں سے اپنے سیاسی حقوق کے تحفظ کی ضمانت مانگتے رہیں۔ یہی ہے وہ دو قومی نظریہ۔ یہی ہے وہ خانہ جنگی والا اتحاد۔ تنظیم اور یقین محکم۔ اور یہی ہے جنگ آزادی کا وہ فلسفہ جس پر کئی ایک قرآن فروشوں نے اسلام کی چھاپ لگا کر قوم کے فکر کو پختہ کیا۔ سیدھی سی بات ہے کہ جو تصور ایک خدا۔ ایک رسولؐ۔ ایک قرآن۔ ایک دین اور ایک قبلہ کے حاملین کو ایک دوسرے کی جان کا لاگو بنا کر انہیں ترک اور عرب کی نسبت سے تقسیم کر سکتا ہے۔ وہی تصور اور وہی انداز فکر ہندو اور مسلمانوں کے درمیان کیونکر باعث فتنہ و فساد اور وجہ تقسیم نہ بنے۔ لیکن یہ تصور اور یہ انداز فکر اپنانا اس قوم کو تو قطعی زیب نہیں دیتا تھا۔ جس نے گیارہ سو پینتالیس برس تک ہندوستان پر حکومت کی تھی۔ ہندو اکثریت کے دلوں پر حکومت کی تھی۔ نتیجتہً اس طویل مدت میں ہندو اکثریت نے من حیث القوم اس کے اقتدار و اختیار کو چیلنج نہ کیا۔

تاریخ شاہد ہے کہ جنگ ترائن جو محمد غوریؒ اور رائے پتھورا کے درمیان لڑی گئی۔ جنگ کنواہہ جو بابر اور رانگا سانگا کے مابین ہوئی۔ اودھے

پور اور چتوڑ کے معرکے جو مغل فوج اور رانا پرتاب کے درمیان ہوئے سیوا جی مرہٹے کی ہنگامہ آرائی جو عہد عالمگیری میں ہوئی۔ حتیٰ کہ پانی پت کی تیسری لڑائی جو احمد شاہ ابدالیؒ اور مرہٹہ سردار شیو راؤ بھاؤ کے درمیان لڑی گئی۔ ہندو مسلم سوال پر نہیں بلکہ دو قوتوں کے درمیان حصول اقتدار کے لیے لڑی گئیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح سلطانہ رضیہ کے خلاف التونیہ نے ہمایوں کے خلاف مرزا عسکری وغیرہ یا شیر شاہ سوریؒ نے اکبرؒ کے خلاف مرزا حکیم۔ سلیم شاہ سوری کے وزیر ہمایوں نے یا شہزادہ سلیم نے جہانگیر کے خلاف شہزادہ خرم نے دارا شکوہ اور شجاع کے خلاف اورنگ زیب نے حصول اقتدار کے لیے لڑائیاں لڑیں۔ یا جس طرح ہند کے مسلمان حکمرانوں کے خلاف امیر تیمور گورگانی اور نادر شاہ درانی نے فوج کشی کی۔ لہٰذا ایک تاجر حکومت کی پیدا کردہ فرقہ وارانہ منافرت کو بطور نظریہ اختیار کرنا اور میکیاولی فلسفے کے تحت اس پر اپنی سیاست کی بنیاد رکھنا کم از کم اس قوم کو ہرگز زیب نہیں دیتا تھا۔ جس نے ایک ہزار برس تک اقوام عالم کی امامت کے فرائض خوش اسلوبی سے سرانجام دیئے اور جسے بیکن۔ جربرٹ اور لیناروڈ و جیسے بلند پایہ یورپی عالموں کی استادی کا شرف حاصل ہوا۔ کانگریس اور لیگ کی فلاسفی کو درست ثابت کرنے بلکہ تقویت پہنچانے کے لیے حکومت کی نگرانی میں بھی ایک تاریخ مرتب ہوئی جو نصاب تعلیم شامل کر دی گئی۔ جس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ علاؤ الدین خلجی کا چتوڑ پر حملہ رانا بھیم سین کی خوب صورت رانی پدمنی کو حاصل کرنے کے لیے تھا۔ جس میں گورو تیغ بہادر اور گورو گوبند سنگھ کی عالمگیر غازی سے آویزش کے افسانے درج تھے۔ جس میں مسلمان بادشاہوں کے لاابالی پن کے

تذکرے تھے۔ جس میں سیواجی کے ہاتھوں افضل خاں کے قتل اور شائستہ خاں کی ہزیمت کی داستانیں لکھی گئی تھیں۔ جس میں اکبر کے دین الٰہی کے غلط قصے۔ یاقوت سے رضیہ کے عشق کی کہانی۔ روشن آرا بیگم کی محلاتی سازشوں کے افسانے اور زیب النساء اور عاقل خاں کے رومان کی داستانیں رقوم تھیں اس نام نہاد تاریخ کو پڑھ کر ہندو مسلم طالب علم جہاں ایک دوسرے کے خلاف بغض و عناد سے اپنے سینے بھرتے۔ وہاں واحدانی نظام حکومت سے متنفر ہو کر جمہوریت کی شیطانی فرع کے موید بن جاتے۔ پھر ان ہی تاریخ خوان نوجوانوں نے کانگریس اور لیگ کے جھنڈے تلے دنیا کی وہ انوکھی جنگ آزادی لڑی کہ برصغیر میں خون کے دریا بہہ گئے۔ لیکن انگریز کو ایک خراش تک نہ آئی وہ پورے اطمینان سے ملک کر لوٹتا رہا۔ حتیٰ کہ یورپ میں نازیوں نے خروج کر کے اسے مجبور کر دیا کہ وہ جنگ عالمگیر ثانی میں چودہ ملین ڈالر روزانہ لیے جانے والے قرضے کے عوض اپنے جملہ مقبوضات کا چارج قرض خواہ امریکہ کو دے دے۔

رواداری اور تالیف قلوب سے ہی مختلف قوموں کو متحد رکھا جا سکتا ہے

جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا گیا ہے کہ ہر اس بڑے آدمی اور ہر اس راہنما نے جس نے اپنی قوم کو بلند کرنا چاہا۔ اس کی ساری تعلیم قوم کی اخلاقی تربیت پر مشتمل رہی۔ اس نے قوم کے دلوں سے نافرمانی کے شیطانی جذبے کو ختم کر کے اسے اطاعت کرنا سکھایا۔ افراد قوم کے اندر ذمے داری

کا احساس پیدا کیا۔ عزم و استقامت پیدا کیے۔ فتمندی کا یقین' حسن معاملہ
اور سلیقہ عمل پیدا کیا۔ قربانی اور جاں سپاری کی سپرٹ پید اکی نظام پیدا کیا۔
عظیم مشرقیؒ نے اسی مستند فارمولے پر خاکسار تحریک کی بنیاد رکھی۔ انہوں
نے طریقہ ہی ایسا تجویز کیا جس میں خاموشی' ہاتھ پاؤں کی تربیت۔ عصبیت
اور تجرد واضح تھا۔ نے متحدہ ہندوستانی قومیت کا عظیم الشان تصور ایک
رواوارانہ نظام کی ضمانت کے ساتھ پیش کیا جس میں تمام کے مساوی حقوق
کو تسلیم کیا گیا۔ متحدہ ہندوستانی قومیت کا یہ ارفع تر تصور کانگریس کے اکھنڈ
بھارت کی تائید یا مسلم لیگ کے لے کے رہیں گے پاکستان کے نعروں کی
مخالفت کی وجہ سے نہیں تھا۔ بلکہ آزادی ہند کے بنیادی تقاضوں اور دین
اسلام کی عالگیر رواداری عدل اور تالیف قلوب کی وجہ سے تھا جو تمام
قوموں کی مناسب پرورش کا ذمہ دار ہے اس سلسلے میں ایک نمایاں مثال
چین میں قائم ہوئی ہے۔ جس میں پچاس سے زیادہ قومیتوں نے ایک
مساوی اور عادلانہ نظام میں منسلک ہو کر عظیم چینی قوم کا تصور پیدا کیا ہے۔
اگرچہ آج وحدت قوم۔ وحدت فکر اور وحدت عمل پیدا کر کے ایک وسیع
تر معاشرے کے اندر حسن توازن پیدا کرنے کا کریڈٹ کیمونزم کے فلسفہ کو
مل رہا ہے۔ اس زندہ مثال کی موجودگی میں مسلمانوں کے باشعور عنصر کو
سوچنا چاہیے کہ

کیا وحدت نسل انسانی کا عالم آرا تصور دینے والے دین اسلام
کا دامن اس قدر تنگ ہے۔ کہ اس کے نظام میں کسی دیگر قومیت
کے سمونے کی کوئی گنجائش نہیں؟

اور خود مسلمان جب تک کسی مخصوص خطے میں عددی اکثریت

حاصل نہ کر سکیں نہ اسلام پر عمل ہو سکتا ہے نہ اسلام کے اصولوں پر کسی نظام کی تشکیل کی جا سکتی ہے۔ المشرقیؒ دین اسلام کو اس کائنات کی بہت بڑی سچائی تصور کرتے تھے۔ ان کا خاکسار تحریک کے نظام کا منصوبہ اسی عظیم سچائی کا مظہر تھا۔ جس میں مسلمان ہندو سکھ عیسائی اور اچھوت مکمل اعتماد کے ساتھ سماتے چلے گئے۔ سب کے سب خدا کی وحدانیت۔ مذاہب کے منجانب اللہ ہونے اور یوم آخرت پر یکساں ایمان رکھنے کی وجہ سے متحد ہو گئے۔ سب نے نیکی۔ خدمت۔ مساوات۔ رواداری اور عدل کو صحیح سیاست مان لیا۔ سب قوموں کے افراد نے اپنے بازوؤں پر خاکسار تحریک کا امتیازی نشان "اخوت" یکساں اعتماد کے ساتھ لگایا۔ الغرض کانگریس اور مسلم لیگ کی پھیلائی ہوئی نفرت و مخالفت اور فتنہ انگیزی کے برعکس عظیم مشرقیؒ نے خاکسار تحریک کی صورت میں اسی روادارانہ نظام کو پیش کیا۔ جس کی آغوش لطف و مرحمت میں آکر " رسم جوہر" ادا کر گذرنے والے اگنی کل راجپوت مملکت اسلامیہ ہندیہ کو اپنے خون کا بلیدان دیتے رہے۔ اور " برہما " کے بازوؤں سے پیدا ہونے والے کھشتری سورما سلاطین اسلامیہ کی قائم کردہ مرکزیت کے اردگرد جمع رہے۔ انگریزی قبضے سے قبل ہندوستان میں ہندو مسلم منافرت اور فرقہ وارانہ کشیدگی یعنی دو قومی نظریے کا کوئی تصور تک بھی موجود نہیں تھا۔ ورنہ تاریخ نواں کوٹ کے " مہر محکم دین" کو جعفروں اور صادقوں کی صف میں ضرور کھڑا کرتی جس نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کو لاہور کا قبضہ دلایا تھا۔ فقیر سید عزیز الدین کو ضرور غدار کہتی جس کے حسن تدبر نے سکھ سلطنت کو نصف صدی تک قائم رکھا تھا۔ بہرکیف ان ہی روادارانہ جذبات کے تحت المشرقیؒ نے ویلور جیل کی نظر بندی کے

ایام میں کانگریس کے صف اول کے لیڈروں پٹا بھی سیتا رامیہ اور راج گوپال اچاریہ کو مسلمانوں کے مطالبہ پاکستان کا حامی بنایا۔ چنانچہ اخبار بین حضرات کو یاد ہوگا کہ راجہ جی نے جیل سے رہا ہو کر آل انڈیا کانگریس کی سٹیج سے جب مطالبہ پاکستان کی تائید کی تو کانگریس ہائی کمان نے انہیں کانگریس سے نکال دیا تھا۔ لیکن یہ وہ پاکستان تھا جو مسلم قوم نے اپنی اجتماعی قوت کے ساتھ انگریزوں سے بزور حاصل کرنا تھا۔ اسی نقطہ نظر سے المشرقیؒ نے ۱۹۴۴ء میں بمبئی میں گاندھی جناح ملاقات کا اہتمام کیا اور ملک کے درد مند لوگوں سے بذریعہ تار و خطوط انہیں کہلوایا کہ وہ ہندو اور مسلمان کو آپس میں لڑا مروا کر مزید کمزور کرنے کی بجائے آپس میں متحد ہو کر انگریز کو ہندوستان سے نکال باہر کریں۔

خاکسار تحریک نے جملہ متعلقین کے اندر جس احسن طریقے سے اصلاح کا رجحان پیدا کر دیا تھا۔ محسن الملک کی مسلم لیگ اس کا عشر عشیر بھی اپنے ہمنواؤں میں پیدا نہ کر سکی۔ جس اسلامی اخلاق و کردار کی نشاندہی مسلم زعماء کرتے رہتے ہیں اور جس پر لیگی رہنماؤں کے ایمان کی شہادتیں بھی آج فراہم کی جا رہی ہیں۔ اس کا کوئی ہلکا سا نشان بھی لیگی کارکنوں میں موجود نہیں تھا۔ وہ جو اسلام کو عملی طور پر متشکل کرنے کے لیے ایک قطعہ زمین مانگتے تھے۔ اور وہ جو اچھل اچھل کر پاکستان کا مطلب کیا۔ لا الٰہ الا اللہ کے نعرے لگاتے تھے ایک قطعہ زمین پر سیاسی اقتدار ملتے ہی وہ ڈاکو اور لٹیرے بن کر ابھرے۔

یہ اس لیے کہ محسن الملک کی مسلم لیگ اصلاحی تحریک نہیں تھی۔ سیاسی پارٹی تھی جس کی بنیاد نفرت اور خود غرضی پر رکھ کر کارکنوں کو اعصابی

طور پر کمزور اور خود غرض بنا دیا گیا تھا۔ اس قسم کی سیاسی پارٹیاں قوموں کی تقدیریں بناتی نہیں البتہ بگاڑتی ضرور ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر بڑے رہنما نے اپنے مشن کو اصلاح نفس اور تعمیر کردار سے شروع کیا۔ اور جب اس کا پیدا کردہ اصلاح یافتہ وجود بر سراقتدار آیا تو اس نے معجزے ہی کر دکھائے۔ حالانکہ یہی اسلام کے ابتدائی دور میں ہوا۔ ان کے مثالی کریکٹر کا آج بھی بغیر کسی شائبہ کے حوالہ دیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ولیم میور اور ایڈورڈ گبن جیسے متعصب مورخین قائد اسلام پر (معاذ اللہ) صرع کا مریض ہونے کا الزام لگانے کے باوجود اس حقیقت سے انکار نہ کر سکے کہ متذکرہ اصلاح یافتہ وجود نے بر سراقتدار آ کر زمین پر ایک عادلانہ نظام قائم کر کے انسانیت کا سر اونچا کر دیا تھا۔ اقتدار ہاتھ میں لے کر اس عنصر کے تزکیہ نفس کا یہ عالم رہا کہ انہوں نے کسریٰ کے کنگن سراقہ بدری کو پہنائے۔ مگر خود نان جویں پر گزارہ کر کے روح و بدن کے رشتے کو قائم رکھا۔ تاریخ یہ شبہ بھی پیدا نہیں کرتی کہ یہ لوگ جب ہجرت کر کے آئے تھے۔ تو اپنی مکے والی جائیدادیں کفار قریش کے ہاتھوں لاکھوں روپے میں باہتمام فروخت کر کے آئے تھے اور نہ ہی بعد میں کسی براہ کے رشتہ داروں نے اس کی لاکھوں روپے کی غیر منقولہ جائیداد سے اپنا حصہ طلب کیا۔

تاریخ جدید بھی یہی کہہ رہی ہے کہ جرمنی۔ روس۔ چین۔ چیکو سلوواکیہ۔ کوریا وغیرہ میں انقلاب بپا کرنے والے وجودوں کی بنیاد اصلاح نفس اور تعمیر کردار پر رکھی گئی تھی۔ اقتدار سے پیشتر ہی ان کے اندر مخصوص کریکٹر پیدا کر دیا گیا تھا۔ ان کی خود غرضی اور نفس پرستی اجتماعیت

کے حیات آفرین تصور میں گم کر دی گئی تھی۔ ان کی وطن سے محبت قوم سے انس۔ دیانتداری سے کام کرنے کی لگن۔ قومی مفاد کا تحفظ اور ان کا قوم کی آن کی خاطر جان پر کھیل جانے کا جذبہ صادقہ اس اصلاح کی وجہ سے تھا۔ جو ان کے لیڈروں نے پیدا کر دی تھی۔ ان کے لیڈروں نے رسمی بیانوں۔ لچھے دار تقریروں اور نرے اخباری پروپیگنڈے سے مصنوعی اتحاد یا انتخابی تنظیم پیدا نہیں کی تھی بلکہ اپنی ذات کا اصلاحی نمونہ لے کر قوموں کے درمیان آئے۔ دربدر اور خاک بسر ہو کر اور زندگیاں داؤ پر لگا کر جملہ متعلقین کو منظم کیا۔ اصلاح و تنظیم کا طریقہ وضع کیا۔ بال سے باریک اور تلوار سے تیز شاہراہ معراج و غلبہ پر قدم بڑھا کر اپنے کارکنوں کو پیچھے چلنے پر تیار کیا۔ متعلقین کے اندر تمنائے موت کو پیدا کیا۔ موت سے عشق پیدا کیا۔ تب جا کر کوئی نتائج نکلے۔ تب جا کر انقلاب کی صورت پیدا ہوئی۔ لیکن کسی غیر اصلاح یافتہ قوم پر اس کے غیر اصلاح یافتہ اکابرین کا کسی طور مسلط ہو جانا۔ پھر اسی غیر اصلاح یافتہ قوم کے غیر اصلاح یافتہ ادیبوں اور شاعروں کا افسانے اور قصیدے لکھ لکھ کر اس عذاب الہی کو انقلاب اور آزادی سے موسوم کرنا قطعی غیر اصلاحی تصور ہے۔ اور اس تصور کا حاصل خود غرض اور لٹیرے کارکن۔ افسانوی قسم کی رشوت خور انتظامیہ۔ الف لیلوی قسم کے سمگلر۔ شائیلاک قسم کے سرمایہ دار۔ افسانوی قسم کے بلیک مارکیٹر اور روایتی قسم کے گرہ کٹ مفکر نہ ہوں گے تو اور کیا ہوگا۔ بہرحال یہ طے شدہ بات ہے کہ زوال یافتہ اور گری ہوئی قوموں کے عروج و اٹھان نیز انقلاب و آزادی کے لیے سب سے مقدم کام قوم کے اندر اصلاح نفس کا ہمہ گیر رجحان پیدا کرنا اور افراد

قوم کو رضاکارانہ بنیاد پر منظم کرنا ہے۔ دنیا کے ہر بڑے آدمی کی یہی سوچ اور دنیا کے ہر انقلاب کا پس منظر یہی ہے۔ عظیم مشرقیؒ نے اسی اصول کو مقدم رکھا۔ اور خاکسار تحریک میں اصلاح نفس کا ولولہ اس طور پر پیدا کر دیا کہ وہ جو انسانیت کے نام پر بدنما دھبہ تھے۔ اور خاکسار تحریک کے نظام میں آ کر معاشرے کے قابل بھروسہ اور ذمے دار رکن بنتے چلے گئے۔ ۱۹۳۴ء سے ۱۹۴۰ء تک ایک بیلچہ بردار خاکسار نظم - ضبط۔ صلح۔ اتحاد۔ امن۔ خدمت۔ شرافت اور دیانت کا چلتا پھرتا اشتہار تھا۔ اور آج اس گئے گزرے زمانے میں بھی المشرقیؒ اور خاکسار تحریک سے کسب فیض کرنے والے لوگ قومی زندگی کے جس بھی شعبے میں گئے لامحالہ اعلیٰ ظرف اور متعدد کریکٹر کے حامل ثابت ہوئے۔

ایثار و قربانی کا جذبہ صرف تربیت سے پیدا ہوتا ہے

محسن الملک کی مسلم لیگ کا سارا کاروبار چندے سے چلتا تھا۔ مگر المشرقیؒ کی خاکسار تحریک میں چندے کا سوال ہی نہ تھا۔ وہ پشاور سے رنگون تک بغیر چندے کے چلتی تھی۔ المشرقیؒ نے تو پہلے ہی دن کہہ دیا تھا۔ کہ جو لیڈر قوم کی بگڑی بنانے کے لیے قوم سے چندہ مانگتا ہے۔ اس کی نیت قطعی درست نہیں۔ نہ وہ قوم کو کسی منزل تک پہنچا سکتا ہے۔ خاکسار تحریک میں جہاں ہر شخص اپنا وقت صرف کرتا تھا۔ اپنی جان صرف کرتا تھا۔ وہاں ہر شخص اپنی ضرورتیں اپنی گرہ سے پوری کرتا تھا۔ ایسے مخلص لوگ جو ملک و ملت کے لیے بے مزد اور بے لوث کام کرنا۔ حتیٰ کہ جان تک دے دینا جزو ایمان سمجھتے ہوں۔ کسی عنوان اوپر آ جاتے۔ تو لیگی کارکنوں

کی طرح الا ٹمیٹیس پچوں۔ ماموؤں اور سالوں کے گھر نہ چلی جاتیں۔ نہ یہ لوگ متروکہ جائیدادیں سنبھال کر بیٹھ جاتے۔ نہ روٹ پر مٹوں اور در آمدی لائسنسوں کے ٹھیکیدار بنتے نہ صدارتوں' وزارتوں اور سفارتوں کے اجارہ دار بن کر ملک و قوم کو نیلام کرتے۔ بلکہ دیانت و امانت کی اس روایت میں اضافہ کرتے جو انہوں نے کوئٹہ کی تباہی۔ پشاور اور رنگون کی آتشزدگی کے موقعہ پر لاکھوں کروڑوں کے مال کی حفاظت کر کے قائم کی تھی۔

محسن الملک کی مسلم لیگ کے لیڈروں کا مذہب سے تعلق بھی محض رسمی اور سیاسی تھا۔ یوں تو وہ یہی کہتے تھے کہ پاکستان میں خدا کی حکومت ہوگی۔ تہذیب و تمدن اسلامی ہوگا۔ ادب و ثقافت اسلامی ہوگی۔ لیکن یہ نرا سیاسی سٹنٹ تھا۔ پتہ نہیں اسلام کے نام پر سیاسی سٹنٹ چلانے والوں کو قوم نے معاف کیسے کر رکھا ہے۔ بہرحال پاکستان میں پہلے دن ہی اسلام کو نجی مسئلہ ٹھہرا دیا گیا۔ انہوں نے ہی کہا تھا کہ ہمارے پاس چودہ سو سال قبل کا لکھا ہوا آئین موجود ہے۔ ہمیں کسی نئے آئین کی ضرورت نہیں۔ لیکن ۱۹۵۶ء تک پاکستان کو سرزمین بے آئین کہنے والے بھی یہ خود ہی تھے اور بالآخر یہ اس سیاسی آئین کا چربہ لے آئے جو برطانوی وزیر ریمزے میڈانلڈ کے اشارے پر انگلستان کے قانون دانوں نے تیار کیا تھا اور دنیائے اسلام میں غالباً" پہلی مرتبہ شریف حسین آف مکہ کے بڑے بیٹے امیر فیصل والئے عراق کی حکومت میں نوری السعید پاشا نے کانسٹی ٹیوشن دی ری پبلک آف میسوپوٹیمیا کے نام سے رائج کیا تھا ازاں بعد ان لیگی لیڈروں نے عوامی لیگ۔ جناحی لیگ۔ جناح عوامی مسلم لیگ۔ آزاد پاکستان

پارٹی۔ کونسک سربک پارٹی۔ ری پبلکن پارٹی۔ ڈیموکریٹک پارٹی نظام اسلام پارٹی۔ جگتو فرنٹ۔ قائداعظم لیگ۔ کنونشن لیگ۔ کونسل لیگ۔ قیوم لیگ۔ جونیجو لیگ۔ چٹھہ لیگ اور نواز لیگ وغیرہ کے نام سے ہوس اقتدار کا جو شیطانی ڈرامہ پیش کیا۔ وہ اس امر کا شاہد ہے کہ ان مسلم لیگیوں کے پاس خدا۔ رسولؐ۔ اسلام اور قرآن کا نام ایک ایسا حربہ ہے جس سے کروڑوں خدا پرست اور اسلام دوست لوگوں کا کامیاب شکار کر کے ان کی لٹی ہوئی عزتوں اور دم توڑتے ارمانوں پر اقتدار کے محل تعمیر کرنا تھا۔

عظیم مشرقیؒ نے مذہب کی حرمت پر کٹ مرنے کا جذبہ اس وقت پیدا کیا۔ جب ان کی اپنی حکومت نہیں تھی انہوں نے جملہ متعلقین کے اندر مسلمان ہونے کی بچ اس وقت پیدا کی جب ان کے پاس اقتدار نہیں تھا۔ انہوں نے ملت کے فعال عنصر کو اسلامی تہذیب و اقدار کا حامل اس وقت بنایا جب انگریز کی نقالی عزت اور بڑائی کا معیار سمجھا جاتا تھا۔ انہوں نے ناموس محمد صلی اللہ علیہ وسلم (صلعم) پر فدا ہو جانے والے عبدالرشید۔ محمد رفیق اور مرید حسین اس وقت پیدا کئے جب ان کا قانون نہ چلتا تھا۔ انہوں نے فلسطینی عربوں کی مدد کا بیڑہ اس وقت اٹھایا جب انہیں کچھ بھی اختیار حاصل نہیں تھا۔ انہوں نے قوم سے ایک پیسہ چندہ لیے بغیر۔ پھولوں کا ایک ہار وصول کیے بغیر۔ زندہ باد کا ایک نعرہ لگوائے بغیر قوم کے اندر نظم و نسق کا سلیقہ پیدا کیا۔ انہوں نے قوم کو خاموشی سکھائی۔ انہوں نے اطاعت امیر کا تکلیف دہ کریکٹر پیدا کیا۔ انہوں نے مخلوق خدا کی خدمت کا والہانہ جذبہ

پیدا کیا۔ انہوں نے قوم کے جوانوں کے تن سے الف لیلیٰ کے افسانوی شہزادوں کا لباس اتروا کر انہیں خاکی لباس پہنایا۔ سادگی پیدا کی۔ یک رنگی پیدا کی۔ انہوں نے اونچے اور نیچے کے کندھے پر بیلچہ رکھوا کر طبقاتی تفاوت کو ختم کیا۔ محنت کی رغبت پیدا کی۔ انہوں نے شاہ و گدا کو ایک صف میں چلا کر مساوات اور وحدت عمل پیدا کی۔ انہوں نے قوم کے قدم ملوا کر دل ملوائے۔ انہوں نے سالار بنا کر حکومت کرنے کے ڈھب سکھائے۔ انہوں نے خدا کی راہ میں جان دینے اور مال دینے کی ہمت پیدا کی۔ انہوں نے مشکلات و موانعات پر صبر و استقامت کا حوصلہ پیدا کیا۔ انہوں نے اپنے کاز کی سچائی پر یقین پیدا کیا۔ انہوں نے قوم کے جوانوں کو فتنہ کتابت سے نجات دلائی۔ انہوں نے مال و اولاد کے بت تڑوا کر خدا سے لگاؤ پیدا کیا۔ انہوں نے قوم کی عزت کے محافظ اور قوم کے دکھوں کا بوجھ اٹھانے والے خاکسار پیدا کیے۔ انہوں نے اتحاد کا ذریعہ پیدا کیا۔ انہوں نے عمل کا تعین کیا۔ انہوں نے تنظیم و نظام کے قواعد و ضوابط پیش کیے۔ انہوں نے غلبہ اسلام کا ارفع تر نصب العین دیا۔ انہوں نے ایک نقطہ مرکزیت سے حرکت کی لہروں کا تسلسل ذیلی مراکز تک اس طور قائم کیا کہ جس نے قوم کی دور و نزدیک بستیوں میں ایک ہمہ گیر انقلاب پیدا کر دیا کہ چند سال بعد جب دشمن ان کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ تو انہوں نے جوابی کارروائی سے ثابت کر دیا کہ المشرقیؒ کی تربیت بالکل درست تھی۔ انہیں اسی طرح جان پر کھیل جانا چاہیے تھا۔

المشرقیؒ کی سیاست مومنانہ سیاست تھی۔ قانون قدرت کا تعقل اور امم عالم کے فلسفہ عروج و زوال کا علم رکھنے ایک باخبر رہنما کی بامقصد سیاست تھی۔ انہوں نے اسلام کو سیاسی سٹنٹ نہیں بنایا۔ انہوں نے قوم کو سبز بوٹی نہیں پلائی۔ سبز باغ نہیں دکھائے۔ انہوں نے ووٹ لینے کے لیے ہمالیہ جتنے بڑے جھوٹ نہیں بولے۔ انہوں نے افراد قوم کو صاف صاف کہا کہ میں اپنی عاقبت کے لیے مصروف عمل ہوں۔

انہیں مولوی کا مذہب غلط نظر آیا۔ انہوں نے اسے برملا غلط کہا۔ انہیں انگریزی سیاست قوم کے لیے ضرر رساں نظر آئی۔ انہوں نے اسے بے خوف و خطر رد کر دیا۔ "سیاسی چوہدریوں" کو سیاہ کار لیڈر کے نام سے پکارا۔ انہوں نے جہاد کو قوم کی حیات سمجھا تو جہاد کی تیاری شروع کرا دی۔ ان کی ہمسایہ قوموں سے رواداری کی خواہش آزادی ہند کے موقف کے پیش نظر تھی۔ دین اسلام کے عالمگیر نظام اور تالیف قلوب کی آسمانی سیاست پیش نظر تھی دھوکہ دہی یا سیاسی مکاری کی وجہ سے نہیں تھی۔ انہوں نے جس شے کو غلط قرار دیا اسے آخر دم تک غلط کہا جسے درست سمجھا اس پر ہمیشہ ڈٹے رہے قومی اصلاح کے لیے اختیار ناطق کو ضروری جانا تو اس میں ادنیٰ لچک پیدا نہ کی۔ عسکریت کو قومی تقویت و بہتری کا ذریعہ جانا۔ تو آس پاس اور آگے پیچھے اچھلتی کودتی اور چھچھاتی سیاسی پارٹیوں کی عوامی مقبولیت اور ان کی فیشن ایبل کامرانیوں کو دیکھ کر بھی اس میں ادنیٰ ترمیم نہ کی جبکہ محسن الملک کی مسلم لیگ کی بنیاد روما کے بے خدا فلاسفر میکیاولی کے

فلسفے پر تھی۔ جس کی رو سے اگر اسلام کا نام لینے سے قوم کو استعمال کیا جا سکتا تھا۔ تو اس کا نام لے لیا۔ مرزائیوں کے تعاون سے الو سیدھا ہوتا تھا۔ تو انہیں اپنا لیا۔ جمہوریت کے فریب سے مطلب نکل سکتا تھا۔ تو اسے پیش نظر رکھ لیا۔ خاکسار تحریک کی تنظیم سے قوم کی توجہ ہٹانی مقصود تھی تو نیشنل گارڈز کا ڈرامہ رچا لیا۔ الیکشن سے کام نکلتا تھا۔ تو الیکشن لڑ لئے۔ قوم کو مزید اندھا کرنا چاہا۔ تو قوم کشی اور غداری کے عوض انگریزوں سے حاصل کئے ہوئے خطاب واپس کرنے کا مضحکہ خیز تماشہ کر دیا۔

الغرض یہ میکیاولی چالاکیاں کھیلنے والی جمعیت ہر ان اوصاف سے تہی داماں تھی۔ جو کسی بھی قسم کے قومی سدھار یا معاشرے میں اعتدال و توازن کا موجب ہوتے ہیں۔ اس کے اندر نہ مساوات تھی نہ ایثار کا مادہ نہ قربانی کا جذبہ نہ کسی کی اطاعت کا نظریہ نہ مذہب سے لگاؤ نہ وطن کی محبت۔ نہ تخیل کی بلندی نہ نگاہ کی وسعت۔ اور پھر ۱۹۴۰ء میں عالمی سیاست کے دباؤ کی وجہ سے حالات نے جو رخ اختیار کیا۔ اس کے زیر اثر وہ تمام پیشہ ور سیاست دان اور تمام ابن الوقت قسم کے سماجی کارکن اپنے سابقہ اڈوں کو خیرباد کہہ کر لیگ میں بھرتی ہوتے چلے گئے۔ اور پھر پاکستان کے نام سے مسلم لیگ کی تحویل میں دیئے جانے والی اسلام کی نظریاتی مملکت پر بھوکے درندوں کی طرح پل پڑے۔ انہوں نے نظریہ پاکستان کی طفیل جان و مال اور عزت و آبرو لٹوا کر آنے والے بے بس و مجبور مہاجروں سے واہگہ کی سرحد کے قریب بے راہ روی کا جو نظریاتی ٹیکس وصول کیا۔ اس کا حساب قوم کی نوجوان نسلوں کو بہر طور لینا ہے۔ اسی قسم

کے مفاد پرست لوگوں سے قوم کو نجات دلانے کے لیے ہر ہٹلر کو عمل جراحی کرنا پڑا۔ لینن نے اسی قماش کے ہزاروں لوگ گولیوں سے اڑا دیئے۔ اسی ذہنیت کے افراد سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لیے ماؤ کو ان کی مکمل نسل کشی کرنا پڑی۔ اور جب تک ان گندے انڈوں کی غلاظت قوم کے دامن سے دھوئی نہ گئی۔ متذکرہ قوموں کا معاشرہ سدھر نہ سکا۔ اصلاح قوم کے سلسلے میں بگلے کے سر پر موم رکھ کر پکڑنے کی حکیمانہ تدبیریں بتانے والے لال بجھکڑ گزشتہ پون صدی سے رسالوں۔ کتابوں اور تقریروں سے قوم کے فکر کو پختہ کرانے کا ناٹک رچائے بیٹھے ہیں۔ اور ہوا کا رخ دیکھ کر المشرقؒ کی تجویز و تدبیر کو ناقص اور ناقابل عمل کہہ کہہ کر اپنی مفکری کی داد حاصل کرتے رہے۔ اور آج جبکہ ان کی ممدوح مسلم لیگ کا کوئی ایک مفروضہ بھی قوم کے لیے عملاً" سود مند نہیں ہوا۔ اور المشرقؒ نے اس مفروضے کے متعلق جن خدشات کی نشاندہی کی تھی وہ حرف بحرف درست ثابت ہوئی۔ اور ہو رہی ہے۔ پھر بھی یہ بے بصر مفکر مسلم لیگ کے میکیاولی تماشے کو اسلام ہی کہنے پر مصر ہیں قوم کے اہل شعور طبقے کو بہر طور غور کرنا ہوگا کہ یہ کیا عجیب و غریب فکر ہے جس کی رو سے برصغیر کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے پر ایسے عناصر کا (جس کے صرف نام ہی مسلمانوں والے تھے اور جس کی ساری تاریخ ایثار و قربانی سے تہی دامن اور قوم کشی سے معمور ہے۔) سیاسی اقتدار حاصل کر لینا عین اسلام تھا۔ اسلامیان ہند کی کچھ کم نصف تعداد کی اس گروہ کے چنگل میں پھنسا دینا (جس نے نفرت اور دشمنی انتہا تک پہنچا دی) تھی۔ یہ بھی عین اسلام تھا۔ پھر ان کروڑوں مسلمانوں کو بے یار و مددگار چھوڑ کر محسن الملک کے

سارے ٹولے کا اسلامی مفکروں سمیت بھارت سے بھاگ کر یہاں تشریف لے آنا بھی عین اسلام تھا۔ یہاں آکر قرار داد مقاصد کا تیر مار کر سارے پاکستان کو انٹر کانٹی نینٹل بنا دینا۔ پھر آدھا پاکستان گنوا کر بقیہ آدھے کو اسلام کا قلعہ قرار لے لینا۔ پھر اس قلعے کے چاروں دروازوں پر سرحدی دروازہ۔ بلوچی دروازہ۔ سندھی دروازہ اور پنجابی دروازہ کے سائن بورڈ لگا دینا یہ ساری تگ و دو اسلامی ضابطہ حیات کے عین مطابق ہے کون نہیں جانتا کہ محسن الملک کی مسلم لیگ انگریز کا خود کاشتہ پودا تھا۔ کون نہیں جانتا کہ مسلم لیگ کے لیڈر ابتدا سے ہی کشتگان خنجر تہذیب مغرب تھے۔ کون نہیں جانتا۔ کہ انہیں دین اسلام اور مسلم قوم سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ کون نہیں جانتا کہ اس ٹولے کا گورو گھنٹال انگریزوں کا وہ خایہ بوس ملال تھا جس نے شیر میسور سلطان شہید ٹیپو علیہ الرحمتہ کو اپنی کتب میں غدار کتا کہہ کر اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ لوگ اسلام کا نام ضرور لیتے تھے۔ لیکن اسلام سے انہیں دور کی نسبت بھی نہ تھی۔ کون نہیں جانتا کہ یہ لوگ عین رمضان شریف میں اپنے لیڈر کو کاک ٹیل پارٹیاں دیتے تھے۔ در حالانکہ یہ لوگ ان دنوں اسلام کے نام پر قوم سے ووٹ مانگ رہے تھے۔ علیٰ ہذا یہ لوگ نہ کسی فکر کے حامل تھے۔ نہ ان کی تربیت کسی اخلاقی اصول پر ہوئی تھی نہ ان کی اپنی کوئی سوچ تھی۔ نہ کوئی نقطہ نگاہ تھا۔ نہ کوئی مستقل ارادہ تھا نہ کوئی طریقہ کار تھا۔ ماسوا اس کے جو انگریزوں نے خود وضع کر دیا تھا۔ ابتدا میں محسن الملک کی مسلم لیگ اینگلو محمڈن نوابوں۔ سروں۔ خان بہادروں اور جاگیرداروں کا سیاسی کلب تھا۔ جس کے پیش اگر کچھ تھا تو اپنے طبقے کے سیاسی حقوق کا تحفظ آگے چل کر جوں جوں انگریز جس قسم کی

میٹھی تنقید کی تربیت انہیں دیتا رہا۔ یا مختلف آئینی اصلاحات (جو در حقیقت ہندوستان کے استحصال کا نیا ڈھنگ ہوتا تھا) نافذ کر کے ان کی رہنمائی کرتا رہا۔ یہ وہی کچھ کرتے رہے۔ تاآنکہ انگریز نے نئی آئینی اصلاحات یعنی نئے استحصالی ڈھنگ کے ذریعے کانگریس اور مسلم لیگ کو علیحدہ علیحدہ پارلیمنٹ بنانے کا اختیار دے دیا۔ لہٰذا ۴۶-۱۹۴۵ء کے انتخابی میچ میں پاکستان کی ٹرافی جیت لینے کے بعد ۱۹۵۱ء کے الیکشن میں مسلم لیگ کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے آپس میں ہی ایک دوسرے کے بالمقابل کئی کئی قومی نظریے لے کر کھڑے ہو گئے۔ بڑے بڑے وزیروں سفیروں اور گورنروں پر مختلف حیلوں وسیلوں سے بڑا بڑا مال پیدا کرنے کے الزامات انہی لوگوں نے لگائے۔ جن کے ماتھوں پر مسلم لیگ کی چھاپ لگی ہوئی تھی۔ اس طرح مسلم لیگ کے اتحاد۔ تنظیم اور یقین محکم کے موسمی نعرے نے قومی استحصال کی ایسی بنیاد رکھ دی۔ جس کا خمیازہ آج بھی قوم بھگت رہی ہے۔ اور اپنی کج فہمی سے اس ہولناک بربادی کا مجرم محض ایک دو افراد کو ٹھہرا رہی ہے۔ اتحاد و تنظیم تو کبھی تھے ہی نہیں۔ اگر ہوتے تو وزارتیں۔ سفارتیں۔ بڑے بڑے عہدے۔ روٹ پرمٹ۔ درآمدی لائسنس اور اونچے اونچے ٹھیکے لوگوں کو بطور رشوت کیوں دیئے جاتے۔ اتحاد، تنظیم اور ایک ارفع تر مسلک پر یقین محکم تو المشرقی پیدا کر رہا تھا۔ اس کا پیدا کیا ہوا اتحاد و تنظیم وغیرہ نہ تو لنلتھگو کو پسند تھا نہ ویول کو نہ ماؤنٹ بیٹن کو نہ ریجنالڈ مسکویل کو نہ رچرڈ ٹاٹنم کو۔" نہ چیمبرلین۔ چرچل اور اٹلی کو۔ نہ دہلی۔ کراچی۔ ندوہ۔ دیو بند اور پٹھانکوٹ کے اسلامی مفکروں کو۔ اور اگر مسلم قوم، لیگ اور اس کے ہمنوا اسلامی مفکروں کے جھانسے میں آ کر

جذبات کے دھارے میں نہ بہہ جاتی تو اس وقت بھی تمیز کر سکتی تھی کہ
حقیقت کہاں ہے۔ نری بناوٹ اور نرا پروپیگنڈہ کہاں ہے۔ یہ ایک قابل
غور بات ہے کہ اسلام کے نام پر ایک ملک حاصل کر لینے کے بعد بھی مسلم
لیگی حکومت اور اسلامی مفکروں کا اسلام کے متعلق کوئی متفق علیہ نقطہ نظر
نہیں تھا۔ حکومت نے تو قرار داد مقاصد پاس کر کے اسلام کی مناسب
خدمت کر دی کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اتنی ہی توفیق دی تھی۔ ظاہر ہے
کہ توفیق سے بڑھ کر کوئی کیا کر سکتا ہے جبکہ مفکرین اسلام میں سے بعض
تو کتب نویسی کے ذریعے اپنے اسلام کا فکر پختہ کرانے میں مشغول ہو گئے۔
بعض نے خانقاہی اسلام کو فروغ دینا شروع کر دیا۔ کچھ نے علیحدہ نصاب
تعلیم والا اسلام پیش نظر رکھ لیا۔ کسی نے کلمہ درست کرانا شروع کر دیا۔
کچھ نے دین ملا کی ترویج جاری کر دی۔ چند ایک نے جمہوریت کے ساتھ
اسلام کا ٹانکا لگا کر اسلامی جمہوریت کا پرچار شروع کر دیا۔ کسی نے اسلامی
آئین کی لٹھ سنبھال لی کسی نے نفاذ شریعت کو موضوع سخن بنا لیا کسی کو
اسلامی شورائیہ کی اصلاح سوجھ گئی۔ چند سال قبل گیارہ ستمبر کو وقت کے
ایک فیلسوف نے یہ مضحکہ خیز بڑ ہانکی ہے کہ وہ قائداعظم کو اسلام کی تعلیم
دیا کرتے تھے۔ گویا محترم قائداعظم کا اسلام کے متعلق اپنا کوئی نقطہ نظر
نہیں تھا۔ جو کسی اسلام نویس نے بتا دیا وہی پلے باندھ لیا۔ اس کے برعکس
خاکسار تحریک کے بانی اور قائد سے لے کر ایک عام خاکسار تک اسلام کے
متعلق سب کا ایک ہی فیصلہ کن نقطہ نظر تھا کہ اسلام ہر نوع کی ہر فرقہ
بازی۔ ہر شخصیت اور ہر اضافی نسبت سے قطع نظر صرف مسلم بن کر
وحدت امت کے تصور کو پیش نظر رکھنا۔ ایک امیر مطلق کی مکمل اطاعت

اور ایک نظام میں منسلک رہنا اور جان و مال کی تابڑ توڑ قربانیوں سے زمین پر غلبہ حاصل کرنا ہے۔

محسن الملک کی لیگ نے "مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ" کے نفسیاتی حربے سے مسلمانوں کو لیگ میں بھرتی تو کر لیا۔ لیکن انہیں نعرے لگانے۔ جلوس نکالنے۔ مٹھیاں بھینچ بھینچ کر تقریریں کرنے مخالفین کی پگڑی اچھالنے اور ہنگامہ آرائی کرنے کے سوا کچھ بھی نہ سکھایا۔ یہی وجہ ہے کہ لیگی کارکنوں بلکہ خود لیگی لیڈروں نے قومی زندگی میں اپنے ہاتھوں سے ایک تنکا تک دہرا کرنے کی مثال بھی قائم نہیں کی۔ جبکہ المشرقیؒ نے اپنے کارکنوں کے لیے ابتدا سے ہی ہاتھوں اور پیروں کا عمل تجویز کر دیا تھا۔ خدمت خلق ان کا معمول بنا دیا تھا۔ چنانچہ خاکساروں نے قوم اور افراد قوم کی بے پناہ خدمات سر انجام دیں۔ انہوں نے دم توڑتے ہوئے بے شمار زخمیوں اور مریضوں کو سیروں نہیں منوں کے حساب سے خون دیا انسانی جانیں بچانے کے لیے کنوؤں ' نہروں اور دریاؤں میں بیدھڑک چھلانگیں لگاتے رہے۔ بھڑکتی ہوئی آگ میں کود کر لوگوں کے جان و مال کو بچاتے رہے علیٰ ہذا آج اگر ان خدمات کا حساب لگائے تو وہ محسن الملک کی مسلم لیگ کے لیڈروں کی گزشتہ ۹۳ سال میں کی گئی تقریروں اور اس کے کارکنوں کے لگائے گئے نعروں سے کئی گنا زیادہ ہوں گی۔ اجتماعی طور پر خاکسار تحریک نے لواری حج کے سلسلے میں' قضیہ شہید گنج کے ایام میں۔ ریاست جے پور کی مسجد کی سیڑھیوں کے تنازعے پر' لکھنؤ میں مسلمانوں کے دو طبقوں میں فسادات کے دوران' قصہ خوانی بازار پشاور اور رنگون کی آتشزدگی کے موقع پر۔ بنگال کے تاریخی قحط اور بہار کے ہولناک قتل عام

میں متعدد کارکنوں کی قربانی دے کر خدمت' دیانت اور امانت کے بے مثال
نشان قائم کئے ہیں۔ خاکسار کارکن ایک طرف سرفروشی اور جذبہ جہاد کی
اس انتہا پر تھے کہ ۱۹ مارچ ۱۹۴۰ء کو انہوں نے بورن۔ بیٹی۔ گینسفورڈ وغیرہ
کو جلیانوالہ باغ کے فاتح جنرل ڈائر کی طرح قہقہے لگانے کا موقع ہی نہ دیا
دوسری طرف ان کی شریف النفسی کی یہ انتہا تھی کہ کشمیر سے راس کماری
تک لاکھوں خاکساروں کے متحرک رہنے کے باوجود ہلڑ بازی' غنڈہ گردی اور
توڑ پھوڑ کا ایک واقعہ بطور الزام بھی ان سے منسوب نہیں۔

ان واقعات گزشتہ کو دہرانے سے مقصود یہ ہے کہ اہل پاکستان ایک
بامقصد اصلاحی تحریک اور ایک بے مقصد سیاسی پارٹی کے درمیان نمایاں فرق
کو دیکھ سکیں۔ وہ جان سکیں کہ سیاسی پارٹیاں حالات کی پیداوار ہوتی ہیں۔
ہوا کا رخ دیکھ کر چلتی ہیں۔ محض اقتدار ان کا منشا ہوتا ہے۔ ان کے تمام
دل خوش و عادی الیکشن سٹنٹ ہوتے ہیں۔ انہیں اسلام۔ جمہوریت۔
شریعت اور سوشلزم سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا اور ان کی تمام لن ترانیاں کہ
ہم اسلامی نظام لے آئیں گے۔ ہم نفاذ شریعت کر دیں گے۔ ہم سوشلزم
لے آئیں گے۔ نرا دھوکا اور نرا سیاسی فراڈ ہوتا ہے۔ ادارہ معارف یہی
بات قوم کے صاحب شعور لوگوں پر واضح کرنا چاہتا ہے اور ان سے استدعا
کرتا ہے کہ وہ پچاس سالہ تجربے کے بعد بھی فکر مغرب اور دانش فرنگ کو
ہی صحیح اور درست کہتے نہ چلے جائیں تصور اسلام اور دانش مشرق کو پیش
نظر رکھ کر تجزیہ کریں کہ دانش فرنگ کے زیر اثر مسلم لیگ کی ستر سالہ
سیاسی کارگزاری کے نتائج مسلمان برصغیر کے حق میں کس قدر تباہ کن
ہوئے اور اس نے خاکسار تحریک جیسی بامقصد اور نتیجہ خیز حرکت کا راستہ

کاٹ کر قوم کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ قوم کے پڑھے لکھے جوان روس، جرمنی، چین اور کوریا وغیرہ کی عہد ساز تنظیموں کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ قوموں کے معمار انحطاط پذیر قوموں کے لیے کیا اصول اور ضابطے تجویز کرتے اور کس حسن تدبر سے انہیں رائج کرتے ہیں۔ کن خطوط پر رضاکارانہ نظام کا قیام عمل میں لاتے ہیں اور کس انتہا پر اس کے مثبت نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔

اور پھر مسلم لیگ کی وجہ قیام اس کی چالیس سالہ سیاسی زندگی اس کا مطالبہ پاکستان کے لیے قوم کو سکھایا ہوا طرز عمل اس کی ملک گیر فسادات اور ہندو مسلم خانہ جنگی کی ذمے داری قبول کرنے سے پہلوتہی۔ اس کی تقسیم ہند کے مرحلے پر بے بسی۔ اس کی انتقال آبادی کے موقع پر ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم والی لاچاری پھر سیفٹی ایکٹ، سیفٹی آرڈی نینس اور فرنٹیئر کرائمز ریگولیشن ایکٹ کے سائے میں لیگی حکومتوں کی خوش فعل نیز دین اسلام کے کاغذوں پر خاکے بنا بنا کر بیچنے والے فنکاروں، ذہن بدلنے والے ادیبوں، قرآن حکیم اور ہماری زندگی کے عنوان سے تقریریں نشر کرنے والے الاٹمنٹی ملاؤں اور نفاذ شریعت کے مطالبے کرنے والی سیاسی فیکٹریوں کی پروڈکشن کا اندازہ کریں غور کریں کہ تقسیم ہند سے قبل قوم کے اندر جو خرابیاں موجود تھیں وہ آج اگر کئی گنا زیادہ ہو چکی ہیں اور جو خوبیاں موجود تھیں وہ قطعی مفقود ہو چکی ہیں تو اس کی وجہ مغربی انداز فکر کی نقالی ہے۔ لہٰذا دانش مشرق اور افکار اسلام کے داعی حضرت علامہ المشرقی ؒ کے نظریات ان کے اصلاحی منصوبے کی افادیت اور ان کے بامقصد ہونے کا اعتراف بہرطور ضروری ہے اس اعتراف کی ہمہ گیر پکار میں ہی ملک و

قوم کی نجات کا راز مضمر ہے۔

مصلح اقتدار سے قبل اکثر خرابیاں دور کر لیتا ہے

آج رشوت، سمگلنگ، دہشت گردی، تخریب کاری، اسمگلنگ، منشیات فروشی، اور بلیک کا دھندہ بغیر کسی جواز کے پیدا نہیں ہوا نہ بغیر جواز کے جاری رہ سکتا ہے تاہم اگر یہ کامیابی سے جاری رہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ معاشرے میں عزت کا معیار کسی عمل اور کسی کارکردگی کو نہیں بلکہ دولت کو قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا اس معیار کو قائم و برقرار رکھنے کے لیے جائز و ناجائز میں تمیز کی ضرورت نہیں روپے کی ضرورت ہے وہ جیسے بھی حاصل ہو المشرقیؒ نے ابتدا میں ہی اس بیماری کا سدباب کر دیا تھا۔ انہوں نے اوپر سے نیچے تک سب کو ایک جیسا خاکی لباس پہنا کر اور ہر ادنیٰ اور اعلیٰ کے کندھے پر بیلچے کا شرمندہ کن ہتھیار رکھ کر سب کو چھ پیسے فی کس کے حساب سے کھانا کھانے کی ترغیب دے کر سب کو نرم نرم بستروں کی بجائے کیمپوں میں زمین پر سونے کی تربیت دے کر اور سب کے لئے عمل کا ایک معیار مقرر کر کے سٹیٹس کی بک بک کو سرے سے ہی ختم کر دیا تھا۔ یہی حکمت عملی ماؤ نے اختیار کر کے پچاس کروڑ کی چینی قوم کو ایک ہی طرز کا سادہ لباس پہنا کر سٹیٹس کی دوڑ ختم کر دی ہے۔ آج رسمی طور پر عوامی لباس محض نقل ہے کسی منصوبے کے کلیات کا جز نہیں اصلیت اور حقیقت نہیں لہٰذا قطعی بے نتیجہ ہے۔ اور ہوگا۔ آج ملک میں نصف لاکھ کے قریب ذہین اور فطین لوگ جو لا محالہ قوم کا فعال عنصر بننے بلکہ قیادت کی صلاحیت سے معمور ہیں پیشہ وکالت سے منسلک ہو کر عضو معطل بن کر

رہ گئے ہیں۔ عملی زندگی میں ان کا اہم کردار ہوتا تو کجا ان کے پیشے کے لحاظ سے انصاف اور عدل بھی ناپید ہے۔ چھوٹے چھوٹے اور گھریلو معاملات کے تصفیے کے لئے عدالتوں کی طرف رجوع اور وکلاء کی خدمات حاصل کرنے کے باوجود سالہا سال تک مقدموں کی طوالت کا سلسلہ بہت بڑے معاشرتی بگاڑ کا باعث ہے۔ اور پھر جب چھوٹے چھوٹے مقدمات بھی' کوائف جھوٹے' گواہ جھوٹے' دلائل جھوٹے ہوں۔ علیٰ ہذا جھوٹا انصاف۔ "المشرقی" نے اس روگ کا علاج محلّہ وار یا علاقہ وار تنظیم پیدا کر کے کر دیا تھا۔ محلے اور علاقے کے سالار کو اس قدر بااختیار بنا دیا کہ معمولی جھگڑے اول تو پیدا ہی نہیں ہوتے تھے اور اگر سوئے اتفاق سے کوئی الجھاؤ پیدا ہو بھی گیا۔ تو سالار کے حکم پر فوراً ختم ہو کر رہ گیا نیز جب لوگ بے لگام ہی نہ رہے ایک تنظیم میں جکڑ دیئے گئے اور جب وجہ فساد ہی ختم کر دی گئی تو معاشرے میں بڑی حد تک سکون پیدا ہو گیا۔ آج امن عامہ کی مخدوش صورت احوال اور گلیوں محلوں بازاروں اور سڑکوں پر غنڈہ گردی' دہشت گردی قتل و غارت کی لپیٹ میں ہونا حکومت اور عوام دونوں کے لیے وجہ پریشانی بنا ہوا ہے عوامی حکومت کے نمائندوں کی گلی گلی میں موجودگی کے باوجود امن عامہ کی صورت ابتر ہے تو اس کی بنیادی وجہ عدم اصلاح اور فقدان تنظیم ہے اصلاح و تنظیم' کرایہ کے کارکنوں یا لالچ کے زیر اثر پیدا نہیں ہوتی خالصتاً" رضاکارانہ بنیاد پر پیدا کی جاتی ہے۔ چین کی مثال بار بار سامنے آتی ہے جہاں سالوں کی محنت و تربیت کے بعد لانگ مارچ کی کسوٹی پر پورے اترنے والے کارکنوں نے چینی معاشرے میں پھول ہی پھول اگا دیئے۔

مفت کی عظمت آج بڑی درد مندی کے ساتھ قومی معیشت کے استحکام کے لیے محنت اور کام کرنے کی اپیلیں کی جاتی ہیں۔ ارشادات قائد کے نام سے ریڈیو ٹیلی ویژن پر کام کام اور کام کا مقولہ بھی پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن حالت یہ ہے کہ آج ایک اوسط کاشتکار کا لڑکا محنت کو عار سمجھتا ہے وہ کدال ہاتھ میں پکڑنے یا ہل چلا کر اناج اگانے کی بجائے کسی دفتر کا بابو بننے کو ترجیح دیتا ہے۔ معمولی پڑھے لکھے نوجوان بھی کھیتوں میں آلو پیاز اگا کر ہزاروں روپیہ کمانے کی بجائے کسی سرکاری یا غیر سرکاری دفتروں میں چند سو روپے کا کلرک بننا پسند کرتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ معاشرے میں محنت کش کی کوئی عزت نہیں البتہ بابو کی عزت ہے آج مزدور مزدور ہونے کے باوجود بابو بننے کی دوڑ میں پیش پیش ہے وہ محنت کی عظمت کا قائل نہیں اسے محنت کی کوئی تربیت نہیں ہے اسے حالات نے مزدور بنا دیا ہے مگر مزدور بن کر محنت کرنا اور مزدور کہلانا اسے قطعی پسند نہیں اس غلامانہ ذہنیت کو ختم کرنے کے لیے المشرقیؔ نے ہر چھوٹے بڑے کے ہاتھ میں بیلچہ پکڑا دیا تھا انہوں نے بیلچے سے نالیاں صاف کروائیں بند بندھوائے۔ رستے ہموار کروائے۔ قبریں کھدوائیں۔ غلاظت اٹھوائی تاکہ وہ ہاتھوں سے کام کرنے کے عادی بن جائیں اور محنت کو عار نہ سمجھیں۔ یہی صورت دنیا کے ہر معمار قوم نے اپنی اپنی قوموں میں پیدا کی اور متعلقہ افراد کو محنت کا احساس دلایا ان سے محنت کروائی اور انہیں بام عروج پر پہنچایا۔ انگریزوں کی وہ نسل جو ایک وقت میں ساری دنیا پر غالب آگئی مزدوروں، سپاہیوں اور ملاحوں پر مشتمل تھی۔ آئندہ نسلیں فنون لطیفہ کی شوقین اور تہذیب یافتہ بن کر جوں جوں محنت کو ثانوی حیثیت دیتی گئیں توں توں برطانیہ سمٹتا چلا

گیا۔ آج برطانیہ میں لاکھوں غیر ملکی مزدوروں کا وجود اس امر کی دلیل ہے کہ انگریز محنت سے جی چرا رہا ہے ہمارے رہنما پتہ نہیں دانشوری اور راہنمائی کی سند کہاں سے لے آئے تھے جبکہ ان کی کہی ہوئی ہر بات غلط ثابت ہوئی ان کی ہر تدبیر چوپٹ گئی۔ آزادی لی تو مسلمانوں کی آدھی قوم بطور یرغمال دشمن کے حوالے کر دی لاکھوں کو کٹوا دیا کروڑوں کو خانماں برباد کر لیا۔ اسلام کا نام لیا تو اسلام کا تیا پانچہ کر ڈالا۔ خیر سے حکومت کی کرسی پر بیٹھے تو بنی بنائی ایڈمنسٹریشن کے بخیے ادھیڑ دیئے الیکشن شروع کئے تو قوم کی بستیوں میں دائمی نفاق وعداوت کا بیج بکھیر دیا۔ جمہوریت کی طرف متوجہ ہوئے تو اسمبلی میں سپیکروں کو قتل کر دیا انقلاب کا نعرہ لگایا تو ہے جمالو کا بازار گرم کر دیا۔ مسلمان ملکوں کو اکٹھا کرنے کا شوق چرایا تو اپنے ملک کو دو ٹکڑے کر دیا۔ الغرض کہاں تک گنوایا جائے کم از کم آج کے لال بجھکڑ مفکر بتائیں تو سہی کہ ان کے ممدوعین کو رہنمائی کی سند کہاں سے ملی تھی۔ اور ان کی رہنمائی کا حاصل کیا ہے اور ابھی ان کی مدح سرائی میں مزید کتنی کسر باقی ہے جس کے بعد ملک سے نفاق اور انتشار' لاقانونیت اور بے حیائی خود بخود رخصت ہو جائے گی۔ بہرکیف فکر مشرقیؒ کو ناقص اور دانش فرنگ کی نقالی کو عین اسلام کہنے پر اصرار کرنے والے ادیب و مفکر مت بھولیں کہ فطرت نہ تو غافل ہے نہ اس کی ڈھیل کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کی دسترس سے باہر ہیں دس بیس کروڑ انسانوں کو شر الا وسواس الخناس کے ذریعے غلط راہ پر ڈال کر ان کا استحصال کیا جا سکتا ہے انہیں ایک استبدادی نظام میں جکڑ کر ان کی عزت و آبرو سے کھیلا جا سکتا ہے ان کی نسلوں کو ماؤں کی گود میں قتل کیا جا سکتا ہے لیکن فطرت خود خیر الماکرین

ہے وہ مکر لوٹا دینے پر قادر ہے۔ ملک کا ہوشمند طبقہ بھی تاریخ کے اس اٹل فیصلے کو نظر انداز کرنے کی کوشش نہ کرے جس کی رو سے قوموں کے مقدر کتابوں، تحریروں، شعروں، تقریروں نیز جلسے جلوسوں اور الیکشنوں کے ہنگاموں سے نہیں بدلتے۔ جہد مسلسل سے بدلتے ہیں۔ نظم و ضبط سے بدلتے ہیں۔ ایثار و قربانی سے بدلتے ہیں۔ خون اور پسینے سے بدلتے ہیں۔ ادارہ معارف المشرقیؒ کے۔ ٹو کی بلندی سے پکارنے کے لیے تیار ہے کہ قوم کے بنیادی مسائل عدم اصلاح اور فقدان تنظیم ہیں۔ اصلاح و تنظیم کی طرف توجہ کیجئے مروجہ سیاسی کھیل کو ختم کیجئے۔ راتوں رات کچھ ہو جانے کے فلسفے کو ترک کر دیجئے۔ بقائے ملک و ملت اور احیائے اسلام کے لیے عظیم مشرقیؒ کے افکار پر از سر نو غور کیجئے۔ لیکن اگر آپ بدستور سیاستدانوں کا آلہ کار بنے رہے اپنی رسمی حاضری سے سیاسی طالع آزماؤں کے جلسے جلوس سجا کر انھیں اپنے اعصاب پر سوار کیے رہے۔ اہل قلم افسانہ نویسی کے شغل میں نیز کسان زمیندار سے اور کاریگر صنعت کار سے ہی الجھتے رہے تو آپ اس بات کو لکھ لیں کہ دو قومی نظریے کے عفریت کو ہنگامی قومیت ہڑپ کرنے کے بعد مزید چار قومیتیں ایسی نظر آ رہی ہیں۔ جن کی زبان تہذیب۔ تمدن۔ کلچر۔ ادب۔ ثقافت۔ لباس رسومات روایات لوک گیت لوک کہانیاں اور جغرافیائی حالات بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں

○ ابو العزیز فضل الٰہی

○ رشید احمد ملک (ایڈووکیٹ)

(ادارہ معارف المشرقیؒ)

چودہ سو برس میں یقینی طور پر پہلی دفعہ قرآن حکیم کی دل کو پوری تسلی دینے والی تشریح

جس کے مطالعہ کے بعد انسان محو حیرت ہو جاتا ہے کہ

● قرآن کا بنی نوع انسان کے نام کیا زندہ کر دینے والا پیغام تھا
جو صدیوں تک اوجھل رہا!
جس کی طرف مدینہ کے مٹھی بھر رسول خدا ﷺ کے ساتھی تھوڑا بہت سمجھ کر اٹھے
اور صرف دس برس میں تمام عرب پر ایسے چھا گئے کہ
اس چھا جانے کا بے پناہ زور تین سو برس تک قائم رہا
تین سو برس میں مسلمانوں نے اس زور سے تین براعظموں پر مکمل غلبہ حاصل کیا۔

ایشیا افریقہ اور یورپ میں تہلکہ مچ گیا!!!

فرانس اور سپین سے چین تک اور راس امید اور لنکا سے روس اور ناروے تک چاروں طرف مسلمان پھیلے اور قریب تھا کہ روئے زمین پر صرف دین فطرت کا ڈنکا بجے !!!

اس تسلی دینے والی تشریح کو نوع انسان پر اتمام حجت کرنے کے لیے دنیائے علم و خبر کے مفکر اعظم حضرت علامہ مشرقی نے۔

تکملہ ۔۔۔ (اول دوم)

کے نام سے انسان کے سامنے اردو زبان میں پیش کر دیا ہے اور
صلائے عام ہے کہ
انسان اس سے فائدہ اٹھا کر کروڑوں اور اربوں میل دور تک پھیل جائے تاکہ
مقصد پیدائش کائنات پورا ہو

نظریات المشرقیؒ

اسلامی سیاست کا منتہا عالمگیر سیاست ہے

اس لیے سیاست کی قیادت موقع پرست سیاست دانوں کی بجائے حقیقت پرست سائنس دانوں کے پاس ہونی چاہیے

○ روئے زمین پر حکم یعنی حکومت کی علم سے پیوستگی نہ صرف یہ کہ دنیا کی تمام قوموں کو مشترک ترقی اور تقدم کی کشادہ راہوں پر لازماً لگا دے گی اور ساکنان زمین کو آپس کی کشمکش کی الجھنوں سے نکال کر اس صراط مستقیم پر لے جائے گی۔ جس پر چل کر علم کا عام طور پر بول بالا ہوگا۔ بلکہ یقین ہوتا ہے کہ روئے زمین پر عالم کی عام حکومت کروڑ در کروڑ انسانوں کے سمع و بصر کو بھی صحیفہ فطرت کی طرف متوجہ کر دے گی۔ اور عالم حکمران کا اولین مقصد یہ ہوگا کہ انسانوں کو آپس میں قتل کروانے اور زمین کی آبادی کم کرنے کی بجائے زیادہ سے زیادہ انسانوں کا شغف صحیفہ فطرت سے کر دیا جائے۔ تاکہ فطرت کے زیادہ سے زیادہ راز جلد از جلد کھل سکیں۔ باہمی اخوت اور مسامحت سے زمین کی آبادی بے اندازہ طور پر بڑھا دی جائے تاکہ باشندگان زمین میں آسمانوں کی نئی زمینوں پر قبضہ کرنے کی اجباری خواہش پیدا ہو۔ عالم فطرت ہی سمجھ سکتا ہے کہ روئے زمین پر کسی ایک چھوٹی سی قوم کا قبضہ باقی تمام اقوام کو چند قرنوں میں نیست و نابود کر دے گا۔ وہ ذہنی نقصان جو سیاسی طور پر کمزور قوموں کو نیست و نابود کرنے

سے روئے زمین پر پیدا ہوگا۔ بنی نوع انسان کا مجموعی نقصان ہوگا۔ اس نقصان سے صحیفہ فطرت (کائنات) کی تلاش کا کام ماند پڑ جائے گا۔ زمین کو تنگ گزرانی کے باعث چھوڑ کر آسمان کے ارب در ارب کروں تک جانے کی ہوس ختم ہو جائے گی نہیں بلکہ غلبہ کے بعد بنی نوع انسان کے ایک چھوٹے سے حصے میں یہ اعضائی جمود نسل انسانی کے ارتقاء کے راستے میں سنگ گراں ثابت ہو کر رہے گا۔

علم کی بنی نوع انسان پر لازوال بخششوں کو چند در چند روپوں کے عوض خرید کر عالموں کو سیاسی درندوں کا غلام بنا دینا علم کی صریح توہین ہے۔ علم کی حکومت ہی بنی نوع انسان کو اس راہ پر لے جا سکتی ہے جس پر چل کر انسان بحیثیت مجموعی صحیفہ فطرت کے عظیم الشان راز کو کھولنے کے لیے بین الاقوامی اور اجتماعی جدوجہد کر سکتا ہے۔ انسانوں کے قتل کرنے کے اوزار ایجاد کرنے کی بجائے صحیفہ فطرت سے جنگ کرنے کے ہتھیار بنا سکتا ہے۔ گھومنے والی مشینیں بنانے کی بجائے جو انسان کو ایک انچ فطرت کی روح کی طرف نہیں لے جاتیں۔ جن کا واحد مقصد نفع اندوزی اور فراہمی سرمایہ ہے جن کی بنیاد یونان کے تین ارضی بتوں یعنی نقطہ خط مستقیم اور دائرہ پر ہے۔ اور جو زمین سے چند میل اوپر "روح" کی آسمانی فضا میں جا کر بیکار ہو جاتی ہے ان زندہ اشیاء کا خالق بنا سکتا ہے جو انسان کو خدا سے قریب تر کرنے میں مدد دیں۔ فاطر زمین و آسمان کے نئے اوصاف نسل انسانی میں

پیدا کریں۔ موجودہ ناقص علم سے ہٹا کر جس کی پیائش۔ مساحت شمار اور حساب کی تمام اکائیاں غیر فطری ہیں جو ہزارہا سال کی تحقیق و تدقیق کے باوجود اب تک یہ دریافت نہیں کر سکا کہ زندگی کیا شے ہے جو یہ عظیم الشان عمل بھی نہیں سمجھ سکا کہ ایک ہی قسم کے خلیوں کے اجتماع و استعمار کیونکر اور کس طرح کے تعاون سے کسی جاندار کے بدن کے مختلف حصوں میں بیک وقت دل۔ جگر۔ دماغ، آنکھ اور کان بن جانے کی کیفیت پیدا کر سکتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ علم کے متعلق فکر و تخیل کی وہ نئی راہیں کھول سکتا ہے جو نئے ولولے سے صحیفہ فطرت کو مسخر کر سکیں۔ اور انسان کو آج کل کی تخریبی ڈگر سے ہٹا کر کسی بالکل نئی ڈگر پر چلا دیں۔

○ حدیث القرآن۔۔ نومبر ۱۹۵۴ء

افکار المشرقیؒ

(۱) المشرقیؒ کی سیاسی بصیرت متحدہ ہندوستان کے کانگریسی اور مسلم لیگ کے راہنماؤں سے ارفع اور اعلیٰ ترین تھی۔

(۲) المشرقیؒ کی سیاست آفاقی تھی لیکن دوسرے لیڈروں کی فارمولا سیاست تھی۔

(۳) المشرقیؒ کا افق نظر شرف انسانیت کی طرف لا منتہا تھا۔ لیکن دوسرے لیڈروں کا افق نظر تنگ۔ سطحی اور گروہی مفاد اور ہوس اقتدار تک محدود تھا۔

(۴) المشرقیؒ نہ صرف متحدہ ہندوستان بلکہ عالمی سطح پر متحدہ قومیت کے حامی، پرچارک اور مبلغ تھے۔

(۵) المشرقیؒ ڈیموکریسی کو موجودہ سیاست کی سب سے بڑی کمزوری یقین کرتے تھے۔

"ہندوؤ۔ مسلمانو! اور دوسرے بھائیو! تم چالیس کروڑ انسان ایک ملک میں جمع ہو۔ وہ ملک دنیا کا بڑا آباد اور زرخیز ملک ہے اس ملک پر قبضہ کرنے کے لیے کم و بیش تین سو سال سے مغربی قومیں کشمکش کر رہی ہیں اس ہندوستان پر قبضہ کے سلسلہ میں انگریز اور دوسری مغربی قوموں کا تسلط اور غلبہ تمام براعظم ایشیا پر ہوا۔ پانچ ہزار برس کی انسانی تاریخ میں پہلی دفعہ مغربی قوموں نے مشرقی قوموں کو اپنے زیر فرمان کیا۔ ان پر مغربی تہذیب۔ مغربی تمدن۔ مغربی کلچر کا اثر ڈال کر ہندوستان اور ایشیاء کی حیثیت کو غلامانہ بنا دیا۔ اس ایشیاء اور ہندوستان پر غلبہ کی وجہ سے مغربی قوموں نے دنیا کے باقی حصوں مثلاً افریقہ۔ آسٹریلیا اور امریکہ پر قبضہ کیا۔ اس دنیا کی حکومت میں ایک فیصلہ کن حیثیت حاصل کرنے اور ہندوستان پر قبضہ کرنے کے لیے پچھلے تیس پینتیس برس کے اندر اندر دو بڑی اور عالمگیر جنگیں ہوئیں جن میں ایک طرف دنیا کی حکومت کی حصہ دار سلطنتیں (Haves) اور دوسری طرف دنیا کی حکومت کی بے نصیب سلطنتیں (Havenot) مقابل میں تھیں ------ انسان کی پانچ ہزار سال کی تاریخ کے بعد قضا و قدر کے محکمے سے جو فیصلہ ہوا ہے یہ ہے کہ دنیا کا صالح ترین حصہ یورپ میں ہے اور ان میں سے صرف ان تین قوموں کے ہاتھوں میں دنیا کی حکومت ہونی چاہیے۔ لیکن اس دنیا کی باگ ڈور سنبھالنے

کا قصہ ہندوستان پر قبضہ ہی سے پیدا ہوا اور ہندوستان پر قبضہ کرنا ہی دنیا کے تمام پالیٹکس کا محور ہے۔ اس ملک کے انتہائی طور پر زرخیز ہونے کے باعث تاجرانہ شہنشاہیت (Trade Imperialism) کا آغاز ہوا شہنشاہیت کو تجارت کی غرض سے قائم رکھنے اور تجارت کو شہنشاہیت کی غرض سے فروغ دینے کا مسئلہ شروع ہوا غلام قوموں کے ملکوں سے کچا مال اور کھانے کی چیزیں درآمد کر کے ان کو بھوکا مارنا اور آپ آسودہ ہونا۔ اور بھوک پیدا کر کے ان کو غلام اور محتاج اور ماتحت رکھنے کی تھیوری بنی ------ الغرض ہندوستان پر قبضہ کرنے کے بعد اسلامی سلطنتیں کس جلدی سے مٹتی چلی گئیں۔ کس تیزی سے ایشیا کی راہنمائی (Leader ship) دنیا میں ختم ہوئی۔ یہ تاریخ کا ایک حصہ ہے۔ اس سے پہلے دنیا میں تاجرانہ شاہنشاہیت ہرگز نہ تھی۔ آریہ لوگوں نے ہندوستان پر کئی ہزار برس قبضہ کر رکھا تھا۔ لیکن ہندوستان کو ہی اپنا وطن بنا لیا۔ مسلمانوں نے ہندوستان کو ایک ہزار سال تک سنبھالا۔ لیکن یہیں کے ہو رہے۔ یہ اس طرح کی شاہنشاہیت ہرگز نہ تھی جو آج کل ہے۔ یہ شہنشاہیت راعی اور رعایا دونوں کے فائدے کے لیے تھی اور بادشاہ اور رعیت راجا اور پرجا دونوں کا گزارہ ہو سکتا تھا۔ لیکن آج کل کی شاہنشاہیت یہ ہے کہ مغلوب قوم کو بھوکوں مار کر "بے بس" اس کے راہنماؤں کو مغربی تہذیب میں رنگ کر "بے حس" اس کی سپاہیانہ قوتوں کو کرایہ پر لے کر "بیکار" اس کی تجارت اور صنعت پر قبضہ کر کے "مفید مطلب" اس کی سیاست کو فرقہ وارانہ سیاست بنا کر "بے اثر اور کمزور" اور اس کے ذہنوں کو مفلوج کر کے "پست" اس کی ذہنیت کو غلامانہ' اس کے افق نظر کو تنگ' اس کے

علم کو کتابی اور اسکولی اور غیر عملی۔ اس کی خواہشوں اور امنگوں کو طفلانہ
الغرض مغلوب قوم کی تمام ابھارنے والی خاصیتوں کو بیکار کر کے اس کو
شہنشاہیت کے مطلب کے لیے مفید بنایا جائے۔ اور کوئی صورت پیدا نہ ہو
سکے جس سے وہ غلام قوم یورپ کے پھندے سے آزاد ہو سکے۔"

○ حضرت علامہ مشرقیؒ ☆ خطاب موری دروازہ لاہور ○ ۱۶ اگست ۱۹۳۶ء

انگریزوں کا ہندوستانیوں کو کہنا کہ جون ۱۹۴۸ء میں ہم حکومت ہندوستانیوں کو

سپرد کر کے چپ چاپ ہندوستان سے چلے جائیں گے۔
تمہاری آزادی کو ہمیشہ کے لئے چھیننے اور تمہیں ہمیشہ کے لیے
غلام بنانے کی گہری چال ہے۔ یاد رکھو کہ اس خوبصورت اعلان
میں جو ۲۰ فروری کو ہوا ہے۔ انگریزوں کی مکمل بدنیتی یہ ہے کہ
تمام ہندوستان میں فرقہ وارانہ فساد کی آگ لگ جائے۔ جو بجھائے
نہ بجھے۔ یاد رکھو کوئی جماعت جس نے انگریز سے بزور شمشیر یا
بنوک سنگین آزادی نہ چھینی اور صرف دوستی اور مسکراہٹ سے
انگریزوں سے چند کرسیاں حاصل کیں۔ ہندوستان کو کسی معنوں
میں آزادی نہیں دلا سکتی۔

حضرت علامہ مشرقیؒ ☆ خطاب بانکی پور میدان پٹنہ ☆ ۱۰ مئی
۱۹۴۷ء

عوام کے سچے اتحاد سے جو انقلاب آئے گا وہی ہندوستان کو آزادی دلا سکتا ہے اور وہی

برٹش گورنمنٹ کے رسم و رواج کو تبدیل کر سکتا ہے۔ جس نے چالیس کروڑ انسانوں کو حکومت سے برگشتہ کر دیا ہے ایسا انقلاب برطانوی سامراج کے ہر نقش کو مٹا دے گا۔ اور ہندوستانی ساخت کے راج کا راستہ صاف کر دے گا امن سے انتقال اختیارات ان لوگوں کو جن کے دماغ کی تربیت برطانیہ نے کی ہو۔ بدترین قسم کے برٹش راج کے نعم البدل کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔

یہ راج

برٹش راج سے دس گنا زیادہ ظالمانہ' غیر منظم' بھیانک' انتہائی سرمایہ دارانہ غیر ہندوستانی بلکہ برٹش راج سے بھی بدترین ہوگا ——————
ہندوستان کی عنان حکومت ایک یا ایک سے زیادہ سیاسی پارٹیوں کو سونپنا بدترین شہنشاہی۔ بدترین سرمایہ داری بدترین' ہلاکو ازم ہوگا۔

جو اب تک تاریخ میں رونما نہیں ہوا

یہ راج فی الحقیقت برٹش راج کے بغیر برٹش راج کی علمبرداری میں ہوگا۔ جو زمین پر دوزخ کا نمونہ پیش کرے گا۔ جس سے ایشیائی تہذیب تباہ و برباد ہو کر رہ جائے گی ——— انتقال

اختیارات کی موجودہ تجویز میرے نزدیک برہمن راج یا خان بہادر راج کی بے رحم حکومت قائم کرنے کی ایک شیطانی چال ہے جو انسانیت پر غرور، دولت اور ظلم کا راج قائم کرے گی۔

○ حضرت علامہ مشرقیؒ ☆ خطاب بانکی پور میدان پٹنہ ☆ ۱۰ مئی ۱۹۴۷ء

تصریحات ادارہ

اوپر کے اقتباسات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علامہ المشرقیؒ

کی سیاسی بصیرت کس قدر حیرت انگیز تھی۔ انہیں نہ صرف سیاسیات ہند بلکہ عالمی سیاست پر غیر معمولی عبور حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے انگریز کی شاطرانہ چالوں کا تجزیہ کرتے ہوئے وقتاً فوقتاً جو کچھ بھی کہا وہ حرف بحرف درست ثابت ہوا اور اسی طرح ہوا جس طرح انہوں نے کہا تھا۔ آنے والے واقعات و حالات نے ان کے منہ سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ کی تصدیق کرتے ہوئے یہ ثابت کیا کہ علوم قدیم و جدید کا یہ فاتح سیاسیات پر بھی ایک اتھارٹی تھا۔ جب کہ اس ملک کے جملہ سیاسی لیڈر شروع سے آخر تک اس ملک میں انگریزوں کی گوراشاہی کو چلانے کا ذریعہ بنے رہے۔ سیاست سے بے خبر ہونے کے باعث انگریز کا آلہ کار بنے رہے۔ اس بے شعوری سے انگریز کے کاز کو تقویت اور قوم کو نقصان پہنچاتے رہے۔ مکار انگریز ان کی سیاستدانی کا ڈھنڈورا پیٹ کر انہیں اچھالتا رہا۔ انہیں اچھال کر اپنا الو سیدھا کرتا رہا اور یہ انگریز کے بنے ہوئے سیاسی تانے بانے کی تاروں میں الجھ کر وہی کچھ کرتے گئے جو پھر انگریز کے ہی

مفید مطلب تھا۔

متحدہ ہندوستان کی دو بڑی سیاسی پارٹیاں انڈین نیشنل کانگریس اور مسلم لیگ بالواسطہ

انگریز کے وضع کردہ سیاسی تصور کی پیداوار تھیں۔ جو اس کی خواہش و منشاء کے مطابق ملک میں فرقہ وارانہ کشیدگی اور یہاں کی دو بڑی قوموں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان بداعتمادی اور نفرت پیدا کرتی چلی گئیں۔ مسلم لیگ تو محسن الملک کی اینگلو محمڈن ٹیم نے مرتب ہی اس لیے کی تھی کہ ہندو مسلم دشمنی کی سیاست چلا کر اپنے آقاؤں کے ہاتھ مضبوط کرے۔ اسی طرح کانگریس کے چوٹی کے رہنما بھی سیاست سے قطعی نابلد ثابت ہوئے۔

یہ لوگ اگر معمولی سی سیاسی سوجھ بوجھ کے مالک یا دنیا کی سیاسی تاریخ کا تھوڑا سا مطالعہ بھی رکھتے تو ہندوستانی قومیت کا وہ تصور کبھی مٹنے نہ دیتے جو گزشتہ ایک ہزار سال سے انگریزوں کی آمد تک اس ملک میں مسلمان حکمرانوں نے قائم کر رکھا تھا۔ اس تصور کو ہرگز نہ مٹنے دیتے۔ جو ترک۔ افغان اور مغل سیاستدانوں نے یہاں پیدا کر کے ہندوستان کو امن و امان کا گہوارہ اور جنت نشان بنائے رکھا۔ وہی رواداراتہ فلسفہ پیش نظر رکھتے جو رامانج۔ کبیر۔ خواجہ معین الدین' نانک اور فرید جیسے ہوشمند انسانوں نے سامنے رکھ کر یہاں مسجد اور مندر ساتھ ساتھ بنوائے۔ وہی احساس ہمسائیگی وہی احساس یگانگت اور وہی احساس قومیت والی سیاست بھر

طور قائم رکھتے جس کے تحت ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں متحدہ ہند کی تمام قومیتوں نے بہادر شاہ ظفر کے جھنڈے تلے جمع ہو کر ولی عہد سلطنت شہزادہ مرزا مغل کی قیادت میں غیر ملکی غاصبین سے تلوار کی لڑائی لڑی۔ مگر کانگریس کے راہنما نہ تو متذکرہ تصور و احساس کو کسی طور قائم رکھ سکے نہ نیشنل کانگریس کو فرقہ وارانہ پارٹی بننے سے روک سکے۔ نہ ہی وہ قوم کے سامنے کوئی مثبت سیاسی نظریہ پیش کر سکے نہ حصول آزادی کا کوئی بامقصد لائحہ عمل ترتیب دے سکے۔

مسٹر گوکھلے۔ بال گنگا دھر تلک۔ پنڈت موتی لعل نہرو۔ پٹابھی۔ سیتا رامیہ۔ لالہ لاجپت رائے اور موہن داس کرم چند گاندھی اپنے طور پر مخلص ہی سہی۔ لیکن ودیا سندر سکیم اور بندے ماترم کا ترانہ ان لوگوں کے سیاسی دیوالیہ پن کا بین ثبوت ہے۔

عزت مآب حکیم اجمل خان اور ڈاکٹر مختار احمد انصاری کی رفاقت بھی نیشنل کانگریس کو ہندو کانگریس بننے سے نہ روک سکی۔ وہ متحدہ قومیت کا رواداری تصور قائم کر کے انگریز اور محسن الملک کی مسلم لیگ کو بساط سیاست پر شہ مات دینے کی بجائے خود مات کھا گئی۔ نتیجتاً" اس کے جواہر لعل اور پٹیل فرقہ واریت کی اسی ذلیل سطح پر اتر آئے جس پر ہندو مہاسبھا کے شیاما پرشاد مکرجی اور بیرسٹر ساورکر ان سے پہلے موجود تھے۔ علاوہ ازیں آریہ سماج کے قیام اور شدھی و سنگٹھن کی بدنہاد تحریکوں کے متعلق کانگریس کا معنی خیز سکوت اس کے لیڈروں کی انتہائی سیاسی بے شعوری پر حرف آخر ہے۔

محسن الملک کی مسلم لیگ کے اینگلو محمڈن رہنما یہ جانتے ہوئے بھی

مسلمان ہند میں اقلیت میں ہے۔ ہندو مسلم دشمنی کی سیاست رواج دے کر ہندوستان میں عظیم مسلم قوم کے پھر سے بادشاہ بن کر ابھرنے کے تمام امکانات ختم کرتے جا رہے تھے۔ انہوں نے انگریز کی سیاسی تربیت کے زیر اثر متحدہ ہند کے مسلم اکثریت کے علاقوں پر سیاسی اقتدار حاصل کرنے کا نام اسلامی حکومت کا قیام اور آزادی رکھ دیا تھا خواہ اس کے لئے ہندو اکثریت کے علاقوں کے کروڑوں مسلمانوں کو اس قوم کے رحم و کرم پر چھوڑنا پڑے جس سے نفرت انتہا تک پہنچا دی گئی ہو۔ ایک ایسی اسلامی حکومت جس کے خد وخال مسلم اکثریت کے علاقوں پر رسمی اقتدار حاصل کر لینے کے بعد بھی واضح نہ ہو سکے۔ ایک ایسی اسلامی حکومت اور ایسی آزادی جو خود مسلمانوں کے لیے وبال جان بن گئی۔ اسلامی روایات۔ اسلامی تاریخ بلکہ اسلام کو ختم کرنے کا باعث بن گئی۔

ان کے برعکس حضرت علامہ المشرقیؒ
وہ سیاست آشنا اور باخبر رہنما تھے

جنہوں نے سیاست اور آزادی کے بنیادی اصول واضح کئے اور صاف صاف کہا کہ قیام حکومت کے لیے ہندوستان کی مختلف قوموں کے درمیان اعتماد کی فضا اور رواداراںہ ماحول پیدا کرنا سب سے مقدم شرط ہے۔ انہوں نے واضح کیا کہ مسلمان کا ہندو کے تعاون کے بغیر اور ہندو کا مسلمان کی مدد کے بغیر آزادی حاصل کرنے کا مطالبہ انتہائی لغو اور احمقانہ پن ہے۔

انہوں نے تاریخ کے اٹل اصول کو دہرایا کہ آزادی مانگی نہیں

جاتی۔ چھینی جاتی ہے اتحاد اور خون کے بل بوتے پر حاصل کی جاتی ہے۔ انہوں نے برملا کہا کہ اسلامی حکومت صرف مسلمانوں کی حکومت نہیں۔ بلکہ تالیف قلوب کی قرآنی سیاست کے تحت تمام قوموں سے رواداری اور انکی بھلائی اور بہتری ہے سب کی یکساں نگہداشت اور یکساں پرورش ہے۔ اس نقطہ نظر سے انہوں نے خاکسار تحریک کی بنیاد وحدت اور اتحاد پر رکھی۔ اسی نظریہ کی بنا پر کہا کہ خاکسار تحریک کا نصب العین غلبہ اسلام ہے۔ جہاں حصول غلبہ کے لیے ایک مساویانہ نظام قائم کیا۔ بلا لحاظ مذہب و ملت خدمت خلق کا عظیم الشان فارمولا پیش کیا وہاں خاکسار تحریک کے منتہائے مقصود کا اعلان کرتے ہوئے کہا۔

پہلا نکتہ: "ہم خاکسار نسل انسانی کے تمام فرقہ وارانہ جذبات اور مذہبی تعصبات کو اپنے نیک اور نفع رساں عمل سے کچل کر (لیکن مذہب کو برقرار رکھ کر) ایک مساوی۔ غیر متعصبانہ' رواوارانہ مگر غالب نظام پیدا کرنے کے درپے ہیں جس میں سب اقوام سے بجا سلوک اور سب کی بجا پرورش ہو اور جس کی بنیاد بے پناہ نیکی سعی و عمل اور بے پناہ عدل پر ہو۔"

یہی وجہ تھی کہ خاکسار تحریک (جس میں اکثریت مسلمانوں کی تھی اور جسے خالص اسلامی تحریک کہا گیا) ہندوؤں۔ سکھوں۔ عیسائیوں اور دیگر برادران وطن کو پورے حسن اعتماد اور پوری خوش اسلوبی کے ساتھ اپنی صفوں میں سموتی چلی گئی۔ سب قوموں کو ملا کر ایک وحدت قائم کرتی چلی گئی۔ بعینہٖ جس طرح آج چین میں پچاس سے زائد قومیتوں کو متحد کر کے ان میں ایک وحدت قائم کر دی گئی ہے اور ان کا اب اجتماعی کریکٹر قابل داد

ہے۔ مثالی ہے۔ وہ ایک دوسرے کے دوش بدوش ترقی کی راہ پر گامزن ہیں۔ اپنے اپنے مذہب اور عقائد پر قائم رہنے کے باوجود متحدہ چینی قومیت کے ارفع تر تصور پر کاربند ہیں۔ ان کی بھوک۔ افلاس انتشار سب مٹ چکا ہے۔ ان کا صدیوں کا استحصال ختم ہو چکا ہے۔ وہ اقوام عالم میں ایک باعزت اور آبرو مندانہ مقام حاصل کر چکے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ

المشرقیؒ کی دور رس نگاہ دیکھ رہی تھی کہ انگریز کی عطا کی ہوئی آزادی در حقیقت آزادی نہ ہوگی۔ یہ آزادی بجائے خود انگریز کے مفادات کی محافظ ہوگی

لہٰذا

ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں کو متحد ہو کر طاقت اور زور پیدا کر کے انگریز سے آزادی چھین لینا ہوگی۔ انگریز کو ذلیل کر کے اور بزور ہندوستان سے نکال دینا ہوگا۔ لیکن کانگریس اور مسلم لیگ کے رہنماؤں کی یہ کوتاہ نظری اور سیاست سے نابلد ہونے کی دلیل تھی کہ وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو باہم ٹکرا ٹکرا کر اور انگریز کو نقصان نہ پہنچا کر انگریز سے آزادی مانگتے تھے۔ اس نادور اندیشی کا نتیجہ یہ نکلا کہ انگریز کی طرف سے انتقال اختیارات کے ساتھ ہی بھارت اور پاکستان کے نام نہاد سیاستدان دولت مشترکہ کی دوہری غلامی کے جال میں پھنس گئے دونوں نے آگے چل کر جس تہذیب و تمدن۔۔ جس کلچر و ثقافت۔ جس ادب و فلسفے اور جن سیاسی نظریات کو پروان چڑھایا۔ اس پر انگریزی چھاپ پہلے سے بھی

زیادہ گہری اور نمایاں تھی۔ دونوں جگہ نوکر شاہی مشین بدستور چلتی رہی۔ دونوں کی تعلیمی پالیسی نوکر شاہی مشین کے پرزے تیار کرتی رہی۔ دونوں کی سیاست منفی رجحانات کی حامل رہی۔ بدترین نتائج پیدا کرتی رہی دونوں جگہ سرمایہ دار کی چڑھ اور غریب عوام کا استحصال پہلے سے زیادہ رہا۔ دونوں جگہ وہی لوگ برسراقتدار رہے جن کی نہ سوچ شاہانہ تھی نہ ظرف شاہانہ تھا۔ نہ کریکٹر مثالی تھا۔ نہ زبان شائستہ تھی۔ دونوں جگہ دشنام طرازی کی سیاست جاری رہی۔ دونوں جگہ حریت پسندوں کا استحصال جاری رہا۔ دونوں جگہ عوام الناس کی آہوں کا دھواں اٹھتا رہا۔ یہ تھی کانگریس اور مسلم لیگ کے سیاستدانوں کی آزادی جس کے لئے دو کروڑ ہندوؤں اور مسلمانوں کو خانماں برباد ہونا پڑا۔ پچاس لاکھ افراد خانہ جنگی میں کام آئے۔ لاکھوں عزتیں برباد اور لاکھوں عبادت گاہیں مسمار ہوئیں۔ دونوں کے درمیان بے شمار مسائل پیدا ہوئے۔ دونوں نے گزشتہ پچاس برس میں کھربوں روپیہ دفاع پر صرف کر کے غیروں کا گھر بھرا۔ اپنے عوام کو مقروض اور مفلوک الحال بنایا۔

جیسا کہ اکثر ذکر کیا گیا ہے کہ کانگریس اور مسلم لیگ کے نزدیک آزادی کا مفہوم اپنے اپنے سیاسی حقوق کے حصول تک محدود تھا۔ لہٰذا عام لوگ اگر کل تک اس راز سے واقف نہیں تھے تو انہیں آج یہ جان لینا چاہیے کہ سیاسی پارٹیوں کے سیاسی حقوق کے مطالبے کا ہمہ وقت تعلق ان پارٹیوں کے برسراقتدار لوگوں کے ذاتی مفادات سے ہوتا ہے۔ اس میں عوام کے دکھ درد کا کوئی علاج نہیں ہوتا۔ نہ کوئی سیاسی پارٹی عوام سے متعلق ہوتی ہے۔ آج عوام کو اس مشہور انگریز سیاسی مفکر لارڈ ہیلی فیکس کا یہ قول پلے باندھ لینا چاہیے کہ "ہر سیاسی پارٹی عوام کے خلاف سازش

ہوتی ہے۔"

اور بلاشبہ ہندو کانگریس اور محسن الملک کی مسلم لیگ عوام کے خلاف سازش تھیں۔ انہوں نے عوام کو خوب استعمال کیا۔ خوب لڑایا۔ خوب مروایا۔ خوب برباد کیا۔ خوب بھوکوں مارا۔ ان سے ان کی ہر شے چھین لی ———— اور

انگریز کو ایک خراش تک نہ آنے دی۔

آج پاکستان میں تو یہ عذر پیش کیا جاتا ہے کہ بانیان پاکستان کی عمر نے وفا نہ کی۔ انہیں کچھ کرنے کا موقع نہ مل سکا ورنہ حالات یوں مخدوش و دگر گوں نہ ہوتے۔ لیکن اس سے تو کسی کو مجال انکار نہیں کہ بھارت میں کانگریس کو موقع نہیں ملا۔ اسے گاندھی جی کو مار دینے کے بعد بھی نیک نام اور کہنہ مشق لیڈروں کی معقول ٹیم میسر تھی۔ ملک وسیع تھا۔ وسائل کافی تھے۔ عوام کا اعتماد تھا۔ لیکن کشمیر پر اتفاقی قبضے اور انٹرنیشنل پالیٹکس کے زیر اثر مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا کریڈٹ حاصل کر لینے کے باوجود بھارت کی سیاسی اور اقتصادی پوزیشن پاکستان سے ہرگز بہتر نہیں۔ عوام شدید بے اطمینانی کا شکار ہیں۔ امن عامہ کی صورت بھی ابتر ہے۔ بدنظمی' بد انتظامی اور لوٹ کھسوٹ نمایاں ہے۔ بھوک۔ افلاس اور بیماریاں خوب زوروں پر ہیں۔

سیاسی اور اقتصادی بے چینی کی وجہ سے بھارتی جیلیں عوام سے بھری پڑی ہیں۔ ملک میں یکطرفہ سیاسی ٹریفک چل رہا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

الغرض نصف صدی سے بھی زیادہ عرصہ گزر جانے کے باوجود برصغیر کے عوام کو امن و آزادی اور اطمینان و سکون لمحہ بھر میسر نہیں آ سکا۔

دونوں طرف بھوک کا ہول اور افلاس کی چیخیں ہیں۔ دونوں طرف بیروزگاری اور گرانی نے لوگوں کی کمر توڑ دی ہے دونوں طرف غنڈہ گردی ہے۔ دہشت ہے خلجان ہے۔ نفسا نفسی کا شور ہے۔ دونوں طرف سرمایہ دار کی چڑھ ہے دونوں جگہ قانون طاقتور کے بالمقابل بے بس ہے۔ اور دونوں جگہ رقص ابلیس کا منظر یکساں ہے تو یہ انگریز۔ ہندو کانگریس اور محسن الملک کی مسلم لیگ کی سیاسی تثلیث کا پیدا کیا ہوا وہ جہنم ہے۔

جس کی نشاندہی برصغیر کے واحد سیاستدان اور قوم کے سچے غمخوار المشرقیؒ نے آج سے ۵۱ برس پہلے اور برصغیر کی تقسیم سے تین ماہ قبل ۱۰ مئی ۱۹۴۷ء کو بانکی پور میدان پٹنہ (بہار) کے ایک بہت بڑے پبلک جلسے میں کر دی تھی۔ کانگریس اور لیگ کی خانہ بر انداز سیاست کے چکمے میں آئے ہوئے

برصغیر کے کروڑوں عوام اس وقت عظیم مشرقیؒ کی پکار پر دھیان نہ کر سکے۔ مگر آج ۵۱ برس کے بعد پاک و بھارت کا کوئی بڑے سے بڑا پھنے خان ان کے ایک لفظ پر انگلی نہیں رکھ سکتا۔ تقسیم ہند کے سلسلے میں المشرقیؒ کا بانکی پور میدان پٹنہ کا خطاب اس امر کا شاہد ہے کہ کانگریس اور لیگ کے لیڈروں نے سیاست کا صرف نام ہی سن رکھا تھا ورنہ وہ سیاست کی ابجد سے بھی ناآشنا تھے۔ جس شے کے حصول پر وہ بغلیں بجا رہے تھے درحقیقت وہ ہلاکت کا پیش خیمہ تھا۔ بلاشبہ انگریز انہیں کٹھ پتلی کی طرح نچا رہا تھا۔ جبکہ عظیم مشرقیؒ انگریز کے گھر کا بھیدی تھا۔ وہ تین سال تک حکومت ہند کی کرسی پر بیٹھ کر انگریز کی شیطانی سیاست کا جو اس نے برصغیر

میں رائج کر رکھی تھی برائی العین مشاہدہ کر چکا تھا۔

وہ عالم فطرت راسخون فی العلم شیطانی سیاست سے ہندوستان کو نجات دلانے کے لیے سچی اور حقیقی سیاست لے کر میدان عمل میں آیا تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ ہندوستانی لیڈروں

کے کشکول گدائی میں بد نہاد انگریز جو شے ڈال رہا ہے وہ درحقیقت کیا ہے اور اس کے نتائج کس قدر تباہ کن ہوں گے۔ "بھارت و پاکستان کی پچاس سالہ تاریخ" المشرقیؒ کے ایک ایک لفظ کی تصدیق کر رہی ہے۔ لیکن پاکستان کے مسلمان! یہ قیامت ہے کہ تیرے قلم گھسیٹ ادیب اور تک بند شاعر آج بھی اپنی افسانہ نویسی اور قافیہ گوئی سے تقسیم ہند کے ڈانڈے محمد بن قاسمؒ غازی سلطان محمود غزنویؒ اور غازی سلطان شہاب الدین غوریؒ سے ملا کر تجھے بیوقوف بناتے چلے جا رہے ہیں۔ ○ یہ قیامت ہے کہ تیرے بڑے بڑے سیاسی مفکر اور دین کے ٹھیکیدار انگریزی ڈپلومیسی کی ظلم انگیز کاروائی کا ناطہ دین اسلام سے جوڑ جوڑ کر تیری آنکھ اور تیرے ذہن پر اندھیرا طاری کر رہے ہیں۔ تاکہ ان کی تقدس مابیاں قائم رہیں۔ ان کے عشرت کدے محفوظ رہیں۔ ان کی چمڑی بچی رہے کسی کی چتون پر بل نہ آئے۔ ○ مسلمان! حیف ہے کہ آج بھی تیرے قوام کی تمام بالائی میں زہر اور ہلاکت کے سوا کچھ نہیں۔

حیف ہے کہ آج بھی تیرے گڈریوں کے ہاتھوں کی لاٹھیاں تجھے گھیر گھیر کر جہنم کے گڑھے کی طرف دھکیل رہی ہیں۔ حیف ہے کہ تیرے عشق و محبت کے دعویدار اگر کبھی

المشرقیؒ کو یاد کرتے ہیں تو ان توہین آمیز الفاظ میں

"بیلچہ بردار سالار انقلاب۔ جو محاذ لاہور پر جیتی ہوئی بازی ہار گیا۔"

۱۹۳۹ء میں دوسری جنگ عالمگیر کا آغاز ہوا۔ یورپ میں نازی جرمنی نے اس شدت سے خروج کیا کہ انگریزوں کو جان کے لالے پڑ گئے۔ ان ایام میں کانگریس کا دعویٰ تھا کہ وہ چالیس کروڑ ہندوستانیوں کی نمائندہ جماعت ہے۔ محسن الملک کی مسلم لیگ اس وقت تک کسی شمار میں نہیں تھی البتہ۔ المشرقیؒ کی خاکسار تحریک چند ہی سالوں میں ابھر کر اور صوبہ یو۔ پی میں کانگریس کو شکست دے کر قابل توجہ جماعت بن چکی تھی۔

------ جنگ میں جبکہ انگریزوں پر انتہائی نازک وقت تھا کانگریس نے اعلان کیا کہ کوئی ہندوستانی جنگ میں انگریزوں کی مدد نہ کرے۔ کانگریس کی دیکھا دیکھی مسلم لیگ نے بھی کچھ ایسا ہی سیاسی اعلان کیا۔

لیکن المشرقیؒ نے اس جنگ میں اپنے پچاس ہزار خاکسار سپاہیوں کی پیشکش انگریزوں کو کی۔ یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ جنگ کے انتہائی نازک لمحوں میں انگریزوں کو مدد کی پیش کش کرنے والا المشرقیؒ اس قدر

ناقابل بھروسہ تھا کہ اس کی خاکسار تحریک کو آگے بڑھ کر فوراً ہی ختم کر دینا ضروری ہو گیا۔ مگر بے وفا کانگریس اور بے وفا مسلم لیگ اس قدر بااعتماد تھیں کہ جنگ میں کامیابی اور مکمل فتح کر لینے کے بعد ان کی بے وفائی کا ادنیٰ سا ایکشن لینے کی بجائے

انگریز نے اپنی سب سے بڑی جائیداد ان دونوں کی تحویل میں دے دی۔ انگریزی سیاست کا یہ وہ سر مکتوم ہے جو بد نصیب ہندوستانیوں کے فہم سے بالاتر تھا اور شاید اب تک ہے

جہاندار اور جہانبان انگریز خوب جانتا تھا کہ المشرقیؒ صرف ہندوستان کی آزادی کا علمبردار ہی نہیں ہے بلکہ مشرق بعید کی تمام قومیتوں کو متحد العمل کر رہا ہے وہ حصول آزادی کی صحیح راہ پر گامزن ہے۔ اس نے مسلمانوں کے فریب خوردہ نوجوانوں کو مولوی کے خود ساختہ اور خاک بسر غیر سیاسی اسلام کی بجائے اس سیاسی اسلام سے آگاہ کر دیا ہے جو سربسر آزادی اور خلافت ارض کا ضامن ہے۔ اس نے اپنے سوز دروں سے جوانوں کو وہ تب و تاب عطا کر دی ہے کہ ان کی ایک خاصی جمعیت کو اپنے سر کندھوں پر بار محسوس ہو رہے ہیں۔ اس نے تالیف قلوب کی قرآنی سیاست سے دوسری قوموں کو اپنا موید و ہمنوا بنا کر خاکسار تحریک کی صفوں میں سمونا شروع کر رکھا ہے۔ وہ ہندوستانیوں کو پونہ پیکٹ اور نہرو رپورٹ کی لفظی دلفریب سیاست سے نکال کر حرکت، عمل اور ایکشن کی سیاست پر آمادہ کر رہا ہے۔ اس نے ہندوستان کی نام نہاد سیاست کے بنیادی پاکھنڈ یعنی مجارٹی اور مینارٹی کے تانے بانے کو توڑ دیا۔ اس نے سیاست کی بنیاد اتحاد اور اتحاد سے پیدا شدہ طاقت پر رکھی ہے۔ وہ سروں کی گنتی

سے نہیں خون کے معیار پر آزادی کا دعوئی دار ہے۔ وہ طاقت پیدا کر رہا ہے۔ وہ خوف دینے والے پید اکر رہا ہے۔

وہ اتنا مضبوط ہو چکا ہے کہ ساٹھ سالہ کانگریس اس کی خاکسار تحریک کے بالمقابل چند دن بھی نہ ٹھہر سکی۔ وہ طاقت اور خون کے زور پر انگریز کو ہندوستان سے نکل جانے پر مجبور کر رہا ہے۔ یہی سچی سیاست تھی

ہندوستان انگریز کی سب سے بڑی اور قیمتی جائیداد تھا۔ اسی جائیداد کی ساکھ پر اس کا ساہو کارہ ساری دنیا میں قائم ہوا۔ اسی ہندوستان کے ڈھور ڈنگروں نے آٹھ آنے یومیہ کے قلیل چارے پر نام نہاد سیاستدانوں کی موجودگی میں دنیا بھر میں انگریز کی یکتائی کا ہل چلا دیا۔ ممالک اسلامیہ کو بے دریغ روند ڈالا۔ خلافت عثمانیہ ترکیہ کو زمیں بوس ہونے پر مجبور کر دیا۔ وہ سونے کی چڑیا جسے قابو میں کرنے کے لیے انگریزوں نے ساٹھ لاکھ نامیوں کی قربانی دی۔ دو سو سال تک پرتگیزوں۔ ولندیزوں۔ فرانسیسیوں اور دیگر یورپی قوموں سے خونریز لڑائیاں لڑیں۔ وہ ملک جس کو انگریز سے چھیننے کے لیے نپولین بونا پارٹ اور قیصر ولیم ٹکریں مار مار کر ختم ہو چکے تھے اور جسے اب ہر ہٹلر اور ٹوجو اس سے چھیننے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھے۔ وہ ملک جو انتہائی طور پر دولت مند اور زرخیز ہونے کے باعث عالمی پالیٹکس کا محور بنا ہوا تھا۔ اسے آزاد نہیں کیا جا سکتا تھا' اس ملک کی آزادی چاہنے والوں کو برداشت نہیں کیا جا سکتا تھا۔ المشرقؒ

فی الجملہ ناقابل برداشت تھے۔ ان کی خاکسار تحریک ناقابل برداشت تھی۔
ان کا بے ضرر بیلچہ ناقابل برداشت تھا۔

ان سے جنگ میں مدد لے کر انہیں مزید مضبوط بنانے کی بجائے اس تحریک کو ختم کرنا ضروری تھا۔ خاکسار تحریک کو ختم کر کے کانگریس اور مسلم لیگ کے لیے میدان کھلا چھوڑنا ضروری تھا۔

لہٰذا خاکسار تحریک پر نازی جرمنی سے گٹھ جوڑ کا الزام لگا کر بھرپور ایکشن کیا گیا۔ اس کے جیالوں پر بے دریغ مشین گنوں کے منہ کھول دیئے گئے۔ اس کے صف اول کے کارکنوں کو بیک وقت گرفتار کر لیا گیا۔ اس کے جانبازوں کو جیلوں میں ٹھونس دیا گیا۔ ڈیفنس آف انڈیا رولز کے تحت اسے پورے ہندوستان میں خلاف قانون قرار دے دیا گیا۔

المشرقیؒ گرفتار کر کے احاطہ مدراس کی ویلور جیل میں نظر بند کر دیئے گئے۔ خاکسار تحریک پر ظلم و بربریت کے خوفناک مظاہرے کے تیسرے دن بعد ہی محسن الملک کی مسلم لیگ نے حیران و پریشان اور غمزدہ مجبور مسلمان عوام کے سامنے قرار داد لاہور کا کاغذی کھلونا پھینک کر آزادی ہند کا قصہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا

متذکرہ قرار داد لاہور کو پاکستان کے نام سے مسلمانان ہند کا سیاسی

نصب العین قرار دیا گیا۔ جس کا متن یہ تھا کہ مسلم اکثریت کے صوبوں کا ایک علیحدہ وفاق قائم کیا جائے گا۔ ذیل میں انگریزی اخبار ڈان کراچی کے ایڈیٹوریل بورڈ کے رکن جناب ایچ۔ ایم عباسی کے ایک مقالے سے چند اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں۔ جو ہفت روزہ اخبار جہاں کراچی کے ۱۶ جنوری ۱۹۷۳ء کے شمارے میں صفحہ ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۴ پر شائع ہوا تھا۔ یہ اقتباسات قرار داد لاہور کی حقیقت اور اس کے سیاسی پس منظر پر نمایاں روشنی ڈالتے ہیں۔

(۱) ۱۹۴۰ء میں۔ میں لاہور رہتا تھا۔ ان دنوں مسلم لیگ میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جس کو ہونے والے واقعات کے متعلق صحیح احساس تھا ـــــــــــــ

(۲) راج گوپال اچاریہ سے گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا۔ اچاریہ جی نے کہا کہ پاکستان کی مخالفت اب سعی لاحاصل ہے دس کروڑ مسلمان پاکستان پر مکمل طور پر بک چکے ہیں۔ اس کی مخالفت کرنا سارے ملک میں ہندو مسلم فساد کو دعوت دینا ہے۔ مسلمان قوم کی حالت اس وقت اس بچے کی سی ہے۔ جس کو ضد ہو گئی ہے کہ میں چاند لوں گا۔ اور ماں کے پیچھے پڑا ہے کہ میں چاند ہی لوں گا۔ ماں کو پتہ ہے کہ وہ بچے کو چاند نہیں دے سکتی۔ مگر وہ ضد کرتا ہے تو وہ یہ کرتی ہے کہ ایک گول آئینہ لا کر بچے کو دے دیتی ہے اور کہتی ہے کہ یہ چاند ہے بچہ آئینے کو دیکھ کر خوش ہو جاتا ہے وہ اس کو لیتا ہے۔ دو چار دن اس سے کھیلتا ہے پھر اس آئینے سے اس کا دل بھر جاتا ہے اور وہ اس کو توڑ کر پھینک دیتا ہے۔

لیکن مسلمانوں کو چاند دینا ہے۔ اور ایسا چاند دینا ہے کہ وہ اس سے چند سال سے زیادہ نہ کھیل سکیں۔ اور بعد کو خود ہی توڑ پھوڑ کر پھینک دیں۔

(۳) راجہ جی نے مزید کہا کہ اگر ہندوستان تقسیم ہو سکتا ہے تو بنگال اور پنجاب بھی تقسیم ہو سکتے ہیں۔ بلکہ سندھ کے وہ اضلاع بھی تقسیم ہو سکتے ہیں جہاں ہندوؤں کی اکثریت ہے۔ یہی نہیں بلکہ ہر ضلع تقسیم ہوگا۔ ہر تحصیل تقسیم ہوگی۔ ہر گاؤں۔ ہر شہر ہر محلّہ اور سڑک تقسیم ہوگی۔ اور بالاخر وہی ہوا جو راج گوپال اچاریہ نے مجھے اور پوتھن جوزف کو ۱۹۴۲ء کی کسی تاریخ کو کلکتے کی امپیریل لائبریری کے ریسٹورنٹ میں بتایا۔ بنگال کے مسلم اکثریت کے علاقے کلکتے تک تھے۔ وہ بھی گئے۔ پنجاب میں گورداسپور کا علاقہ مسلم اکثریت کا تھا وہ بھی گیا۔ کشمیر بھی گیا۔ وہ سکھ ریاستیں جن میں مسلم اکثریت تھی وہ بھی گئیں۔ لاہور کا بھی کچھ حصہ گیا۔ اگر دریا ملے تو ان کے ہیڈ ورکس چلے گئے وہ تو یہ خیریت ہوئی کہ ورلڈ بنک نے معاملہ کرا دیا۔ جواہر لعل نہرو کو ترس آگیا۔ وہ راضی ہو گیا۔ اگر ہندوستان ضد کر جاتا تو سارے مغربی پاکستان کو ریگستان بنا کر ختم کر دیتا ------

(۴) اب آپ نئی دہلی آیئے۔ یہ شاید جون ۱۹۴۷ء کا زمانہ ہے۔ نئی دلی میں امپیریل ہوٹل تھا۔ وہاں مسلم لیگ کی ہائی کمان کی میٹنگ ہو رہی ہے۔ قائداعظم صدارت فرما رہے ہیں۔ باہر خاکساروں نے بڑا اودھم مچا رکھا ہے کہ لنگڑا لولا اور کرم خوردہ

پاکستان نہیں لیں گے۔ لیکن مسلم لیگ ہائی کمان کے سامنے ایک
ہی سوال تھا کہ یا تو اسی پاکستان کو جو مل رہا ہے لے لو یا نہ لو۔
اور اگر پاکستان لینا ہے تو وہی ملے گا۔ جو ہندو کی تخلیق ہے جو
ہندو دینا چاہتے ہیں۔ وہ بھی صرف اس لئے کہ انہوں نے حماقت
سے ہندوستان کی عارضی حکومت میں لیاقت علی خان کو وزیر مال
بنا دیا تھا۔ اور اب وہ حکومت ہند کے کسی محکمے میں سے ایک پیسہ
بھی لیاقت علی خان کی منظوری کے بغیر وصول نہیں کر سکتے تھے۔
دوسرے اتنا بڑا ہندو مسلم فساد بہار میں ہوا۔ بنگال میں ہوا۔
پورے ملک میں ہندو مسلم فساد ہو سکتا ہے۔ جس کے خوف سے
قائداعظم نے ایسا پاکستان لینے کی منظوری دے دی۔ قصہ مختصر
ہوا۔ وہ جو آپ کے سامنے ہے۔ وہ پاکستان ملا جس نے ایک
طرف تو ہندوستان سے مسلمانوں کی تعداد اٹھارہ کروڑ سے گھٹا کر
چھ سات کروڑ کر دی۔ اور ان کی کمر توڑ دی۔ دوسرے ایک ایسا
کمزور اور پر از مسائل ملک ملا جس کو تین بار اپنے وجود کے لیے
ہندوستان سے لڑنا پڑا ــــــــــــــــــــــــ"

جنگ عالمگیر کے خاتمے پر برطانوی حکومت کے نمائندے لارڈ ویول
وائسرائے ہند نے انگریزی حکومت کے اس وعدے کے مطابق (کہ
ہندوستان کے لوگ جنگ میں انگریزوں کی مدد کریں تو اختتام جنگ پر
ہندوستان کو آزادی دے دی جائے گی' چنانچہ کانگریس اور مسلم لیگ کی رسمی
مخالفت کے باوجود دو کروڑ ہندوستانیوں نے کسی نہ کسی طور جنگ میں
شریک ہو کر انگریزوں کی بھرپور مدد کی اور جرمنی کو ہرایا۔)

اعلان کیا کہ اگر ہندوستانی لیڈر ایک ایسا آئین تیار کر لیں جس میں ہندوستان کے تمام فرقوں اور قومیتوں کے حقوق کا تحفظ اور سرکار انگریزی کے ہندوستانی والیان ریاست سے کئے گئے معاہدوں کے احترام کی ضمانت موجود ہو تو آئین کی رو سے ہندوستان کو آزاد کر دیا جائے گا۔ انگریزوں کو یقین تھا کہ ہندوستانی سیاستدان ایسا آئین دو سو سال تک بھی نہیں بنا سکتے۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ المشرقیؒ کی خاکسار تحریک کو انگریز پوری طاقت سے کچل چکا تھا ——————— کانگریس اور مسلم لیگ کے سیاستدان فرقہ وارانہ کشیدگی کو خانہ جنگی کی صورت دے رہے تھے۔ اور ہندوستان کی قسمت پر صدیوں تک ایک نئی طرز کی غلامی کی مہر لگنے والی تھی۔

عظیم مشرقیؒ نے جھوٹے کے گھر تک پہنچنے کے لیے اور انگریز کی شرط پوری کرنے کے لیے آئین کی تیاری کا بیڑہ اٹھایا اور صرف ۱۰ ماہ کی قلیل مدت میں "کانسٹی ٹیوشن آف فری انڈیا" کے عنوان سے ایک عظیم الشان آئین تیار کر کے نہ صرف انگریز بلکہ ایک دنیا کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ یہ آئینی دستاویز عام طور پر "آئین مشرقی" یا "خاکسار آئین" کے نام سے موسوم کی گئی۔ المشرقیؒ کی حیرت انگیز سیاسی صلاحیت نے جب آئین کی بساط پر بھی انگریز کو شہ مات دی تو عیار انگریز جو آزادی کے معاملہ میں قطعی غیر مخلص تھا۔ آئین پر آزادی کی شرط کو صاف گول کر گیا۔ ملک میں فوراً ہی انتخابات کا ہنگامہ کھڑا کر دیا اور پھر بساط سیاست پر کبھی بیرلی۔ کبھی

شملہ کانفرنس۔ کبھی عبوری حکومت۔ کبھی وزارتی مشن کا۔
ہندوستانی سیاست دانوں کے ساتھ کی چالیں چلتے ہوئے بالآخر تقسیم
ہند کا اعلان کر دیا۔

اعلان تقسیم پر "المشرقی" کا تجزیہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ بہرکیف
آئین "مشرقی" کو کسی آئندہ موقع پر پوری تفصیل و وضاحت سے پیش کیا
جائے گا۔ فی الحال اس کے چند راہنما اصول نیز "المشرقی" کے سیاسی تصورات
کا مختصر خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔ تاکہ اندازہ ہو سکے کہ "المشرقی" کس قدر اعلیٰ
ترین سیاسی بصیرت کے مالک تھے۔ لیکن اس سے قبل دو دلچسپ باتوں کا
تذکرہ بھی ضروری ہے۔

(ا) متذکرہ آئین کے متعلق "المشرقی" نے چیلنج کیا تھا کہ متحدہ
ہندوستان کا کوئی بڑے سے بڑا لیڈر اور قانون دان۔ حتیٰ کہ انگریز
بھی اس کے ایک نکتے پر انگلی نہیں اٹھا سکتا۔ یہ ہندوستان کی دیگر
قوموں کے حقوق کے تحفظ کے ساتھ ساتھ اسلامیان ہند کے
حقوق و مفادات کے تحفظ کی وہ لاجواب دستاویز تھی کہ جب مسلم
لیگ کے لیڈر اس پر کسی عنوان نکتہ چینی نہ کر سکے تو کھسیانے
ہو کر یہ شور مچانا شروع کر دیا کہ ہمیں کسی نئے آئین کی ضرورت
ہی نہیں ہمارے پاس ۱۴ سو سال قبل کا لکھا ہوا آسمانی آئین
موجود ہے۔ اس جذباتی شور سے مسلمانوں کو خوب متاثر کیا گیا۔
لیکن مسلم لیگ کے لیڈروں نے ۱۴ سو سال قبل کے لکھے ہوئے
آئین (قرآن مجید) سے کیا سلوک کیا اور پھر ۱۹۵۶ء اور ۱۹۶۲ء
میں دو زمینی آئین بنا کر آسمانی آئین کا جس طرح مذاق اڑایا تاریخ

اس پر ہمیشہ نوحہ کناں رہے گی۔

(۴) بھارت کا موجودہ آئین جس کے نفاذ پر پنڈت نہرو نے دعوئی کیا تھا کہ یہ بھارتی قانون دانوں کی تین سالہ محنت کا نتیجہ اور اس کی تیاری پر ۶۴ لاکھ روپیہ صرف ہوا ہے
جو معمولی رد و بدل کے بعد آئین مشرقیؒ کا بعینہ چربہ ہے چنانچہ المشرقیؒ نے حکومت پاکستان پر زور دیا تھا کہ وہ بھارت کو عالمی عدالت میں چیلنج کرے کہ اس نے جس
آئین کی تیاری کا لمبا چوڑا پروپیگنڈا کیا ہے وہ المشرقیؒ کے آئین کا سرقہ ہے۔

المشرقیؒ کے سیاسی تصورات اور آئین مشرقیؒ کے چند رہنما اصول نمبروار پیش کئے جاتے ہیں

(۱) اکثر کہا جاتا ہے کہ برصغیر کی مختلف قوموں کے درمیان سماجی، اقتصادی، ثقافتی اور لسانی اختلافات ہیں مگر اس کا ہرگز کوئی ثبوت نہیں۔ تاریخ اس خیال کی مکمل نفی کرتی ہے۔

(۲) برطانوی حکومت نے جداگانہ انتخابات۔ فرقہ وارانہ ترجیحات اور ہندو مسلم سوال پر ملازمتوں کا اصول بلکہ ہندو پانی اور مسلمان پانی کی تخصیص پیدا کر کے کشیدگی کو راسخ کر دیا ہے یہ ہندوستان کے خلاف انگریز کے سازشی ذہن کا شاخسانہ ہے اور اب یہ اختلاف ، رجحان بغیر کسی بڑے اور مکمل انقلاب کے دور نہیں ہو سکتے۔

(۳) ہندوستان میں مسلم عہد بالخصوص مغل دور میں ہندو مسلم اتحاد مثالی تھا۔ یہ اس لیے کہ حکومت اور عوام دونوں نے ایک دوسرے کو اپنا لیا تھا۔ مگر انگریز ایک تیسری ہستی بن کر نمودار ہوا۔ اب ہندوؤں اور مسلمانوں کی مثال دو لڑاکا بیویوں کی طرح ہے جن کے ساتھ شوہر نے ترجیحی سلوک کر کے شدید نفرت و مخاصمت پیدا کر دی ہے۔ اور جب تک یہ تیسری طاقت موجود ہے نفرت ختم نہیں ہو سکتی (اس نکتہ کی لم تک برصغیر کا کوئی نامور سیاستدان نہ پہنچ سکا) ——— ادارہ

(۴) ملک کا سربراہ کسی سیاسی شخص کو ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔ ایک سیاسی شخص جو تین یا پانچ سال کے لیے منتخب ہوا ہے۔ اس کو یہ علم ہی نہیں ہو سکتا کہ اقتصادیات۔ صنعت۔ تجارت۔ زراعت۔ صحت اور تعلیم وغیرہ کے بنیادی مسائل کیا ہیں۔ یہ تو صرف وہی شخص بہتر طور پر جان سکتا ہے جو بڑی مدت تک ان محکموں میں بڑے بڑے عہدوں پر کام کرتا رہا ہو سیاسی سربراہ تمام وقت اس بات پر ضائع کر دیتا ہے کہ مخالف پارٹی سے بدلا لے۔ آئندہ کے لیے اس کے برسر اقتدار آنے کے امکانات کو کم کرتا رہے اسے رسوا و بدنام کر کے اپنے لیے اقتدار کی راہ ہموار کرتا رہے۔ (گزشتہ پچاس برس میں یہی کچھ ہوا اور ہندو پاکستان کے سیاسی سربراہ یہی کچھ کر رہے ہیں)

(۵) سربراہ مملکت کو مکمل طور پر بااختیار ہونا چاہیے۔ اس کی سربراہی اور قیادت فرقہ پرستی یا پارٹی بازی کے لحاظ سے قائم نہیں

کرنی چاہیے۔

(۶) ہم وثوق سے کہتے ہیں کہ ڈیمو کریسی کا مطلب بالادست پارٹی کی حکومت نہیں بلکہ سب پارٹیوں کی حکومت ڈیمو کریسی ہے یہ المشرقؒ کی اعلیٰ سیاسی بصیرت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے لیکن ہمارے نام نہاد سیاسی دانشور گزشتہ ۹۰ سال یہ نکتہ نہ سمجھ سکے ڈیمو کریسی کی اسی فرضی تعریف کی بنیاد پر مسلمان پورے ہندوستان کے دعوے سے دست بردار ہو گئے نہیں بلکہ اسی میجارٹی میناریٹی کے رسمی تصور سے بنگال اور پنجاب کی بے رحمانہ قطع برید ہوئی۔ اسی تصور نے بنگالیوں کو احساس محرومی میں مبتلا کر دیا کہ انہیں حکومت کا موقع کبھی نہ ملے گا اس نظریے کی بنیاد پر پاکستان کے تمام صوبوں میں یہ احساس پایا جاتا ہے کہ اکثریت اور اقلیت کے اس فرضی تصور کی موجودگی میں حکومت کے معاملات میں ان کا عمل دخل قیامت تک ممکن نہیں۔ یہی یقین علیحدگی کے رجحان کا باعث بنتا ہے۔ اسی غیر فطری تصور میں دیہات میں زندگی دوبھر کر رکھی ہے کہ وہی ہوتا ہے جو غالب قوم کے لوگ چاہتے ہیں۔ یہ نکتہ آج ۹۰ سال کے بعد بھی نہ سمجھ پانے والے سیاستدان ٹھہرے اور جو فوراً ہی یہ نظریے پیش کر دیتا ہے۔ اس کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ سیاست سے نابلد تھا۔

(۷) یورپی اثرات اور مسلسل غلامی سے پیدا ہونے والی خرابیوں کو قانون سازی سے دور نہیں کیا جا سکتا۔ قانون سازی سے قانون سازی جنم لیتی ہے اور بہت زیادہ قانون بنا دینے کامطلب یہ ہو گا

کہ ملک میں کوئی قانون ہی نہیں۔

○ المشرقؔ کا بیان کردہ یہ نکتہ ایک پیش گوئی کی حیثیت رکھتا ہے۔ آج برصغیر کے ممالک قانون سازی کے گرداب میں اس بری طرح پھنسے ہوئے ہیں کہ انہیں قانون سازی کے سوا کچھ سجھائی نہیں دیتا۔(ادارہ)

(۸) وکالت کے پیشے کا مقصود ججوں کی اخلاقی مدد کرنا ہوگا۔ موکل کی قانون شکنی کا جواز پیدا کرنا اور مجرم کا تحفظ کرنا نہیں ہوگا۔

○ (یہی وجہ ہے کہ نصف لاکھ وکلاء کی موجودگی میں انصاف کا دور دور تک نشان نہیں ملتا) ---- (ادارہ)

(۹) بھوک افلاس اور بے روزگاری کا علاج ملک میں بھاری صنعتیں لگانا نہیں۔ اس سے سرمایہ داری کی حوصلہ افزائی ہوگی غربت اور بے روزگاری مزید بڑھے گی۔ اس طرح بیماریوں کا علاج بڑے بڑے ہسپتال بنانا نہیں۔ یہ بیماریوں میں اضافے کا باعث ہوں گے۔ اور خطرناک سرمایہ داری پیدا کریں گے۔ اسی طرح سکولوں میں مذہبی تعلیم سے مذہبی لگاؤ پیدا نہیں ہوگا بلکہ اخراجات میں ناروا اضافے کے ساتھ مذہب سے عام بیگانگت کا باعث ہوگا۔

○ گزشتہ پچاس برس سے وہی کچھ ہو رہا ہے جو اوپر والے اصول میں واضح کیا گیا ہے۔ بڑی بڑی فیکٹریوں اور بڑے بڑے صنعتی کارخانوں کے قیام کے باوجود غربت اور بے روزگاری مزید بڑھی زراعت میں بے پناہ ترقی

کے باوجود عوام کو خالص آٹا جب ملتا تھا آج نہیں ملتا۔
صحت کے منصوبوں پر اربوں روپیہ صرف کر ڈالنے سے
قومی صحت کا معیار گرتا چلا گیا۔ بیماریوں میں بے پناہ
اضافہ ہوا۔ دوا ساز کمپنیوں کی خوب چڑھ بنی۔ ڈاکٹروں
اور معالجوں میں بے پناہ سرمایہ داری کا رجحان پیدا ہوا۔
اور تعلیم کی حالت سب پر عیاں ہے۔ (ادارہ)

(۱۰) ہمالیائی منصوبے اور آسمانی اخراجات والی تدبیریں صرف ان
لوگوں کو فائدہ پہنچائیں گی جو یہ منصوبے بنائیں گے عوام کو ان
منصوبوں سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

○ غور کیا جائے کہ پاکستان میں اربوں روپیہ رنگا رنگ
منصوبوں پر صرف کر ڈالنے کے باوجود اس کا حاصل کیا
ہوا ٹھیکیداران بلیک مارکیٹروں اور رشوت خوروں کی
چڑھ سے گلبرگ اور سمن آباد ضرور بنے لیکن عوام کو
خالص آٹا تک مہیا نہ ہو سکا۔ ان کا ملکی گھی اور مکھن
نابود ہو گیا۔ اور دودھ جسے ہمارے دیہاتوں میں مسافر
نوازی پر لٹا دیا جاتا تھا۔ تقریباً" ناپید ہو چکا ہے۔

(۱۱) برطانوی دور سے پہلے کے ہندوستان سے متعلق غربت و
پسماندگی اور اس کے غیر ترقی یافتہ ہونے کے جو افسانے مشہور
کئے گئے ہیں یہ سب غلط ہیں۔ ہندوستان اگر بھوکا ننگا تھا تو دنیا میں
سونے کی چڑیا کے نام سے کیوں مشہور تھا۔ اسے جنت نشان کیوں
کہا جاتا تھا۔ کیوں یورپی قومیں اس سے تجارت کرنے کے لیے

بھاگ بھاگ کر یہاں آتی رہیں۔ کیوں اس پر قبضہ کرنے کے لیے کتوں کی طرح آپس میں لڑتی رہیں۔ کیوں مارکوپولو۔ کولمبس اور واسکوڈے گاما ہند کا نزدیکی راستہ دریافت کرنے کے لیے خشکی و تری پر دھکے کھاتے رہے۔ یہ تمام افسانے جو ہند کی غربت اور بدحالی کے متعلق مشہور ہیں برطانوی۔ استحصالی سیاست کے تراشیدہ ہیں۔ اور اگر آج بھی ان غاصبوں کو یہاں سے نکال دیا جائے تو ہندوستان اسی طرح خوشحال ہو سکتا ہے۔ ہندوستان میں بھوک اس لیے ہے کہ اسے بھوکا رکھ کر اس کا اناج اقوام یورپ کو فراہم کیا جاتا ہے۔ لہٰذا ہند سے بھوک مٹانے کا واحد علاج یہ ہے کہ کرنسی کی بنیاد سونے کی بجائے گندم پر رکھی جائے اور ایک روپے کی مالیت کا تعین سولہ سیر گندم سے کر دیا جائے۔

(۱۲) دوسرے ملکوں کے خام مال پر قبضہ کر کے ان کو غلام رکھنے کا رجحان ہندوستان پر قبضے کے بعد ہوا۔ یہیں سے ٹریڈ امپیریل ازم کی بنیاد پڑی۔ ہندوستان کو برطانیہ سے چھیننے کے لیے یورپی قوموں کی دو سو سالہ جدوجہد کی واحد غرض ہندوستان کا خام مال ہے۔ جس کی مسلسل نکاسی نے ہندوستان کو غریب اور مغلوب بنا کر رکھ دیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اور یہی سلسلہ ان ملکوں کے اپنے انتظامی اختیارات منتقل کر دینے کے باوجود جاری ہے۔ پہلے وہ زبردستی خام مال لے جایا کرتے تھے۔ اب مصالحانہ اقتصادی مداخلت کی بنیاد پر نام نہاد سیاستدانوں کو چکر

دے کر لے جاتے ہیں۔

اب ان حالات میں نوٹ کر لیجئے قوموں کے فیصلے ایک المشرقیؒ کے لیے نہیں ہوتے۔ قوم کے اجتماعی اعمال کی بناء پر ہوتے ہیں اگر مسلمان المشرقیؒ کے بتائے ہوئے راستے سے ہٹ کر مسلم لیگ کی پھسپھسی تجویز کے طرفدار ہو گئے تھے۔ تو آج انہوں نے اپنا مقدر پا لیا۔ آج پچاس سال کے بعد تو علم ہو جانا چاہیے مفکر اور مدبر' محب وطن کون تھا؟ اور لال بھکڑ کون تھے؟ قوم کے دکھوں کا علاج کرسیوں کی سیاسی جنگ میں تھا۔ یا نظام پیدا کر کے طاقت حاصل کرنے میں تھا۔ المشرقیؒ سیاستدان تھا جس کے سیاسی تبصرے حرف بحرف درست ثابت ہوئے یا وہ سیاستدان تھے جن کے تمام مفروضے غلط ثابت ہوئے۔

غور کیجئے

اور فیصلہ کیجئے ------- کہ برصغیر کا

سب سے بڑا سیاستدان کون تھا؟ المشرقیؒ یا کانگریس اور مسلم لیگ کے راہنما؟

المشرقیؒ ان کی خاکسار تحریک کا بے بدل منصوبہ ان کے حقیقت مذاہب پر فیصلہ کن افکار۔ ان کے بلند پایہ سیاسی نظریات۔ ان کا علم۔ ان کا عمل۔ ان کی جہد مسلسل ان کی بے مثال اور بے بہا قربانی تاریخ کا ایک لازوال ورق ہے۔ قوم کا بہت بڑا سرمایہ ہے۔ اس تاریخی سرمائے کو قوم

کے جوانوں سے چھپانا۔ انتہائی قومی بددیانتی ہے۔ پاکستان کے اہل قلم ادیب اور سخنور شاعر اس امر کو ملحوظ رکھیں کہ کارل مارکس۔ اینجلز، روسو اور ہیگل مجبور و مقہور انسانوں کے غم خوار ہی سہی۔ ان کا فلسفہ اور ان کے مرتب کردہ مینی فسٹو زمین کے کسی حصے پر سکوت و سکون کا باعث ہی سہی۔ لینن۔ ماؤ۔ ہوچی منہ اور کم ال سنگ بنی آدم کے کسی عنصر کے نجات دہندہ ہی سہی۔ لیکن المشرقیؒ بھی دنیا کے سب سے بڑے مصلح اور سب سے بڑے انقلابی محمد عربی علیہ الصلواۃ والسلام کی چلائی ہوئی اس عظیم تحریک کے محرک اور موید تھے۔ جو اپنے دامن میں اولاد آدم کے لیے رحمتوں اور برکتوں کی جھولیاں بھر کر لائی۔ جس نے دنیا کی چھ ہزار سال کی تاریخ میں پہلی دفعہ رزق کے سرچشموں پر پوری نسل انسانی کے یکساں اور مشترکہ حق کا احساس پیدا کیا۔ یہی بات حضرت علامہ مشرقیؒ نے "تذکرہ" میں لکھی اور خاکسار تحریک کے ذریعے ان کو گھر گھر پہنچانے کا اہتمام کیا۔

المشرقیؒ نے برصغیر ہند میں انگریز۔ کانگریس اور لیگ کے بھڑکائے ہوئے جہنم کو ٹھنڈا کرنے اور جنت ارضی میں بدلنے کے لئے چودہ نکات کا وہ بہار آفریں چارٹر پیش کیا کہ جس کی گرد تک بھی کسی بڑی سے بڑی سیاسی پارٹی کا منشور نہیں پہنچ سکتا۔

مقالہ نگار: ابو العزیز فضل الٰہی
رشید احمد ملک (ایڈووکیٹ)
(ادارہ معارف افکار المشرقیؒ)

علامہ مشرقیؒ اور خاکسار تحریک کے متعلق دیگر مصنفین کی کتب

نمبر	کتاب	مصنف
1	المشرقیؒ (سوانح عمری)	ڈاکٹر عظمت اللہ بھٹی
2	شاہراہ عمل	خاکسار بشیر احمد قریشی
3	قول سدید	خاکسار بشیر احمد قریشی
4	الصلواۃ	خاکسار بشیر احمد قریشی
5	دین فطرت	خاکسار بشیر احمد قریشی
6	فہم دین	خاکسار بشیر احمد قریشی
7	خاکسار تحریک کی جدوجہد (3 جلدیں)	راجہ شیر زمان خان
8	سر سید جناح اور مشرقیؒ	راجہ شیر زمان خان
9	مودودی	راجہ شیر زمان خان
10	علامہ مشرقیؒ اور معاصر	رشید احمد ملک (ایڈووکیٹ)
11	کشمیر اور علامہ مشرقیؒ	سید شبیر حسین شاہ
12	Man's Destiny	سید شبیر حسین شاہ
13	Quran and Evolution	سید شبر حسین شاہ
14	Disowned Genius	سید شبیر حسین شاہ
15	نگاہ بازگشت	سید شبیر حسین شاہ
16	صراط مستقیم	سید شبیر حسین شاہ
17	رسول صادقؐ	خواجہ غلام قدیر
18	انگریز، سر سکندر اور خاکسار تحریک	محمد علی فارق
19	الاصلاح (خاکسار شہداء نمبر)	(ادارہ)
20	ایک مجاہد علامہ مشرقیؒ	ڈاکٹر رشید نثار
21	قائد اعظم پر حملہ آور کون؟	(ادارہ)

اپنے مطلوبہ آرڈر سے جلد مطلع فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

----- ناظم ادارہ -----

التذکرہ پبلی کیشنز ○ المشرقی ہاؤس' 34۔ ذیلدار روڈ' اچھرہ لاہور۔ 54600
Mobile: 03337535670 - 03317949394
Email: altazkirah.publications@gmail.com

دنیائے علم و خبر کے مفکر اعظم اور نقیب فطرت

حضرت علامہ مشرقیؒ کی تہلکہ مچا دینے والی تصانیف

خریطہ

حضرت علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقیؒ (1963ء - 1888ء) نے 1902ء تا 1909ء کے درمیان 14 برس کی عمر میں 126 رباعیوں اور 170 شعروں پر مشتمل ایک فارسی تصنیف 7 فروری 1924ء کو شائع کی جو خریطہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ جس کا دیباچہ اردو میں تحریر کیا۔ خریطہ کے اس ولولہ انگیز اور روح پرور دیباچے کو پڑھ کر تقریباً" پانچ ہزار شاعروں نے اقرار کیا کہ انہوں نے شاعری ترک کر دی ہے اس کے بعد حضرت علامہؒ نے نصف صدی تک شاعری کو خیر آباد کہہ دیا۔

تذکرہ

اول - دوم - سوم

○ کتاب تذکرہ 3 ستمبر 1920ء میں حضرت علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقیؒ نے پشاور میں لکھنا شروع کی اور 1922ء تک اسے ہزارہا صفحات پر لکھ ڈالا۔ دو برس بعد یعنی 1924ء میں اس کی پہلی جلد (جدید ترتیب کے مطابق جلد اول دوم) امرتسر کے مقام سے شائع کی گئی۔

○ مفکر اعظم اور نقیب فطرت کا قرآن حکیم کے حقائق عالیہ پر دس جلدوں میں ایک مبسوط علمی تبصرہ جس میں مسلمانان عالم کو انکی اجتماعی موت و حیات کی متعلق آخری پیغام دیا گیا۔

○ صدر اسلام سے لے کر آج تک قرآن حکیم کی حکمت بالغہ پر کوئی کتاب اس قدر مدلل، اس قدر یقین انگیز، اس قدر نتیجہ خیز حتماً" نہیں لکھی گئی۔

○ اس کا ایک ایک ورق الٰہی حکمت کا حیرت انگیز مرقع اور اس کی ایک ایک دلیل قرنوں کی غفلت زدہ امت کے لئے چونکا دینے والا تازیانہ ہے۔

○ یہ تصنیف جلیل انبیائے کرام علیہ الصلواۃ والسلام کے پیغام اور بالخصوص قرآن حکیم کی ایک مکمل اور ناقابل بدل ایک اٹل اور علمی تشریح ہے۔ جس کو فرض اور ظن سے سروکار نہیں۔

○ قرون اولیٰ کے صحیح اسلام کے ماسوا تمام مذاہب وادیان کی ناسخ تمام اگلی بے نتیجہ تفاسیر اور تشاریح کی اغلاط کی قاطع اور انسان کے مابین سب اعتقادی فرقہ بندی کی صریح مخالف ہے۔

خطاب مصر

تذکرہ کی مقبولیت کا یہ عالم ہوا کہ جب 1926ء میں قاہرہ (مصر) میں موتمر خلافت کا انعقاد ہوا تو شیخ الاسلام نے حضرت علامہ مشرقیؒ کو دنیائے اسلام کے اہم ترین مسائل کے متعلق رائے دینے کے لئے دعوت دی"

13 مئی 1926ء کو قاہرہ (مصر) میں اس موقع پر جو باطل شکن اور معرکتہ آلاراء تقریر آپ نے کی وہ مصر اور برصغیر پاک و ہند میں "خطاب مصر" کے نام سے مشہور ہوئی۔ جس میں مسلمانان عالم کو آنے والے خطرات سے بچانے، طاقتور بنانے کے لئے ایک عالمگیر پروگرام پیش کیا گیا۔

اشارات

خاکسار اعظم حضرت علامہ مشرقیؒ نے یکم اگست 1931ء میں "اشارات" کے نام سے قوم کی اصلاح کے لئے عملی پروگرام پیش کر دیا۔

جس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ۔

- قوم اور اس کے راہنماء ایک مشترکہ عمل سے جنم لیتے ہیں۔
- انہوں نے اسلام کی ماہیت اور اس کو غالب کرنے کا طریقہ کار بتلا دیا۔
- انہوں نے کہا کہ اگر مسلمان اس وقت سنبھل گئے اور میری کتاب "اشارات" کی تجویز کو محکم طور پر پکڑ لیا تو اب بھی زندگی کی قطعی امید ہو سکتی ہے۔

قول فیصل

15 نومبر 1935ء میں "قول فیصل" میں قوموں کا زوال اور اس کا علاج اور خاکسار تحریک کے پروگرام کی مکمل تشریح کر دی گئی۔

- وہ عظیم الشان تصنیف جس نے "خاکسار تحریک" کو چند برسوں کے اندر اندر نہ صرف ملک گیر بلکہ عالمگیر بنا دیا۔
- وہ انقلاب انگیز تصنیف جس نے مسلمانان ہند کو صدیوں بعد حجروں سے نکال کر بلا لحاظ مذہب و تفریق ایک ہی صف میں کھڑا کر کے عملاً" مساوات پیدا کر دی۔
- مسلمانوں کے اندر پھر سے بے مزد خدمت خلق کا عظیم الشان اور ناقابل یقین جذبہ پیدا کر دیا۔

مقالات (اول دوم)

○ بانی خاکسار تحریک حضرت علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقیؒ کے مقالات" کی پہلی جلد 27 جنوری 1937ء میں طبع ہوئی۔

○ ہفت روزہ الاصلاح کے مقالات افتتاحیہ" کا نقش ثانی ہے۔ جو 23 نومبر 1934ء سے 5 جون 1936ء تک شائع ہوئے۔

○ مقالات کی دوسری مجلد 2 ستمبر 1943ء کو شائع ہو کر منظر عام پر آئی۔ اس میں جریدہ الاصلاح کے 5 جون 1936ء سے 16 جولائی 1937ء تک کے مقالات افتتاحیہ شامل ہیں۔

ان مقالوں میں قوم کو اس کی قوتوں کے زوال سے متعلق باخبر کیا گیا ہے' ہوش بلکہ شعور پیدا کیا گیا ہے۔ کہ قوم کن مصائب اور مشکلات میں مبتلا ہے' قوم میں کیا اخلاق اور اعمال موجود ہیں' کیا ہیں جن کا زوال ہو چکا ہے اور جن کو پھر حاصل کرنے کی امنگ پیدا ہونی چاہیے۔
ان مقالات کو پڑھنے کے بعد چند دنوں میں بڑے مخلص آدمی گوشوں سے نکل پڑے' جان و مال کی عظیم الشان قربانیاں فورا" ہونے لگیں۔ لکھو کھا مسلمان یکدل اور ہمخیال ہوگئے۔ محبت کی نہریں پھوٹ بہیں اور خدمت خلق کا حیران کن منظر پیدا ہو گیا۔

مولوی کا غلط مذہب

○ مولوی کا غلط مذہب میں 25 ستمبر 1936ء تا 28 اگست 1938ء تک حضرت علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقیؒ کے علاوہ تحریک کے دیگر زعماء نے اپنے مقالوں کے ذریعہ سے علمائے سوء کی جاہلانہ تعلیمات کے بخیئے ادھیڑ کر مولوی کے تین سو سالہ مذہبی تخیل کو رد کر دیا ہے۔
ان بیانات کو شاید معاندانہ اور مخالفانہ سمجھا جائے یا مولوی سے کسی ذاتی مخالفت کی تمہید یقین کی جائے لیکن بقول مشرقیؒ
" میں مولویوں اور علمائے دین کا دشمن نہیں ہوں مجھے ان سے کوئی ذاتی کاوش نہیں میں صرف ان کے بگڑے ہوئے مذہبی تخیل اور کم نظری کا دشمن ہوں اور مسلمان کی ذہنیت کو جلد از جلد بدلنا چاہتا ہوں۔
"

خاکسار آئین (انگریزی)

برصغیر کی آزادی کے لئے خاکسار اعظم حضرت علامہ مشرقیؒ نے انگریزی اقتدار کا چیلنج قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا کہ اگر ہندوستانی ایک ایسا آئین پیش کر دیں جس پر ہندوستان کے تمام عناصر متفق ہوں تو ہم

ہندوستان کو آزاد کر دیں گے۔ آپ نے نہایت قلیل مدت میں ایک متفقہ آئین جون 1945ء میں مرتب کر کے اکتوبر 1945ء میں شائع کر دیا۔ دراصل یہ آئین حقیقی معنوں میں حقوق انسانی کا علمبردار ہے۔

حریم غیب

○ حضرت علامہ مشرقیؒ نے پچاس سال کے بعد قید کے دوران ایک حیرت انگیز واقع کی وجہ سے پھر شاعری کو تھوڑی مدت کے لئے اختیار کیا۔ حریم غیب 27 اکتوبر 1952ء میں شائع ہو کر منظر عام پر آگئی۔
○ حریم غیب کے 18 سو اشعار 10 فروری 1951ء سے 20 مئی 1951ء تک دوران کے صرف دو ماہ آٹھ دن میں چار گھنٹے روزانہ مصروفیت کی اوسط سے کہے گئے ○حریم غیب میں دین اسلام کی ماہیت کو علمی نقطہ نظر سے واضح کر کے مسلمان کو اس کے فرائض سے آگاہ کیا گیا اور ظن کے بالمقابل علم کے مقام کی قطعی تشریح کی گئی۔ الغرض شعر زدہ امت کے لئے راہ پر آنے کی ایک گنجائش حضرت علامہ مشرقیؒ نے پھر پیدا کی ہے۔ کیا عجب کہ اسے پڑھنے کے بعد امت مسلمہ سرخرو ہو سکے۔

دہ الباب

○ حضرت علامہ مشرقیؒ نے دوران قید " دہ الباب " کے تقریباً تیرہ سو اشعار یعنی (24 دسمبر 1951ء تک کے) دو ماہ گیارہ دن میں مکمل کئے۔ دہ الباب 10 نومبر 1952ء میں شائع ہوئی۔ 64 مختلف عنوانات کے تحت یہ نظمیں ہیں اہم اہم واقعات اور آیات کی تشریح کتاب کے آخر میں " فرہنگ دہ الباب" میں کر دی گئی تاکہ قاری کو سمجھنے میں آسانی ہو۔
○ دہ الباب میں بڑا مسئلہ علم کا دنیا پر حکم اور اس کا نبوۃ کی طرف ارتقاء ہے۔ اس مسئلے کی اہمیت کا اندازہ لگانے کو ابھی بڑا وقت چاہیے۔ زمین کے کسی بڑے سے بڑے متقدم اور متنور حصے نے بھی تاحال علم کی اہمیت کو تسلیم نہیں کیا اور اس کو ابھی تک زیادہ سے زیادہ موجودہ سیاسی حاکموں کی دست پخت لونڈی قرار دیا ہے۔ لیکن اسلام کو چونکہ پچھلے چودہ سو برس سے دنیا کی سیاست کی تشکیل میں بڑا دخل رہا ہے اور بہت کچھ جو اس وقت تک انسان کی معاشرت میں انقلاب برپا ہوا دین انبیاء کے بے پناہ زور سے ہوا ہے اس لئے یہ امر اٹل ہے کہ انسان کی آئندہ زندگی کی تشکیل بھی اسلام پر ہو کر رہے گی

ارمغان حکیم

○ حضرت علامہ مشرقیؒ نے اپنی قید کے دوران ہی شاعری پر تیسری تصنیف مکمل کی جو 23 نومبر 1952ء کو شائع ہوئی۔ جس میں تقریباً چودہ سو اشعار یعنی (9 جولائی 1952ء تک کے) صرف تین ماہ چار دن

پونے چار گھنٹے کی روزانہ کی اوسط کے حساب سے کیے گئے۔

○ انہوں نے ارمغان حکیم میں غزل کے رنگ میں بلندی فکر کو جلا دی۔ جس نے شعر فہم طبقے میں ایک نئی ہلچل پیدا کر کے اس وقت کی شاعری کو بے قیمت کر دیا۔ ارمغان حکیم میں حضرت علامہ" کا ایک اہم مقالہ بعنوان " شاعری پر نقد و نظر اور خریطہ کا دیباچہ " جو قرآن کی تعلیمات کا ماخذ ہے شامل ہے۔

حدیث القرآن

○ حدیث القرآن سائنسی و مذہبی مفکر و فلاسفر اور عالم باعمل انسان حضرت علامہ مشرقیؒ کی وہ معرکتہ الآراء تصنیف جس میں مصنف نے قرآن کی تعلیمات کو انتہائی سادہ اور آسان لفظوں میں واضح کر کے قرآن کی علمی حیثیت کو اجاگر کیا ہے۔

○ حدیث القرآن کی تصنیف اول تا آخر قید خانہ میں ہوئی۔

○ 30 مئی 1951ء کو اسے شروع کیا گیا اور دوران رمضان میں ہی 19 جون 1951ء تک یعنی (کل 20 دنوں میں) مکمل ہوئی اور 25 نومبر 1952ء میں شائع ہو کر منظر عام پر آئی۔

○ مصنف نے " وہ الباب " کی تمہید میں " حدیث القرآن کے متعلق وضاحت کی ہے کہ " حدیث القرآن" میں میں نے قرآن حکیم کے اختصار کو چند لفظوں میں دے دیا ہے جو صاحب نظر کو یک لخت چونکا دے تاکہ قرآن حکیم کی علمی تصویر اس میں نیا ولولہ پیدا کر دے۔ کسی امت کی نجاح اس میں ہے کہ اس کے پاس حقیقت ہو اور اگر مسلمان کے پاس دنیا کی تمام موجودہ حقیقتوں میں بڑی حقیقت موجود ہے۔ تو وقت ہے کہ وہ اس کو لے کر نکلے اور دنیا کو نئی راہ پر لگا دے۔ چودہ سو برس کے "طول آمد" کے بعد یہی نسخہ ہے جو کسی قوم کو نئی زندگی دے سکتا ہے۔

○ مصنف کی یادگار عالم نوبل انعام یافتہ تصنیف تذکرہ کی دس جلدوں کا اختصار

○ قرآنی نقطہ نظر سے مقام خدا، مقام انبیاء، مقام الکتاب، مقام انسان، مقام فطرت، تمکن فی الارض کی علمی تشریح۔ ○ قرآن کو سمجھنے کے لئے بلندی نگاہ کیا ہو؟ صلائے عام بہ ساکنان زمین، اور ہوشمندان زمین کو ایک پر مغز خطاب۔

○ قرآن حکیم کے عظیم ترین نصب العین اور پروگرام کی تشریح پر جامع مستند کتاب حدیث القرآن کا مطالعہ ضروری ہے۔

○ حال ہی میں آسٹریلوی سائنس دانوں نے کلوننگ کا نظریہ پیش کر کے دنیا میں تہلکہ برپا کر دیا ہے حضرت علامہ مشرقیؒ نے اس نظریہ کی نشاندہی اپنی کتاب حدیث القرآن میں 46 برس قبل کر دی تھی۔

تکملہ (اول دوم)

(سیرت رسول ﷺ ------- اول دوم)

قرآن حکیم کی تعلیمات پر حرف آخر

○ دنیائے علم و خبر کے مفکر اعظم حضرت علامہ مشرقیؒ کی ترتیب نزول قرآن کے عین مطابق سیرت النبیؐ کے موضوع پر یہ حیرت انگیز تصنیف 1960ء میں دو حصوں میں شائع ہو کر جب لوگوں تک پہنچی تو اس نے تہلکہ مچا دیا۔

○ چودہ سو برس میں پہلی قرآن حکیم کی دل کو تسلی دینے والی تشریح۔

○ رسالت مآب کی تیئس برس کی مکی و مدنی زندگی کے جلال و جمال کی داستان۔

○ قرآن حکیم کی تعلیمات کا ایک مکمل، مفصل اور حیران کر دینے والا، دیانت دارانہ جائزہ۔

○ سیرت رسول اللہ ﷺ کی انتہائی علمی و تحقیقی تاریخ، قرآن کے نزول کی صحیح اور جامع ترتیب و تشریح۔

جسے مصنف نے دسمبر 1957ء کی یخ بستہ سردیوں میں (میانوالی جیل میں ایک تنگ نظر امریکی مصنف کی تصنیف پڑھ کر) لکھنا شروع کیا۔ اور تیس دن کی قلیل مدت میں اسے ایک ہزار صفحات پر لکھ کر رسول ﷺ خدا کے متعلق مغرب کے تنگ نظر مصنفین اور مستشرقین کے انتہائی غلط، مضحکہ خیز، بے سروپا اور بے ہودہ اعتراضوں کا مثبت دلائل کے ساتھ دندان شکن جواب دیا۔

"تکملہ" کے مطالعہ کے بعد انسان محو حیرت ہو جاتا ہے کہ

قرآن کا بنی نوع انسان کے نام کیا زندہ رہنے والا پیغام تھا جو صدیوں تک اوجھل رہا! جس کو صرف مدینہ کے مٹھی بھر رسول ﷺ خدا کے ساتھی تھوڑا بہت سمجھ کر اٹھے اور صرف دس برس میں تمام عرب پر ایسے چھا گئے کہ اس چھا جانے کا بے پناہ زور تین سو برس تک قائم رہا۔

انسانی مسئلہ

○ حضرت علامہ مشرقیؒ کا دنیا کے تقریباً بیس ہزار مشہور سائنس دانوں کے نام قرآن حکیم کی تعلیم سے اخذ کیا ہوا مراسلہ جو جولائی 1951ء سے بھیجنا شروع کیا گیا اور نومبر 1955ء تک امریکہ، یورپ اور روس کے مقتدر سائنس دانوں کو بھیجا گیا جس میں ان کی توجہ اس طرف منعطف کی گئی کہ مقصد پیدائش

کائنات صرف انسان کا صحیفہ فطرت کو مکمل طور پر مسخر کرنا ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں چنانچہ اس وقت عالمان فطرت کا تسخیر کائنات کی طرف متوجہ ہونا اسی مراسلے کی وجہ سے ہے۔

○ انسانی مسئلہ کی اشاعت کے فوراً بعد پورے یورپ، امریکہ اور روس مقصد پیدائش کائنات اور تسخیر کائنات کی طرف رجوع ہوئے۔ اسی خط کی بدولت آج یورپ، روس اور امریکہ کے سائنس دان چاند اور دوسرے خطوں پر پہنچے۔

انسانی مسئلہ کے ٹائٹل پر درج ذیل شائع شدہ قرآنی آیات میں ہی اس مراسلے کا مکمل مقصد واضح ہے۔

○ اے لوگو! خدائے لایزال نے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب تمہارے لئے مسخر کیا ہے۔ بیشک اس پیغام میں سوچنے والی قوم کے لئے ضروری ہدایات موجود ہیں۔ ○ اور آسمانوں میں جو کچھ ہے اور جو کچھ زمین میں ہے خدا ہی کا ہے تاکہ برے عمل کرنے والوں کو برائی کی سزا دے اور عمدہ عمل کرنے والوں کو ان کے عمدہ عمل کی جزا (انہی چیزوں میں سے) دے۔ (القرآن)

میری تصانیف کا مقصد اس قدر ہے کہ

قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی ادنیٰ سی عملی اور علمی آگ پاکستان کے زوال یافتہ مسلمان میں پیدا ہو جائے اور وہ آگے بڑھنے کے قابل ہو۔ یہی امید ہے جو مجھے کھینچے لئے جا رہی ہے اور کیا عجب کہ ایک گروہ یہاں یا کسی اور اسلامی ملک میں پیدا ہو جائے تو مسلمان کی بگڑی بن سکتی ہے۔ (حضرت علامہ مشرقیؒ)

التذکرہ پبلی کیشنز ● المشرقی ہاؤس

34 - ذیلدار روڈ، اچھرہ لاہور - 54600

●

AL-TAZKIRAH PUBLICATIONS
AL-MASHRAQI HOUSE
34-ZAILDAR ROAD, ICHHRA LAHORE-54600

Mobile: 03337535670 - 03317949394
Email: altazkirah.publications@gmail.com